Scanned with CamScanner

تاریخ

بشارت الہند و پاکستان

انیسویں (۱۹) صدی عیسوی تک کے مختصر تبلیغی حالات

تبلیغی راز

"آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اُس کے ساتھ مریں"

(قولِ حضرت توما)

مصنفہ و مؤلفہ

پادری **خورشید عالم** صاحب

چرچ مشنری سوسائٹی۔ گوجرہ

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

جلد اوّل — ۱۹۴۹ء — تعداد ۵۰۰

Scanned with CamScanner

نمبر باب	فہرست مضامین	صفحہ
	مُتعارف	
	تُمہید	۱
پہلا	اہلِ ہند کو مژدۂ جانفزا	۵
	(۱) سیاسی و مذہبی پس منظر	۶
	(۲) مقدس تُومّا کی تعمیری بنیاد اور کلیسائی شعاعیں	۱۱
دُوسرا	تاریک زمانۂ تاریخ اور ٹمٹماتا ہوا شعلہ	۳۵
	(۱) شمالی ہند	؍؍
	(۲) جنوبی ہند	۴۴
	فرانسس زیویئر	۴۷
	ڈوم الانسو ڈی منزز	۶۲
	سینٹ ڈیام پور	۶۵
	واقعہ کونن صلیب	۶۹
	مادُورا مشن	۷۴
	رابرٹ۔ ڈی۔ نوبلی	۷۵
	جان۔ ڈی۔ برٹو	۸۱
	فادر جوزف بسکی	۸۶
تیسرا	پراٹسٹنٹ مشنوں کا قیام اور کام	۹۰
	ڈینش مشن	۹۸
	بارتھلیمیوز نجیباغ	۹۹

Scanned with CamScanner

فہرست مضامین

پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور

میں

باہتمام مسٹر الیف۔ ڈی۔ وارث

سکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور چھپ کر

شائع ہوئی

مُتعارَف

یہ کتاب پادری خورشید عالم کے زورِ قلم اور عمیق مُطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ ہندوستانی کلیسیا ہندوستان میں پہلی صدی عیسوی سے قائم ہے کلیسیا کے عام شرکاء اُس کی تاریخ سے بہت کم واقف ہیں۔ یوں تو انگریزی زبان میں بھی کوئی ہندوستانی کلیسیا کی مُستند تواریخ نہیں لکھی گئی۔ اپنی دیسی زبانوں میں تو بہت ہی کم کتابیں ملتی ہیں۔ پادری صاحب نے ایک اہم ضرورت کو پُورا کر دیا ہے۔

پاکستان میں بھی مسیحی کلیسیا سلطنتِ مغلیہ کے زمانے سے چلی آتی ہے۔ پادری صاحب کی خدمت کا ابھی آغاز ہے۔ اِس لئے توقع کرنی چاہئے کہ وہ مطالعہ کو جاری رکھیں گے اور اپنی قلم کو ٹوٹنے نہ دیں گے کیونکہ مسیحی علم ادب کی بہت ضرورت ہے۔

مجھے کامل یقین ہے کہ یہ کتاب کلیسیا کے لئے مفید ثابت ہوگی اور مسیحی تواریخ میں دلچسپی پیدا کرے گی۔ خداوند اِس کتاب کو اپنے جلال کے لئے استعمال کرے۔

بی۔ ایل۔ رلیا رام
پریزیڈنٹ نیشنل کرسچن کونسل مقیم لاہور
(پاکستان)

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۸ء

تمہید

جناب پادری عمانوئیل صادق صاحب بی اے، بی ڈی پرنسپل مدرسہ الہیات کھاتولی کا میں تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کے لئے متحرک کیا۔ میں نے نادانستہ طور پر اس بارِ عظیم کو اٹھانے کے لئے سرِ تسلیم خم تو کر دیا تھا لیکن جن دِقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ مجھے ہی یاد ہیں۔ کیونکہ اول تو تاریخ بشارت الہند کے لئے مسودہ ملنا ہی مشکل ہے۔ اور جو ہے بھی وہ مختصر و منتشر دوسری دِقت جو جاذبِ نظر رہی وہ مشنوں کی لاتعداد کثرت تھی۔ اُن کے اعداد و شمار اور تنظیم و تفصیل کا پتہ لگانا از بس مشکل تھا بعض ایک مشنری صاحبان کو لکھا گیا لیکن انہوں نے خاموشی کو ہی بہتر جواب سمجھا۔ بس پھر بھی اسباب معلومہ سے حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ کہ واقعات کو صحیح لیکن مختصر پیش کیا جائے اور بحث و تنقیح سے دانستہ چشم پوشی کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے کتاب کی طوالت کا خدشہ تھا۔

میرے اردو خوان اربابِ ذوق اس حیرت انگیز تجسس و کشمکش کے نتیجہ سے مزید اپنے ورثہ کو پہچانیں گے۔ اور تبلیغ کے کام میں حصہ لینا اپنا فرضِ اولین سمجھیں گے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ہم اس کتاب کے وسیلہ سے مغربیت کی طرف سے تعصب و تنگ نظری کی پٹی کو اتار کر اس مژدۂ جانفزا کے لئے ان کا شکریہ

اور اُس ورثہ کو جو انہوں نے سونپا ہے عالمِ مشاہدہ میں ضرور اُجاگر کریں گے۔

مشنوں پر مجموعی نظر ڈالنے کا مقصد یہ بھی ہو کہ ہم اتحادِ کلیسیا کو عملی طور پر ممکن کر دیں۔ لیکن اتحاد کا مطلب یہ نہ ہو کہ کمزور انجمنوں کو کچل دیا جائے۔ یا اُن کی دھیمی آواز سے بے پرواہ ہو جائیں۔ بلکہ چاہیے کہ ہمارا زاویۂ نگاہ وسعتِ الفت سے پھیلے اور قدیم روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اصلاحاتِ موجودہ کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور بُعد المشرقین جو ہندوستانی مسیحیت و تبلیغ میں حائل ہے۔ دُور کر کے دوستی کے تعلق ایک دوسری مشن والوں سے قائم کریں تاکہ کوئی انجمن نیست و نابود نہ ہو جائے۔ ہمارا کام اتحاد کی اشاعت کرنا ہے اور اس کے لئے ہمیں ہر وقت مستعد رہنا چاہیے۔ ہمیں اپنے روایاتی بانی کلیسیائے ہند مقدس تُوما کے اِن الفاظ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ "آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اس کے ساتھ مریں"۔ اس مرنے سے دوسروں میں جان پیدا ہوگی ہم مر جائیں تاکہ دوسرے جئیں۔ کیا مشنوں نے ہمیں یہ سبق نہیں دیا۔ وہ مر گئے تاکہ ہم جئیں۔ پھل پیدا کریں اور ہمارا پھل قائم رہے۔

میں جناب پادری مہندر سنگھ صاحب بی۔اے، ایل ایل۔ بی کا بھی شکریہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ انہوں نے کتب بہم پہنچانے میں مجھے بہت مدد دی اور ہدایاتِ نادرہ سے بہرہ ور کرتے رہے نیز میں اپنی اہلیہ محترمہ کا بھی مشکور ہوں کیونکہ انہوں نے اصلی مسودہ پڑھ کر صحت و درستی کی۔

باشوق حضرات کی توجہ میں اُن کتب کی طرف مبذول کیا

چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اس مسودہ کی تصنیف و تالیف میں میری
ازحد مدد کی ہے۔ میں اُن کے مصنفین کی عرق ریزی کی داد دیتا ہوں
اور اس مدد کے لئے ان کا شکریہ۔ وہ کتابیں آخری ورق کے اندر کی
جانب تحریر کی گئی ہیں۔ جن کو آپ پڑھ کر فائدہ اٹھائیں۔

آخراً میں متنازعہ لیکن باثبوت امر جس سے انحراف ممکن نہیں
آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ تاکہ ہم سب اپنے تجربہ کو وسعت
دیں اور حالاتِ سابقہ پہ مسیحی بصارت سے نگاہ ڈالیں۔ کہ اہلِ ہند کے
لئے خداوند یسوع مسیح نے مقدس تُوما کو بھیجا جس نے ہند جانا گوارہ کیا
تاکہ ہند میں "اے میرے خداوند اے میرے خدا" کا اعلان کرے۔ اس مقدس
رسُول کی زندگی کی نسبت یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقدس متی کا ساتھی
تھا۔ کیونکہ اجمالی اناجیل میں اُس کا نام اس کے ساتھ ساتھ پیش کیا
گیا ہے۔ ملاحظہ ہو متی ۱۰/۳، مرقس ۳/۱۸، لوقا ۶/۱۵ لیکن اعمال میں اس
کا ذکر فلپس کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یوحنا کی انجیل کے مصنف نے
توما ۱۱/۱۶، ۱۴/۵، ۲۰/۲۴ میں اس کو بہت نمایاں پیش کیا ہے۔ جس سے
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ منکسرالمزاج لیکن باجرأت شخص تھا۔ تخیلات میں
جدت و نیرنگی پائی جاتی تھی۔ اور واقعات کو تجربہ سے دیکھنے کا خواہش
مند رہتا تھا۔ یوحنا نے اس کا آرامی نام توما لکھا ہے۔ جس کا مترادف
یونانی لفظ ڈیڈیمس ہے۔ روائت ہے کہ یہ بہن لوسیاہ کا توام بھائی
تھا لیکن ایک روائت کے مطابق یہ الیعزر کا بھائی تھا۔ نیز اعمال
توما میں اسے خداوند کا بھائی لکھا گیا ہے۔ اور اس لئے اس کا نام
یہوداہ توما ہوا اور یہی نام روائت اڈیسہ میں رائج ہے۔ قدیم روائت

کے مطابق اس کو پارتھیاہ کا مبشّر کہا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ تحقیق نے یہ امر واضح کیا ہے۔ کہ ہند پارتھیاہ سلطنت میں شامل تھا۔ سو یہ امر مسلمہ ہے کہ مقدّس توما بانئ کلیسائے ہندو پاک ہے۔ اور اہلِ ہند کو اس پر نازاں ہونا بجا ہے اس لئے اس کے دن ۲۱ دسمبر کو سب کلیساؤں میں اس کی یاد منانی لازمی ہونی چاہیئے۔ تاکہ ہم اپنے مقدّس رسول توما کا جذبہ لئے ہوئے کہ "آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اس کے ساتھ مریں" ہندو پاکستان کو مسیح خداوند کے قدموں میں لے آئیں۔

(خورشید عالم)

Scanned with CamScanner

پہلا باب

اہلِ ہند کو مژدۂ جانفزا

مذہبی و سیاسی پسِ منظر

قدیم زمانہ سے ہندوپاکستان تاریخی اثرات سے متاثر ہوتا چلا آتا ہے۔ اس کی سرزمین اقوامِ عالم کا گہوارہ بن چکی ہے۔ اس کے احساسات و علم الٰہیات میں تغیر ہوتا گیا اس کی جو تمدنی، معاشرتی و مذہبی حالت اب ہے اور جس ترقی کے زینہ پہ ہنوز یہ اپنے آپ کو تشکیل کر رہا ہے وہ اس میں انیسویں سو سال قبل نہ تھی۔ اس کے نصب العین اور خیالات نے اب پلٹا کھایا ہے۔ اس کے تخیلات میں جدت، قومیت اور برادریت بیدار ہو گئی ہے۔ اس پر جو ذات پات کا رنگ غالب تھا وہ مسیحی ضیاپاشی سے اُٹھ چکا ہے۔ اس لئے اب اس کا بکھرا ہوا شیرازہ منظم ہو رہا ہے۔ لیکن جب تک یہ حریت، مساوات و اخوت کے ساتھ مسیح خداوند کے ساتھ پیوست نہ ہو جائے اس کو مختلف تغیرات و حوادث کا مقابلہ کرتے ہی رہنا پڑے گا۔ اور بغیر مسیح خداوند کے مژدہ جانفزا کے اس کو منظم کرنا سہل کام نہ ہوگا۔ کیونکہ انیس سو

سال قبل جب کہ مسیحیت نے اوّل مرتبہ ہندوستان کی سرزمین کو شرفِ نزول بخشا تو ہند میں مہاتما گوتم بدھ چھٹی صدی ق م میں برادریت و اخوت کے خیالات کی ترسیع کا ڈنکا بجا چکا تھا۔ راجہ لعدومعیت اُس سے متاثر ہوئے۔ اشوکا ۲۶۱ ق م میں اس کا زبردست پیرو کار تھا۔ اس لئے اُس نے عدالت گاہیں بنوائیں۔ موت کی سزا کو موقوف کر دیا۔ مصر و یونان سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے اور چین۔ تبت۔ سیام و لنکا کو اپنے پرچارک بھیجے لیکن جب وہ مر گیا اور سلطنت اگنی کول خاندان کے ہاتھ آئی تو برہمنوں کے عروج کی وجہ سے ذات پات کا مسئلہ دوبارہ ٹھونس دیا گیا اس لئے بدھ مت کے علمِ اخلاق کو وہ زک پہنچا کہ دوبارہ نہ اُٹھ سکا کیونکہ وہ ایسا علم تھا۔ جس میں خدا کو پیوست نہ کیا گیا تھا۔ سو دوبارہ کوشش کے لئے ادویت ہمہ اوست میں تت توم اسی۔ وہ تو ہے اور اہم برہم اسی۔ میں برہمن ہوں کے نعرے لگنے لگے۔ اور شو کی شکتیوں پاربتی بھیروی۔ درگا۔ کالی ماتا اور لنگ وغیرہ کی پرستش، مدیہ شراب مانس گوشت۔ مینہ مچھلی۔ مودرا سو کھا اناج اور متھی جنسی تعلقات وخرافات سے ہونے لگی۔ وشنو کی پوجا کم ہو گئی لیکن شو کے مندر ہر جگہ نمودار ہو گئے اُس پہ طرہ یہ کہ فلسفی کو منزلِ ارتقاع پر پہنچانے کی کوشش کی گئی جس سے کپل کے سانکھ درشن نے عوام میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ خدا نہیں ہے اس لئے چارواک اور جین مت کو دوبارہ عروج حاصل ہوا۔ جس سے مہاویر کے پیرو کار مسیحی عرفان علم۔ نیک چلنی۔ نفس کشی اور اہنسہ پہ زور دینے لگے۔ مگر خدائے

ذوالجلال سے کنارہ کیا اور پرستش و دُعا کو بے معنی اور بے وقوفی ٹھہرایا۔ سو ضرورت لاحق ہوئی کہ متنزل ہندوستان مسیحی مژدہ جانفزا سے اطمینان۔ خوشی اور حقیقی الٰہی عرفان کو حاصل کرے۔

اُدھر سیاسی طور پر نظام سلطنت میں انقلاب پیدا ہوا جس سے ۶۵ ق م ۔۔۔ ۲۳۶ء تک اِندرا خاندان سلطنت مگدھ پر مسلّط ہو گیا اور دکن و شمالی ہند کی عنانِ حکومت کو سنبھال لیا کیونکہ دکن میں وارنگل و شمالی ہند میں اُجین اس کے دارالخلافے تھے۔ اس خاندان کو قائم کرنے والا وِکرم آدتیا اپنے زمانہ میں عظیم الشان شہنشاہ ہو گذرا ہے جس کی قوّت و سرگرمی اپنی نظیر نہیں رکھتی اس لئے اس کی یاد نہایت عزت سے ہر گوشۂ ہند میں کی جاتی ہے۔ وہ فنِ ادب کا نہایت دِلدادہ تھا۔ عطیہ جات دے کر ہر چہار اطرافِ ہند سے وہ علما کو اپنے دربار میں بلاتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ہندوستان نے علم فلسفہ میں بہت ترقی کی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مغربی دنیا کے لوگ یعنی برطانیہ۔ گال۔ جرمنی اور سکنڈے نیویا غیر مہذبانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن مشرقی دنیا میں قانون۔ سائنس۔ علم القوا نجوم اور فلسفہ کے ماہر اُستاد پائے جاتے تھے لیکن دقت یہ تھی کہ یہ کارخانہ عقل و حکمت کے زور پر چل رہا تھا۔ اور خدا کی حضوری کا احساس کوسوں دُور تھا۔ اس لئے ہندوستانی حکومت میں انتشار کا زمانہ آ گیا۔ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو کر سلطنت کو ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ کیونکہ پہلی صدی قبل از مسیح میں مہاپان نے خاندانِ شاہ کی بنا سورت میں ڈالی جو کہ مغربی

ساحل پر واقع ہے۔ یہ قابض لوگ یا تو پارتھی قبیلہ سے یا ساسانی قوم سے متعلق تھے۔ انہوں نے بدھ مذہب کو قبول کیا۔ اور بائی خاندانِ شاہ نے کارلی وہار کو جو کہ بمبئی اور پونا کے درمیان ہے۔ سنگ تراشی کے اعلےٰ ترین معیار پر تراش کروایا لیکن ۱۸۰ء میں پُولابی سے انہیں شکست فاش ہوگی اور یہ لوگ شمالی ہندوستان کے بہت سے حصوں پر قابض ہو گئے۔ اس خاندان کے دوسرے بادشاہ نے لنکا پر بھی یورش کشی کی لیکن ان کی حکومت ۱۲۵ء تک ہی محدود رہی۔

۱ کتبات سے یہ بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ ہر یونانی بادشاہ بحر کیسپین کے تمام جنوبی ساحل پر حکمران تھے۔ اور ان کا علاقہ پارتھیا کی اُس قدیم سلطنت سے ملتا تھا۔ جس کی بنیاد الیسوڈرسیتھی نے پہلی صدی قبل از مسیح سکستانے میں قائم کی اس خاندان کے سات بادشاہوں کے نام سکّوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن میں جابر اور زبردست بادشاہ گُدنافیر تھا۔ جس کے عہد میں "کتاب اعمالِ توما" کی روائت کے مطابق مقدّس تُوما رسُول ۲۹ء کو ہند میں وارد ہوئے۔ یہ شاہ ایک بہت وسیع علاقہ پر حکومت کرتا تھا اس کے سکّے عموماً ہرات سیستان قندھار اور بیگ رام میں اور بعض جگہوں پر پنجاب میں بھی پائے گئے ہیں۔ پشاور کے شمال مشرق میں ایک مقام تخت بہائی کا کتبہ اس کے ۲۶ ویں سال کو کسی ایک سمت کا ۱۰۳ سال بیان کرتا ہے۔ غالباً یہ سمت وادی کابل میں بدھ مذہب کی آمد سے شروع

۱۰۳ وسیع سلطنت تھی۔

کیا گیا ہے۔ اور قندھار کی سنگتراشیوں سے جو کتبہ معلوم ہوا ہے۔ اس پر شاہ گُدنافیرنیس ٹیکشیشلا یا موجودہ ٹکسلا کا ذکر ہے۔ سو خیال غالب ہے کہ یہ شاہ قندھار پر بطور مرکز اور ٹکسلا پر بطور دارالسلطنت حکومت کرتا تھا۔ اس کے برسر سلطنت آنے کا زمانہ ۲۰ یا ۲۱ء ہو سکتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کا خاندان بھی ابتری کی حالت میں ہو گیا اور بعدہٗ اکثر ایک ہی وقت میں دو بادشاہ حکمران ہونے لگے۔ تو بھی ۷۰ء تک یہ قابض رہے۔

چینی مؤرّخ نے ایک جنگجو توچاری قوم کا ذکر کیا ہے۔ جس کا بانی کیوانشیو فیو تھا یہ ۸۰ سال کا ہو کر مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ین کیوشن جانشین ہوا۔ اس نے ملک ہند پر فوج کشی کی اور دریائے سندھ کے گرد و نواح کی زمین کو فتح کر کے اودھ تک اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔ لیکن اس کے ساتھ سکوں کی یہ بھی گواہی ہے۔ کہ کُوزالاکدفیس جو کوزولو کدفیضو کا جانشین تھا۔ ایک نہایت عظیم الشان بادشاہ تھا۔ اس کے سِکّے مانکیالہ پنجاب میں پائے گئے ہیں۔ جن پر اگستس کے دینار کی طرح بادشاہ کے سر کی مُہر ہے۔ اور ہندوستان کا فاتح آدمی کدفیس بھی تھا جس نے اصل میں ہندوستان پر حکومت کی۔ اور اس کے سِکّے پنجاب۔ کابلستان اور بنارس تک پائے گئے ہیں۔ اس کی جبروت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس نے سونے کو مسکوک کیا۔ ہندوستان کی ایک تصنیف "دراہ مہر" سکوں کی اس شہادت کی تصدیق کرتی ہے۔ اور چینی بیان کی مطابقت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ

بنیادوں پر قائم تھی اُس کے مَن کو نہ بھاتی تھی۔ اِس لئے غیظ و غضب میں بھر کر اُس نے مُقدّس تُوما کو بلایا اور کہا کیا تم نے محل تیار کر دیا؟ ہاں حضور والا کرام محل تیار ہے، مُقدّس تُوما نے جوابدیا۔ وہ کہاں ہے میں جلد دیکھنا چاہتا ہوں۔ شاہ نے تیور چڑھاتے ہوئے کہا، حضور محل موجود تو ہے لیکن آپ اُس کو مادی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ جب اِس زندگی سے انتقال فرمائیں گے تو آپ اُس کو ضرور دیکھیں گے۔ مُقدّس تُوما نے جواب دیا۔ بادشاہ کا قہر بھڑک اُٹھا۔ مجھے ایسے محل کی ضرورت نہیں اِسے فوراً قید خانہ کی تہ میں پھینک دو۔ اور اس کے بے باکانہ صرفہ کی واجبی سزا دے دو۔ تُوما اور تاجر دونوں قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ لیکن کیا ہوا کہ شاہ گُندافرس کا بھائی بیمار ہو کر مر گیا۔ اور فرشتگان اس کی رُوح کو آسمانی مقاموں کی طرف لے گئے۔ اور وہاں اس نے نہایت عظیم الشان محل دیکھا۔ جو نہایت ہی عجیب و غریب اور بے مثل تھا۔ اِس لئے اِس جاد نے فرشتگان سے عرض کی کہ برائے نوازش مجھے اِس محل میں رہنے کی اجازت دیجئے۔ فرشتوں نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں۔ تو اِس میں نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو ایک مسیحی نے تیرے بھائی کے لئے تیار کی ہے۔ جاد کے ذہن میں وہ واقعہ یاد آگیا۔ اور یہ بھی کہ مقدس تُوما سے کیسے سلوک کیا جا رہا ہے۔ منّت کی کہ اگر آپ میری رُوح کو واپس جانے کو بخش دیں تو میں اِس عجیب عمارت کی خوشخبری اپنے بھائی کو بتاؤں گا۔ اِدھر شام کو اس کے دفن کی تیاری ہو رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

کہ جادو جی اُٹھا۔ اور شاہ اِس عجیب محل کی نسبت سُن کر کہ متعماً آسمان پر اُس کے لئے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کرتے ہیں انگشت بہ جیرت بدنداں ہوا۔ اب کیا تھا۔ مقدّس تُوما اور ناجو کو تُزک و احتشام سے لایا گیا۔ بادشاہ نے اپنے قصوروں کی مُعذرت چاہی۔ گر کر اُسے سجدہ کیا اور مع خاندان مسیحی ہوگیا۔ یہ انقلاب چشم زدن میں پیدا ہوگیا۔ اور یہ سچی مسیحی بصیرت حاصل کر کے اُنہیں تبلیغ عام کی سلطنت میں اجازت بخشی اور خُود اپنی طاقت و شجاعت سے اِس کارکردگی کی حمائت کی، اب رسُول فقیر کی طرح دوبارہ پرچار ہونے لگا۔ جو بیمار و نحیف ان کی صُحبت میں آتا شفا پاتا تھا یہاں تک چرچا پھیلا کہ دُوسری راجدھانیوں کے لوگ بھی جوق در جوق۔ اِن کے گرد اکٹھے ہونے لگے اور شفا بخش طاقت جو اُن کے ساتھ تھی اُس سے متّحیر تھے اور اُس کلام سے ششدر تھے۔ جو صاحب اختیار کی چنگاری سے منّور تھا۔ راجہ واسودیو کی قلمرو گندافرس سے متصل تھی۔ یہ پنجاب کے باقی حصّہ اور مالوا پر اغلباً حکمران تھا۔ لیکن اس کو اپنی زندگی میں چین نصیب نہ تھا۔ بیوی اور بیٹی دونو آسیب زدہ تھیں۔ شائد ایسی مرض تھی کہ وحشت و جنون نے اُن کے تخیلات میں پاگل پن پیدا کر دیا تھا۔ جس میں وہ نہائت احمقانہ اور قابلِ شرم حرکتیں کرتی تھیں۔ گو اس بادشاہ کا لقب "راجاؤں کا راجہ اور منجی اعظم تھا۔ لیکن گھر میں حیرت و سکوت کا عالم تھا۔ اِس لئے جب اُس نے کسی سے مقدّس تُوما کے معجزات کی نسبت سُنا تو نہائت خوش ہوا اور اپنے سپہ سالار کو بھیجا کہ وہ اُسے

اُس کے دربار میں لائے۔ اِس وقت مُقدّس تُوما نہائت مشغولِ خدمت تھے۔ کلیسائیں قائم ہو چکی تھیں۔ ڈیکن مقرر تھے اس لئے اپنے کام کو ایک ڈیکن بنام خانیتپیس کے سُپرد کر کے سپہ سالار مُسافر کے ساتھ چل دیئے۔ بادشاہ نے ملنے پر بہت قدر کی۔ بڑے تپاک سے پیش آیا۔ اور سب حقیقت و ماجرا کہہ سُنایا۔ سو تُوما نے دعا کر کے مسیح خداوند کے نام پر آسیب زدوں کو دُرست کر دیا۔ اب کیا تھا؟ خلعتِ فاخرا عطا کی گئی اور بشارت کی اجازت مل گئی۔ یہ اِدھر اُدھر معزز گھروں میں گھومنے لگے اور اس طور پر شریف زادہ سردار کارس کی بیوی مگدُھنیا مسیحی ہو گئی اور تجردانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ جس پر سردار کارس نے مُقدّس تُوما کی شکائت کی۔ اور مُقدّس تُوما کو بادشاہ کی طرف سے سخت ایذائیں پہنچائیں گئیں۔ جن کو شیدائے صلیب نے بخوشی برداشت کیا۔ سوا اسی صلیبی اثر سے بادشاہ کی بیوی ٹرتیا اور اس کا بیٹا واسن بمعہ اہلیہ خود مسیحی ہو گئے۔ بادشاہ کا زاویہ نظر بہت تنگ تھا۔ اس کی طبیعت زیادہ مکدّر ہو گئی اور اُس نے مُقدّس تُوما کو غصّہ میں مروا ڈالا۔ تو بھی یاد رہے کہ مُقدّس تُوما کی موت پر لا اوریت کا رنگ غالب ہے۔ ابھی تک زیادہ درستی سے نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ شمالی یا جنوبی ہند میں شہید ہوئے لیکن جنوب میں شہادت کی دلائل قوی اور زیادہ قابل یقین معلوم ہوتی ہیں، اس لئے ایسا نظر آتا ہے۔ کہ اس ہندی راجہ واسودیو کی سلطنت میں ایذا رسانی کی وجہ سے انہیں خطۂ پنجاب کی طرف دوبارہ

تغیرات و حوادث کا مقابلہ کرتے ہوئے رُخ کرنا پڑا اور ۲۵۰ء تک تبلیغ کے کام کو جاری رکھا لیکن اب دفعتاً تبدیلی رونما ہوئی سلطنت کے انحطاط کا زمانہ آگیا۔ اور سلطنت پارتھیا تو چھوٹی کشان قوم کی عظیم یورش کشی سے عاجز آگئی اور سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے جس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ پنجاب اور کابل دونوں ان کے قبضہ میں آگئے لیکن گنڈافرس کا ہمعصر راجہ واسودیو بھی آزاد نہ رہ سکا سو وہ ان دونوں سلطنتوں پر مسلط ہو گئے جیسا کہ اُن سکوں سے عیاں ہے جو مانکیالہ پنجاب میں اور کابل اور بنارس میں پائے گئے ہیں۔ لازماً نئی سلطنت سے انقلاب پسندی اور بربادی پیدا ہو گئی۔ خفیہ طور پر مُقدس توما بہت دنوں تک کام کرتے رہے لیکن آخر کوئی حد ہوتی ہے انہیں شمالی ہندوستان سے بھاگنا ہی پڑا اور کلیمنے جو بمبئی سے چالیس میل پر ہے انہوں نے آکر دم لیا۔ اس کے قریب سے رت میں نہاپان شاہ نے جو ہندی ستھی نسل سے تھا اور وہار کالی تراش کروایا تھا۔ جو اب تک فن تعمیر کی ایک حیرت کُن تصویر ہے۔ اور بدھ مت کا بڑا مرکز تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے قریب اپنا کام شروع کیا۔ اور کلسیا کو قائم کرکے بادبانی جہاز پر سوار ہو کر جنوبی ہند کو چل دیئے۔ یہ اغلباً ۵۲ء کا زمانہ تھا اس وقت جنوبی ہند میں پارتھین قوم کا دوسرا خاندان جو 'پہلوی' کے نام سے کہلاتے تھے حکمران تھے۔ اِن دونوں سلطنتوں میں راہ ورسم تو جاری تھی اور یہی ایک نزدیک جائے پناہ تھی

کابل کی طرف واپس جانے کا راستہ تو بند ہو گیا تھا کیونکہ وہاں پر دشمن قابض ہو گئے تھے۔ اِس لئے یہ بندرگاہ کرانگا نور پر اُترے اور گردو نواح میں بشارت کا کام زور و شور سے شروع کر کے لوگوں کے دل میں ہیجان و تڑپ پیدا کر دی جب برہمنوں نے دیکھا کہ اس شخص کے وسیلہ سے ہماری روزی اور مذہبی جال کی وسعت کم ہو جائے گی۔ تو برہمن علما یکے بعد دیگرے مُقدّس تُوما سے بحث مباحثہ کرنے لگے۔ نو برہمنوں نے مباحثہ کیا لیکن انہوں نے معلوم کیا کہ گو ہماری دلائل میں فلاسفی تو ہے لیکن فلاسفی بودی ہے جب تک اُس کی پُشت پر یقین کامل اور نمایاں حقیقت نہ ہو۔ برعکس اس کے مُقدّس تُوما کی شخصیت نہایت غالب تھی کیوں کہ وہ زندگی کے تجربہ سے نُور کا کلام پیش کرتے تھے۔ اور اُس کلام کو پیش کرتے تھے جسے اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ہاتھوں سے چھُوا اور جس سے اُن میں یہ زندگی پیدا ہوئی تھی۔ فلسفہ کی اصطلاحات نہ پیش کرتے تھے۔ کہ ارتھ اور شبد کیا ہے۔ بلکہ اصلی معنوں کو میں خود جانتا ہوں اور اپنی زندگی سے ظاہر کرتے تھے کہ کلام اللہ کے وسیلہ سے اُن میں نئی پیدائش کیسی ہے؟ اِس لئے نو برہمن علما بمعہ خاندان مسیحی ہو گئے مشرقی گھاٹ سے تبلیغ کر کے مغربی گھاٹ کو گئے اور مدراس اور اس کے گرد و نواح میں اپنے نجات دہندہ کا خُوب کام کیا۔ تو جنوبی ہند میں سات خُود مختار کلیسیائیں پیدا ہو گئیں مثلاً پالور۔ کرانگا نور۔ پاؤور۔ گوکمن غلام۔ چپال۔ پیرانام اور کیلون۔ یہ چپال جنگل کی پیٹ میں

آکر برباد ہو چکا ہے اور کیٹولان سمندر کی زد میں آکر بہ گیا ہے۔ لیکن نیرانام اب تک قدیمی روایات پر مستحکم ہے اور جیکو بائٹ کلیسا کے افراد یہاں ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مقدس توما نے دو بزرگ مقرر کئے اور اپنے کام کو ان کے سپرد کر کے خود ہند چینی کی طرف گئے لیکن جب دوبارہ یہاں واپس آئے تاکہ کلیسا کو دوبارہ دیکھیں اور انہیں مضبوط کریں تو ملک میں اُن کے خلاف شورش برپا تھی۔ قدامت پسند تو مقدس توما کو ایک آنکھ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں اُس کے اظہار کا بھی مطلق قائل نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے ظالمانہ طور پر ان کا پیچھا کیا اور وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ یہاں عجیب طور سے ضروری حاجات اور پانی میسر ہوتا رہا۔ لیکن یہاں بھی باغیوں نے آ لیا اور انہیں کشاں کشاں وہاں سے لے گئے جس کو اب مقدس توما کی پہاڑی کہتے ہیں یہ مدراس سے جنوب مغرب کو ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور نیزہ سے ان کا کام تمام کر دیا اور بہترین نمونۂ مسیحیت کو ہند سے ختم کر دیا لیکن مشاہدہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا اس کے خون کی چھینٹیں لوگوں کے دلوں پر پڑیں اور ایسی چھاپ لگا گئیں جو کسی ایذا سے مٹائی نہیں جا سکتیں اور نہ مستقبل میں مٹائی جائیں گی۔ جہاں خون بنیاد ہے۔ وہاں کلیسائیں تازہ اور زندہ ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ شمالی ہند کے مسیحی نوچاری قوم کے ایک ہی حملہ اور بعد کے انقلاب سے ایسے تبدیل ہوئے کہ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ وہ کبھی

مسیحی ہوئے تھے اور کہ بادشاہ بھی مسیحی ہو گذرے ہیں۔ شاید
مسیحیت ایمان کے ساتھ دل میں نہ بیٹھی تھی اس لئے وہ
جلدی نئی رو میں الجھ گئے اور سیلاب حوادث میں بہ گئے۔
لیکن جنوبی ہند کی کلیسائیں بدستور جیتی جاگتی رہی ہیں
وہ ہماری ابتدائی شعاعیں ہیں جو اندھیر نگری میں ہمارے
لئے قابلِ نمونہ ہیں۔

جنوبی ہند میں مسیحیت کے سلسلۂ قیام میں گواہوں کا
ایک بڑا بادل ہمیں گھیرے ہوئے ہے جن میں پنٹینس ناظم
مدرسۂ اسکندریہ پیش از پیش ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ دوسری
صدی کے آخر میں جنوبی ہند کی مسیحی جماعتوں نے اسکندریہ
کے بشپ ودیمریتیس کے پاس عرضی بھیجی کہ ان کے لئے ہادی
بھیجا جائے جو کلیسا کو مسائل ایمان و دستور میں استوار کرے۔
لیکن صرف ایک ہی قابل اور فلسفے کا ماہر استاد اسکندریہ میں
تھا۔ وہ پنٹینس صاحب تھے جو سٹوکی فلسفہ کی تنگ نظری و
خشکی سے منعطف ہو کر مسیحی ہوئے تھے۔ اس لئے زیادہ موزوں
تصور کئے گئے۔ انہوں نے بھی بصد شوق اہل ہند کے مسیحیوں
کے پاس آنے کی زحمت اٹھا ناگوارا کر لی۔ اور یہ ۱۸۹ء کو ہند
میں پہنچ گئے اور برہمن اور بدھ علماء سے بحث مباحثہ کرتے رہے
لیکن زیادہ دیر قیام نہ کر سکے اور ہند سے متی کی انجیل جو عبرانی
زبان میں تھی اپنے ساتھ اسکندریہ لے گئے۔ وہ بیان فرماتے
ہیں کہ ہند میں برہمن۔ بدھ اور سادھو لوگ پائے جاتے ہیں۔

علاحدہ ہونا

جو درخت کی چھالیہ کے کپڑے پہنتے ہیں اور پھل پانی پر گذارہ کرتے ہیں۔ گو یہ بیان مختصر ہے تو بھی ہمارے تخیّلات کی گرمائی کے لئے شمعِ ہدایت ہے۔

شاہ گونا پٹر پیارک کے زمانے میں جو (۲۹۵ — ۳۰۰) ہے۔ یہ مرقوم ہے کہ داؤدی جو بصرہ کا بشپ تھا اور علم وفضیلت میں نہایت ممتاز مانا جاتا تھا وہ ہندوستان آیا اور بہت سے لوگوں کو کلام اللہ سے فیض یاب کیا۔ میز کو سیمیٹس نے تیسری صدی میں لکھا ہے کہ مقدّس توما نے پارتھیا میں خدمت کی۔

جیروم جو چوتھی صدی کے علما میں سے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ابنِ خدا سب جگہ موجود ہے۔ مقدّس توما کے ساتھ ہند میں۔ پطرس کے ساتھ روم میں۔ پولوس کے ساتھ الرک میں طیطس کے ساتھ کریت میں۔ اندریاس کے ساتھ آخیہ میں اور ہر مبشّر کے ساتھ ہر علاقہ میں جن کو انہوں نے عبور کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت عرصہ دراز تک یہ کلیسیا سے تعلق ہو گئی۔ جس کی وجہ سے دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی کہ بشپ اورا ہا اڈیسہ کے چوتھی صدی کے وسط میں خواب سے معلوم پڑتا ہے کہ میرے لئے بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ مسیحی مالا باری جن کو حاصل کرنے کے لئے میں مر گیا۔ برباد و ہلاک ہو رہے ہیں؟ اس آواز کو سنتے ہی بشپ صاحب یروشلم کے بزرگوں کے پاس گئے اور سب حال کہہ سنایا جس پر بزرگانِ یروشلم

نے تجربہ کار روحانی علماء کو اکٹھا کیا اور ان سے صلاح ومشورہ کیا گیا اس فیصلہ پر پہنچے کہ تھوما تاجر کو بھیجا جائے تاکہ ہمیں ملا بار کے درست حالات کی خبر دے۔ لیکن جب وہ ملا بار پہنچ گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ مقدس توما کے مسیحی صلیب کو بطور مسیحی نشان استعمال کر رہے ہیں اس لئے یہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ اور تمام سابقہ واقفیت اُن سے حاصل کی اور معلوم کیا کہ انہیں پاسبان کی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے وہ جلدی جہاز پر چڑھ کر یروشلم کو چلا گیا۔ اور بزرگانِ دین سے سب کیفیت کہہ سنائی جس پر بزرگوں نے بشپ اُورَاہا کے ساتھ کئی پاسبانوں اور خدمت گذاروں۔ بہت سی عورتوں۔ مردوں اور بچوں کو بہ ہمراہی تاجر توما جانے کا حکم دیا۔ ان سب کو برکت دے کر انہیں جہاز پر سوار کیا اور خدا کے فضل سے وہ سب ۳۴۵ء کو ملا بار بہ حفاظت پہنچ گئے۔ یہ بیان بھی صداقت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت ملک فلسطین میں مسیحیوں پر ظلم وستم برپا تھا۔ لوگ مسیحی نام کی خاطر ستائے جا رہے تھے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ مرد عورتیں اور بچے جو سب تقریباً ۴۰۰ ہو سکتے ہیں چل دیئے۔ ملا بار کے مسیحیوں نے بخوشی اُن کا خیر مقدم کیا۔ یہاں تک کہ راجہ ملک نے نہائت تپاک سے اُن کی آؤ بھگت کی اور انہیں زمین عطا کر کے تمام حقوق باشندگانی عطا فرمائے اور ممکن ہے کہ اسی وقت سے سوریانی اور ملا بار کی کلیسیا کے تعلقات زیادہ پختہ ہو گئے ہوں۔

Scanned with CamScanner

اس مدد کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ اہل ہند کو اپنے غیر ملکی مذہبی بھائی دیکھ کر نہایت خوشی اور رُوحانی تقویت حاصل ہوئی اور بشارت میں توسیع ہوگئی اور پژمُردہ کلیساؤں میں دوبارہ جان آگئی جیسا کہ کاسماس ہندی مُسافر کی کتاب جو اغلباً اس نے ۵۲۲ء میں تحریر کی۔ پتہ چلتا ہے۔ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کلیسیا کو ہند میں معدوم ہوئے نہیں بلکہ بہت جگہوں میں پایا یہاں تک کہ تمام دُنیا مسیح کے عقیدہ سے پُر ہے جس کی دن بدن بشارت ہوتی ہے۔ اور انجیل تمام دنیا میں سُنائی جاتی ہے۔ یہ بیان چونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور بعض ایک کے لکھے ہوئے سے بھی پڑھا ہے میں بطور سچے گواہ کے تحریر کرتا ہوں۔ تپرو باں (لنکا) کے جزیرہ میں جو ہندوستان سے ذرا پرے ہے۔ اور جہاں بحرِ ہند ہے۔ وہاں ایک مسیحی کلیسیا ہے جس میں پاسبان اور ایماندار ہیں لیکن اِس سے پرے کا مجھے علم نہیں اور ایسا ہی حال میگل (مالابار) میں ہے جہاں لال مرچ پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی کلیانا (کیوّلان) میں جس کا بشپ عموماً فارس میں تقدیس ہوتا ہے۔ نیز ڈیوسقوریس (سقوترہ) کے جزیرہ میں جو بحرِ ہند میں ہے آپ کو فارس کے تقرر یافتہ پاسبان ملیں گے۔ اور وہاں بہت مسیحی پائے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان سے عیاں ہے کہ نسطوری مسیحیوں نے اشاعت ہند میں نمایاں حصّہ لیا ہے اور خود بے وطن ہو کر کوشش کی کہ اہل ہند نجات پائیں۔

اور ہلاکت کے اتھاہ گڑھے میں نہ گریں۔ اور کلیسیا جو مقدس توما نے قائم کی اُسے معدوم نہ ہونے دیں۔

مؤرخ مارکوپولو سیاح ملک ہند میں دو دفعہ ۱۲۸۸ء اور ۱۲۹۲ء میں بغرض تجارت وارد ہوئے اور انہوں نے اپنی تحریر میں کارآمد معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ مقدس توما کا بدن ضلع مالابار میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں دفن ہے جس کی زیادہ آبادی بھی نہیں۔ اور یہ جگہ تاجروں کی گذرگاہ بھی نہیں کیونکہ وہاں تجارت کا سامان ہی نہیں ہے نیز یہ قابل سیاحت بھی نہیں کیونکہ کٹھن مشکلات سے پُر ہے لیکن مسیحی و سارسانی افراد کی یہ جائے زیارت ہے۔ سارسانی مقدس توما کو عظیم نبی اور اپنی قوم کا فرد سمجھتے ہیں اور اُن کے دِل میں مقدس توما کی عظمت نہائت بلند ہے اس لئے وہ "اوریاں" کے لقب سے اُسے یاد کرتے ہیں جس کا مطلب بزرگ انسان" ہے۔ مسیحی زائر تو جائے شہادت کی خاک اپنے ساتھ اُٹھا لاتے ہیں اور کبھی بخار والے مریض کو پلاتے ہیں جس سے مریض قدرت الٰہی اور مقدس توما کی وسلطت سے صحتیاب ہو جاتا ہے......... نیز جو مسیحی بیت اللہ کے مالک ہیں اُن کے احاطہ میں ناریل کے درخت بہتات سے ہیں۔ اور اِن پر یہ لوگ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور اپنے برادر سلطان کو ½ حصہ ہر درخت سے دیتے ہیں۔

نیز ۱۳۲۱ء میں ایک ڈومینین فرائر جارڈنوس نے ہند میں زمانہ سلف کے مسیحیوں کا جائزہ لیا ہے۔ اور تبلیغ کی رفتار کو تیز

کرنے کے لئے ایک بڑے پیمانہ کا نظریہ پیش کیا۔ یہ ڈو ملیقن فرائر بہ ہمراہی چار دیگر فرائر بغرض اشاعت اوگنان سے تبریز کو چل دیئے اور بہت دیر کے بعد آرمز پہنچے اور وہاں سے سیدھے اپنے منزلِ مقصود میلاپور آئے۔ ان کے ایک خط سے کلیسیا کے نشیب و فراز کا پتہ چلتا ہے۔ اور اُن جوشیلے نوجوانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو مُقدّس توما کے بعد ہند میں مسیحی نام کی خاطر شہید کر دیئے گئے۔

جب یہ ہند میں وارد ہوئے تو جنوبی ہند قبضۂ اسلامیت میں آچکا تھا۔ خلجی خاندان کے شاہ علاؤالدین نے اپنے سپہ سالار ملک کافور کو جو قبل غلام تھا۔ اقلیم جنوب کو سر کرنے بھیجا جس نے مرہٹہ قوم کو سر کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور بعدہٗ ۱۳۰۹ء میں شمالی تلنگانہ اور ورنگل پر مسلط ہوگیا۔ اب تو یورش کشی کا سلسلہ باندھ دیا۔ کورومنڈل ساحل کے راجاؤں کو مطیع کیا۔ رامیس رام جزیرہ میں مسجد بنوائی جو سیتا مندر کے ہم پلّہ تھی۔ لیکن علاؤالدین خود کمزور ہوگیا۔ تو اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اور سپہ سالار خسرو کو جو ہندو نو مُرید تھا دکن پر معرکہ آرائی کے لئے بھیجا جس نے مالابار کا وہ علاقہ جو ملک کافور کی زد سے بچ گیا تھا۔ قلمروِ اسلامیہ میں شامل کر دیا۔ ۱۳۲۱ء میں غازی تغلق نے تلنگانہ پر فوج کشی کی اور دارالحکومت ورنگل قبضہ میں لے لیا۔ اور اس نے وہ ظلم کئے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ استبداد پسندانہ سلطان تھا۔ یہ حملہ میں عام لوگوں کو حراست فوج میں لا کر یک جا جمع کر کے اُن کے قتل کا تماشائی تھا۔ اسی نے دیوگراھ کا نام دولت آباد

امید و یقین سے بھر دیا ہے۔ سو میں اُس کے رحم پر بھروسہ رکھتا ہوا چین کے بادشاہ اور دنیا کے دیگر فرمانرواؤں کے پاس جاتا ہوں۔
لہٰذا ۱۷ اپریل ۱۵۵۲ء کو چین کے لئے چل پڑے اور جب میلاکہ پہنچے تو گورنر نے جہاز کو آگے جانے سے منع کیا۔ زیویئر نہایت اداس ہوئے اور پرتگالی بادشاہ کے پاس شکایتی خط لکھا کہ اس گورنر کو برطرف کرو۔ لیکن وہاں سے وہ تجارتی جہاز پر سوار ہو کر ایک برادر کے ساتھ سانسیس جزیرہ میں اُترے جو چین کے قریب ہی تھا۔ اور وہاں غیر ملکی جہاز آتے جاتے رہتے تھے لیکن چین کے ساحل کے قریب جانا مشکل تھا سو انہیں راہنمائی کے لئے ۲۰۰ پونڈ کی کثیر رقم دینی پڑی۔ لیکن جب چین کے ساحل کے قریب ہی تھے تو اُس برادر اور راہنما نے بھی انہیں اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ نہایت تلخ صلیب تھی۔ نہایت سرد ہوا۔ اور وحشی جانوروں کے خوف سے زیویئر کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اُس کی مصیبت زدہ رُوح اب زیادہ کشمکش برداشت نہ کر سکتی تھی۔ شدت بخار سے بے تاب ہو گئے۔ اور ۲ دسمبر ۱۵۵۲ء کو خس و خاشاک کی جھونپڑی تلے دم دے دیا۔ کوئی پرسانِ حال اُن کے قریب نہ تھا۔ کوئی پاسبان تسلی کے الفاظ سنانے کو نہ تھا۔ لیکن موت میں بھی ان کا چہرہ آسمانی نور سے منور تھا۔ اس سے زیادہ کوئی شخص محبت نہیں کرتا کہ اپنی جان اپنے دوستوں کے بدلے میں دے۔ اِن کا بدن واپس گوا لایا گیا جہاں پر اُسے عظیم الشان مقبرہ میں دفن

کہا گیا۔ یہ بڑے جاذبِ طبیعت اور جوشیلے مرد جن کا جوش اور غیرت قابلِ نمونہ تھا۔ اگرچہ وہ خود اپنی محنت کا پھل نہ دیکھ سکے لیکن تو بھی انہوں نے دیگر مشنریوں کے لئے راہ تیار کر دی اور اپنی ان تھک کوششوں سے ہند کو منوّر کر دیا۔ اس لئے ۱۵۵۷ء میں جیسوئٹ براوران نے بڑے زور میں مہم کو جاری کیا اور روائی پیکوٹا میں جو کرانگنور سے بہت دور ہیں ایک عالی شان کالج قائم کیا جس میں دیگر ضروری مضامین کے علاوہ سریانی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی اور سریانی لباس کو ترجیح دی گئی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تاکہ ہندی مسیحیوں میں ایسے پاسبان تیار ہوں جو اپنے ملکی وضع میں رومن کیتھولک دستور و آئین و تعلیم کے پرچارک ہوں لیکن عوام نے قدیم سریانی کلیسا کی نماز کے اصولوں کو ترک کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ قدیم سریانی مسیحی بابل کے نسطوری پیٹریارک کے تابع تھے۔ اور اسی کے احکام کو ترجیح دیتے تھے۔ اِن مسیحیوں کی تعداد کالی کٹ سے قیولان تک تقریباً ۲۰۰،۰۰۰ تھی اور ملک میں باحیثیت و باعزت شخص گردانے جاتے تھے۔ ان کا اپنا میٹران تھا۔ اور راجہ ملک نے انہیں حقوقِ آزادی بخشے ہوئے تھے۔ سو روم کی نظر میں نہ صرف غیر اقوام کو مسیحی بنانا تھا بلکہ ان کو راہ راست پر لاکر اپنے تابع کرنے کا بھی ادق کام تھا۔ لہٰذا اِس مشکل امر کے لئے ڈوم۔ الائینو ڈی منیزز گوا کا آرچ

بشپ بنا کر بھیجا گیا۔ اور اس نے مختلف حکمت عملیوں سے اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کی۔

تعلیمی سدھار سے کام نہ چلنے پر انہوں نے تجویز کی کہ میٹرن پر سختی کی جائے۔ اور اُسے کسی غیر ملک میں بھگا کر لے جایا جائے۔ اور اس طریق سے سرین کلیسیا کے دلوں سے اُس کا اثر زائل کر دیں۔ اولاً تجربہ مار جوزف پر کیا گیا۔ اس کو حراست میں لانا ممکن تھا۔ کیونکہ کوچین کے رُومی پادریوں سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے بدیں وجہ ۱۵۵۶ء میں اس پر الزام لگایا گیا کہ اس نے پرتگالی جوانوں کو جو اس کے زیر خدمت تھے مقدسہ مریم کو "خداوند کی ماں" کہنے سے منع کیا۔ سو یہ کوچین سے گوا میں تحقیقات کے لئے بلائے گئے۔ اور وہاں سے پرتگال بھیج دیئے گئے جس کے بعد روم میں پوپ کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن پرتگالی ملکہ نے اس کو واپس ہندوستان بھیج دیا کیونکہ انہوں نے اُس کے سامنے اقرار کیا کہ میں کلیسیا کو درست راہ پر لانے کے بعد رُومی نظام کے تابع کر دُوں گا۔ لیکن جب ہی ان کے قدم اپنی وطنی زمین ہند پر پڑے تو انہوں نے تمام قول و اقرار سے انکار کر دیا۔ لیکن ۱۵۶۷ء میں یہ دوبارہ دغابازی سے پکڑے گئے۔ اور بدعت کے الزام میں روم پہنچائے گئے اور وہاں مر گئے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ کیسے؟

بابل کے پیٹریپارک نے ان کی موت کے بعد مار ابراہام

کو بھیجا۔ لیکن اِن کے بارے میں بھی رُوم میں خبر پہنچا دی گئی
اور وہاں سے یہ حکم نامہ جاری ہوا کہ اِن کی تحقیقات کی جائے
اور جب مجرم گردانا جائے تو اِسے قید کر کے رُوم پہنچا دو اور
اُس کی جگہ رومی بشپ کو متعیّن کرو۔ اور جب مار ابراھام
مر جائے تو یہ نگہداشت کی جائے کہ بابل کے پیٹریپارک
کی طرف سے کوئی بشپ ہندوستان میں قدم نہ رکھے۔
لیکن مار ابراھام ایسے علاقہ میں رہائش پذیر تھے جو پُرتگالی
حکومت کے اثر سے بہت دور تھا۔ لیکن تو بھی ۱۵۵۷ء دسمبر
کو آرچ بشپ گوا پر برملا الزام دہی کے قصور میں گرفتار
کر لیا گیا۔ اور روم کو منتقل کرنے کے لئے لے جایا گیا لیکن
مُوزمبیقو میں یہ نکل بھاگے اور موصل پہنچ گئے۔ جو بابل میں
پیٹریپارک کا مرکز تھا۔ اور وہاں سے اور وسیع اختیارات
حاصل کر کے انگمالی کے بطلی میٹرن ہو گئے۔ لیکن اب واپسیٔ
ہند کا سوال ادق تھا۔ کیونکہ سمندر پر پُرتگالیوں کا اقتدار تھا۔
سو اب روم جانے کی ٹھانی تاکہ پوپ سے واپس مالابار
جانے کی اجازت حاصل ہو لیکن وہاں انہیں تمام رُومی
الٰہیات کو قبول کرنا اور یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ اپنے قدیم عقیدہ
کی اصلاح کریں گے۔ اور تمام کلیسیا کو رُومی اثر میں لائیں
گے لیکن انہوں نے بھی ہند میں پہنچ کر وہی وطیرہ اختیار
کیا جو مار جوزف کا ساتھا۔ رُومی جوا توڑ پھینکا اور اپنے پیٹریپارک
کے لئے دعائیں کرنے اور قدیمی عقیدہ کی اشاعت پر زور دینے

لگا لیکن ۱۵۷۹ء میں جب یہ گوا کی کونسل میں حاضر ہوئے تو
پھر بابلی پیٹریپارک کو ترک کر دیا۔ اور رُوم کے تابع ہونا
قبول کر لیا۔ لیکن جب واپس اپنی ڈائیوسیس میں پہنچ گئے۔
تو پیٹریپارک مُوصل کو تحریر کیا کہ میں نے یہ خوف و ڈر سے کیا
تھا۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایک نائب
بشپ دیا جائے سو مار سیمئین بھیجا گیا لیکن پُرتگالیوں نے
مار سیمئین کو بھی اپنا نشانہ بنالیا۔ اور انہیں ۱۵۸۴ء میں بمقام لزبن
پہنچا دیا۔ اور رُوم میں پوپ سکسٹس پنجم نے یہ الزام لگایا کہ انہوں
نے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے ۱۵۹۴ء میں پُرتگال
کے جیل خانہ میں قید کر دیئے گئے اور یہ وہاں آرچ بشپ گوا
ڈوم الائیخوڈی منیزز کی نگرانی میں رہے اور دوران تحقیقات
میں ہی مر گئے۔ اُدھر مار ابراہام ابھی آزاد تھے۔ لیکن انہوں
نے حکّام گوا کی نظروں میں عزیز ہونے کی کوشش نہ کی۔
اور جب ۱۵۹۰ء میں حکّام نے کوشش کی کہ یہ بھی انکی مجلس
میں شریک ہوں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور ۱۵۹۷ء
کو سوریانی کلیسیا میں ہی رہتے ہوئے گذر گئے لیکن بوقت نزع
جب کہ دو جیسوئٹ برادران نے جو وائی پیکوٹا سے آئے تھے
کلیسیائی آخری رسومات ادا کرنے کی ان سے اجازت چاہی
تو انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور منع کرتے ہوئے دم دیدیا۔

ڈوم الائیخوڈی منیزز ۱۵۵۹ ——— ۱۶۰۵ء	یہ اڑتیس ۳۸ سالہ جوان منیزز آرچ بشپ گوا اس لئے بناکر بھیجا گیا

تھا کہ ہر طریق سے یہ رُومی اثر کو قائم کرے اِس لئے جب کہ یہ بھگا لے جانے کے طریقہ میں ناکامیاب ہوا تو اب رُعب و دَبدبہ سے اثر ڈالنے کی کوشش کی۔ اب اِس نے حُکم نافذ کیا کہ کوئی سوربانی میٹرن باہر سے ہند میں داخل نہ ہو اور ادھر آرچ ڈیکن جان کو متاثر کرنے لگا جو بلا میٹرن کام کو چلا رہا تھا۔ آرچ ڈیکن کو ایک پروانہ بدیں غرض بھیجا گیا کہ اگر آپ رُومی عقائد نامہ پر دستخط کر دیں گے تو تب میں اِس ڈائیوسس پر آپ کو کلی اختیار کی اجازت دُوں گا۔ لیکن اِس عجیب پروانہ و حرکت سے سیرا کے پہاڑی علاقہ میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ سب نے بابلی پیٹریارک کی ماتحتی کا متفقہ حلف اُٹھایا۔ جب منیزز کو اپنے پروانہ کے ردِ عمل کا پتہ چلا تو نہایت غمگین ہُوا لیکن مستقل مزاجی سے خود باغیوں سے شخصی گفتگو کرنے کی ٹھان لی۔ ایسا ارادہ کرنے میں خطرہ تو بہت تھا تو بھی جنوری ۱۵۹۹ء کو تن تنہا چل دیئے۔ لیکن آرچ ڈیکن جان تین ہزار آدمیوں کی حفاظت میں آئے۔ جس سے اِس کی کمزوری ثابت ہوتی تھی۔ ادھر منیزز کو خطرہ نہ تھا۔ بلکہ بالکل نڈر تھا۔ اور اس نے آرچ ڈیکن کو مجبور کیا کہ وہ "اقرار نامہ" پر دستخط کرے اور بابل کے پیٹریارک کا نام اپنی نماز کی کتاب سے نکال دے کیونکہ عالمگیر پاسبان ہونے کے خطاب کا حق صرف رُومی پوپ ہی کو ہے۔ آرچ ڈیکن نے گھبراتے ہوئے دستخط کر دیئے اور اقرار پایا کہ ایمان و

نظام کے مسئلہ پر بہت جلد سُوریانی کلیسیا کے نمائندوں کی ایک کونسل بلائی جائے۔ لیکن اِس کونسل کی فراہمی سے پہلے منٹرز نے بہت نگ وَدَو کی سُوریانی پادریوں سے ملاقات کی۔ درس دیئے۔ دیہات کا دَورہ کیا اور اپنے مقصد کی انجام دہی میں رشوت دینے کا بھی عزم کر لیا۔ رائے دینے کے لئے جوانوں کو مستحکم کیا۔ ۹۰ پادریوں کا تقرر کیا تاکہ اِس کے زیادہ سے زیادہ آئندہ کونسل میں حمائتی ہوں۔ نیز اِس نے آرچ ڈیکن کو دس مُشتملہ قرار دادوں پر ایک اقرار نامہ ارسال کیا جس پر بیس دِن کے اندر لازمًا دستخط کر کے واپس بھیجنے کو کہا گیا۔ اُن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ نسطور بیّس۔ ڈیوڈورس اور تھیوڈورس کی بدعت سے حلفیہ انکار کرو۔

۲۔ یہ اعلان کرو کہ مقدّس پطرس اور مقدّس توما کی خوش خبری میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۳۔ ایمان کے اُس عقیدہ کی قبولیت کا اظہار کرو جو مار ابراھام کی موت کے بعد آرچ بشپ گوا نے بھیجا تھا۔

۴۔ اپنی شخصی ملکیت اور سابقہ میٹرنوں کی وراثت کو میری تحویل میں کر دو۔ نیز ڈایوسیس کے تمام سُوریانی کاغذات کو میرے سپرد کر دو تاکہ اگر کہیں غلطی ہو تو اُن کی صحت کر دی جائے یا اگر درست ہی نہ ہوں تو جلا دیئے جائیں۔

۵۔ تمام کلیسیا پر پوپ کے اختیار کو تسلیم کرو۔

۶۔ بابل کے پیٹر پیارک سے بالکل قطع تعلقی اختیار کرو اور کسی خط یا دیگر وسیلہ سے اُس سے واسطہ نہ رکھو۔

۷۔ ڈایوسیس میں کوئی ایسا بشپ قبول نہ کیا جائے۔ جو پوپ کی طرف سے نہ ہو اور آرچ بشپ گوا نے اُس کی تصدیق نہ کی ہو۔

۸۔ آرچ بشپ گوا کو اپنا کلیسیائی ناظم تصوّر کرو۔

۹۔ تمام ڈایوسیس میں ایمان و نظام کے بارے میں کونسل کی فراہمی کی اِطلاع دو۔ اور اُس میں تمام پاسبان اور جماعتی منتخبہ نمائندے شریک ہوں۔ نیز فراہمی کا حکم بھی آرچ ڈیکن ہی نافذ کرے۔

۱۰۔ آرچ ڈیکن بلاخاصہ داران کے آرچ بشپ کے ساتھ اپنی حفاظت میں اپنی تمام ڈایوسیس میں گشت کرائے۔

متذکرہ بالا تمام شرائط نہائت سنگین و تلخ پیالہ تھیں۔ لیکن آرچ ڈیکن کو تلچھٹ تک پینی ہی پڑی اور وائی پیکوڑا میں صلیب کے سامنے سرنگوں ہو کر حلفِ قبولیت اُٹھانا پڑا جس کی بنا پر ۲۰ رجون ۱۵۹۹ء کو کوچین کے قریب دیامپور میں سِنڈ منعقد ہوئی۔

سِنڈ دیام پور ۱۵۹۹ء

سِنڈ کے شُرکا کی تعداد ۸۱۳ تھی جن میں ۱۳۳ پریسٹ ۲۰ ڈیکن اور ۶۶۰ جماعتی چنیدہ نمائندے تھے۔ لیکن اِس سِنڈ سے قبل آرچ بشپ نے اپنے حصولِ

مطلب کے لئے کافی سامان پیدا کر لیا تھا۔ اس نے خود کلیسیاؤں کا دورہ کیا تاکہ لوگوں کو اپنی طرف گرویدہ کرے اور رسومی مسائل و تنظیم پر ۲۰۰ صفحہ جات کا ایک مسودہ تیار کیا۔ جس کی دیکھ بھال اور اصلاح کے لئے اس نے آٹھ قابل پریسٹوں چار جماعتی نمائندوں اور چھ جیسوئٹ برادران کی ایک انجمن بنائی تاکہ وہ مسوّدہ کے ہر لفظ پر بخوبی غور کرے اور اُسے تھوڑی سے حسب ضرورت تبدیلی کا اختیار بھی بخشا۔ کہ اُنہیں کلیسیا اور عقیدہ کے اُمور میں رتی بھر بھی ادل بدل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہایت غور و تحقیق کے بعد اس مسوّدہ کو سنڈ میں پیش کیا۔ جو صرف آٹھ دن تک متواتر ہوتی رہی۔ اوّل روز تو سنڈ کے قوانین و ضوابط پر ہی غور ہوا۔ لیکن دُوسرا دن جو کہ تاریخ کلیسیائے ہند میں زیادہ اہم ہے۔ آرچ بشپ گوا نے اپنے مکمل لباس میں سنڈ کی تمام تجویزات کو پیش کیا اور لفظ بلفظ سنڈ کو عقیدہ سنایا جس پر بیشتر لوگوں نے آمین کہا لیکن اختلاف رائے بھی پیدا ہوئی تاہم وہ آرچ بشپ کے رُعب سے دبا دی گئی۔ آرچ ڈیکن نے سب کے روبرو اس عقیدہ کا اقرار کیا۔ بعدہٗ حاضرین میں یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ اگر ہم پوپ اور پُرتگالی بشپوں کے تابع ہو جائیں تو شاہ پرتگال ہمیں اپنی حفاظت میں لے اور مقامی راجاؤں کے محصولات سے ہمیں آزاد کرائے۔ اِن شرائط کو

منیسزز نے قبول کر لیا اور گورنر کوچین ڈان انٹونیو جو پاس ہی تھے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں اِن مسیحیوں کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں جو گورنر نے بہ زانو ہو کر قبول کر لیا۔ اور اِس طریق سے بغاوت ختم ہو گئی۔ کوچین کے راجہ کو بتا دیا گیا کہ مسیحی اب پرتگالی حفاظت میں ہیں اور شاہ پرتگال مسیحیوں کا قانونی طور پر حاکم ہے۔ آخراً کونسل الحمد کے گانے کے بعد ختم ہوئی۔ اِس سنڈ کا یہ اثر ہوا کہ :-

۱۔ تبدیلئ عناصر کا مسئلہ عام ہو گیا۔

۲۔ پاک شراکت دونوں اجزا میں دی جانے لگی۔ کیونکہ سرین روٹی کو پیالہ میں ڈبو کر دیتے ہیں۔

۳۔ مریم پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔

۴۔ بتوں و تبرکات کی پرستش ہونے لگی۔

۵۔ مسئلہ اعراف جاری ہو گیا۔

۶۔ مقدسین سے ملتجی ہوئے اور مُردوں کے لئے دُعائیں کی جانے لگیں۔

۷۔ عِشا لینے سے پہلے اقرار کرنا لازمی ہوا۔

۸۔ سات ساکرامنٹ رائج ہو گئے جبکہ یہ صرف تین ہی کو جانتے تھے۔ یعنی بپتسمہ، عشاءِ ربانی اور تقرر۔

۹۔ پریسٹوں کے تجرد پہ زور دیا گیا۔ کیونکہ پہلے پریسٹ شادی شدہ تھے۔ اور ان کی عورتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ نیز صلیب کا امتیازی نشان اُن کے

Scanned with CamScanner

گلے میں لٹکتا رہتا تھا۔

۱۰۔ بچوں کے بپتسمے ہونے لگے۔ جو کئی سال سے بند تھے۔

۱۱۔ بابل کے پیٹریپارک سے مکمل جدائی ہو گئی۔

لیکن اِن تمام امور میں آرچ بشپ نے حکومت پرتگال کے زُعم میں دباؤ ڈالا تھا۔ کرانگنور جو کوچین کے قریب ہے۔ اُس کو اپنا مرکز بنا لیا۔ انگمالی سرین بشپ کے تمام کلیسیائی کاغذات کو جلا دیا اور جن پریسٹوں نے اپنی بیویوں کو چھوڑنے سے انکار کیا انہیں کلیسیا سے خارج کر دیا گیا۔ جب اس قسم کی اصلاحات کو عمل میں لایا جا رہا تھا۔ تو اتفاقاً شاہِ پرتگال اور اُس کی بہن کی موت کی خبر پاتے ہی، انہیں واپس پرتگال جانا پڑا۔ جانے سے پہلے انہوں نے بہت کوشش کی کہ راجہ کوچین حلقۂ مسیحیت میں شامل ہو جائے لیکن اِس میں ناکام رہے۔

مسیحیوں و غیر مسیحیوں میں منادی کرنے کا انہیں بہت شوق تھا۔ اور انہوں نے مالابار کا دَورہ کر کے بہت سے غیر مسیحیوں کو کلیسیا میں شامل کیا۔ سرین مسیحی ۱۶۵۳ء تک اس نظام کے تحت رہے۔ گو بعض دفعہ راجہ کوچین نے ان کی بغاوت میں مدد دینے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے ۹۰۰ پونڈ کی کثیر رقم دے کر خاموش کر دیا گیا۔ تو بھی ۱۶۵۳ء میں جب کہ ڈچ لوگوں نے پرتگالیوں کو مالابار سے نکال دیا تو شوریانی مسیحی بھی رُومی جُوئے سے آزاد ہو گئے۔ اور

دوبارہ اپنا تعلق بابل کے پیٹریارک سے قائم کر لیا۔ لیکن نصف افراد دوبارہ توبہ کر کے واپس رُومی حلقہ میں شامل ہو گئے۔ اس خاص مراجعت کو "کُونن صلیب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

واقعہ کُونن صلیب

۱۶۵۳ء

ڈچ لوگوں کی آمد و تحریک سے سُوریانی مسیحیوں میں آزادی کی لہر پیدا ہو چکی تھی لیکن زبردست محرک بابل کے پیٹریارک کا بشپ آحاتالا کو مالابار کے لئے روانہ کرنا ثابت ہوا۔ کیونکہ جب پُرتگالیوں کو اُس کی آمد کی خبر ہُوئی تو وہ اُسے کوچین سے گرفتار کر کے گوا لے گئے۔ اور وہاں لکڑیوں کے انبار پر اُسے باندھ کر جلا دیا۔ جونہی یہ خبر مالابار میں پہنچی تو قدیم سُریانی مسیحیوں کا خُون اُبل آیا۔ اور وہ ماٹن چرچ میں جو کوچین کے نزدیک ہے کئی ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے اور ایک پتھر کی بڑی صلیب کے سامنے جو جُھکی ہُوئی تھی اور جس کی وجہ سے اُسے "کونن" کہتے ہیں۔ عوام نے رُومی عقائد و دستورات سے بغاوت کر دی اور اپنی قدیم کلیسیا کے عقیدہ کا حلف اُٹھایا، بعدہٗ ایک مجلس میں آرچ ڈیکن تھامس کی رہبری میں جو پاکوماٹم خاندان سے تھا۔ سب نے قسم اُٹھائی۔ موجودہ مشکلات و حالات کے پیشِ نظر چونکہ اُن کا کوئی بشپ نہ تھا۔ اِس لئے بارہ خدام الدین

نے مل کر آرچ ڈیکن پر ہاتھ رکھے اور اُس کی بشپ کے لئے تقدیس کی۔ گو یہ ایک سخت غلطی تھی۔ لیکن تو بھی جب جیکو بائٹ بشپ مار گریگوریس ۱۶۶۵ء میں تشریف آور ہوئے تو انہوں نے اِس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ اور تب دونوں متحدہ و متفقہ طور پر ۱۶۸۵ء تک کام چلاتے رہے لیکن مار گریگوریس سے تعلق قائم کرنے میں کلیسیا میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ اِن کا تعلق پیٹریارک بابل سے ٹوٹ گیا۔ اور انطاکیہ کے پیٹریارک سے قائم ہوا جس سے کلیسیا نیسٹوریئن ازم سے پلٹ کر مانو فیسلیٹزم کی طرف ہو گئی۔ آرچ ڈیکن تھامس جس نے مارتھوماس اوّل کا لقب اختیار کیا تھا بہت جلد مر گئے۔ اور بعد میں مارتھوماس دوئم نے عنانِ کلیسیا کو اپنے ہاتھ میں لیا لیکن وہ بھی بجلی کی زد میں آکر جل گئے۔ سو کچھ دیر تک کلیسیا کو بے راہنما ہی رہنا پڑا۔ ۱۶۷۸ء میں مار اینڈریو مقرر ہوئے۔ یہ نہایت عیاش اور شرابی آدمی تھے۔ اِن کے بعد پے در پے اور بشپ مقرر ہوتے رہے لیکن وہ زیادہ توجہ طلب نہیں ہیں۔ جیسا کہ ۱۶۸۵ء میں مار بسلیئس اور مار آوینائس۔ لیکن مارتھوماس دوئم نے قبل از موت مارتھوماس سوئم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا جو دس سال خدمت کرنے کے بعد گذر گئے انہوں نے مارتھوماس چہارم کا تقرر کیا۔ یہ نہایت عالی دماغ اور حوصلہ مند شخص تھے۔ انہوں نے کلیسیا کو نسٹوری

اور رُومی بدعتوں سے پاک کرنے کی کوشش کی لیکن قلیل عرصہ کے بعد ۱۷۲۸ء میں گذر گئے۔ ان کے جانشین مارتھوما پنجم مقرر ہوئے جن کے وقت میں مہاراجہ مارتھنڈا ورما نے فوج کشی کی اور بہت سی ریاستوں کو اپنے تابع فرمان کر لیا۔ ٹراونکور کا شمالی و جنوبی حصہ اُس کے قبضہ میں آگیا جس وجہ سے مارتھوما پنجم نے مدد کے لئے پیٹریارک انطاکیہ کو لکھا لیکن انہیں کوئی بر وقت مدد نہ مل سکی۔ یہ نہایت تنگی کا وقت تھا لہٰذا مدد کے لئے یہ رومن کیتھولک کی طرف جھک گئے۔ جس کی وجہ سے ۱۷۴۸ء میں انہوں نے خمیری روٹی کا استعمال جاری کیا۔ اِن کے جانشین اشنداراون رُومی خیالات کے مُرید تھے جن کے بعد مارتھوما ششم ۱۷۶۵ تا ۱۸۰۸ء تک رہے اور انہوں نے نیا لقب مارڈیونیشیس اعظم اختیار کیا۔ ان کے ایام میں اِدہر تو شاہ حیدر علی کے ٹراونکور پہ حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اور اُدہر ڈچ نے ٹراونکور اور کوچین کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ ٹیپو سلطان نے ٹراونکور پر فوج کشی کر کے متعدد جگہوں کو آگ سے بھسم کر دیا۔ گرجوں اور مندروں کو بہت نقصان پہنچایا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد کوچین ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ آگیا جس کی وجہ سے ۱۸۰۸ء میں کرنل مکالے پہلا فرنگی ریزیڈنٹ ٹراونکور میں مقرر ہوا۔ پادری کلاڈیوس بوقنین نے ۱۸۰۶ء میں ٹراونکور

کا دَورہ کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مارطوبونیس اعظم خدا ترسی حلیمی اور زاہدانہ طریق میں نہایت ممتاز ہیں۔ اور اِن سے اُنہوں نے سُریانی زبان میں بائبل کو حاصل کیا جو اب بطور تحفہ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ ڈیونیس کے زیر اہتمام ملیالم میں اناجیل اربعہ کا ترجمہ بھی ہوا۔ جسے بوفین نے بمبئی سے چھپوا کر شائع کیا۔

گو مارڈیونیس اعظم اپنے زمانہ میں نہایت مُدبّر شخص ہو گذرا ہے لیکن اس کے عہد میں جو نفاق پیدا ہوا وہ آج تک کلیسیائے سریانی میں قائم ہے۔ واقع یوں تھا کہ ایک شخص بنام رامبان نے جو کٹو مانگٹو خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے غیر ملکی بشپ مارگریگوریس کو مجبور کیا کہ عہدہ بشپ کے لئے اس کی تقدیس کرے لیکن مارڈیونیس اعظم نے اس بے قاعدگی پر اعتراض کیا۔ اور ڈچ ناظم نے بھی اس کی صحت کے خلاف رائے دی۔ لیکن بہت جھگڑا پھیلا اور رامبان نے خود بخود اپنا لقب مارکوریلاس رکھ لیا اور اپنی علیحدہ ڈیوسیس قائم کر لی۔ جسے تھوز یور کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ خود ساختہ بشپ ایک علیحدہ گاؤں انجور میں رہنے لگا۔ اور جیکوبائٹ پیٹریارک سے بالکل جُداگانہ کام شروع کر دیا۔ گو آجکل تو مارتھوما کلیسیا سے اس کے تعلقات قائم ہو چکے ہیں تاہم یہ حیرت کن بات ہے کہ اس تفرقہ پرست گروہ کے بشپ فلیو چیناس دوئم نے

جیکو بائٹ کلیسیا میں نمایاں حصّہ لیا ہے کیونکہ ۱۸۱۷ء میں جب اُسے مدعو کیا گیا تاکہ جیکو بائٹ کلیسیا سے بشپی سلسلہ نہ کٹ جائے تو اس نے جیکو بائٹ آرچ بشپ رامبان کی تقدیس بشپ کے لئے کی لیکن جب یہ خود مر گیا تو اس کے جانشین گریگوریس سوئم کا تقدّس جیکو بائٹ کے بشپ ڈیونیسیس چہارم نے کیا۔

ادھر ڈیونیسیس اعظم کے بعد ۱۸۰۸ء میں اس کا بھتیجا متھان رامبان برسراقتدار آیا جس کا تقدّس ڈیونیسیس نے ۱۷۹۶ء میں کیا تھا لہٰذا اس نے اب مارتھوما ہفتم کا لقب اختیار کیا اور دو سال کی خدمت کے بعد انتقال کر گیا لیکن جب یہ بستر مرگ پر حالتِ نزع میں تھا تو اس کے رشتہ داروں نے ایک شخص کو پیش کیا تاکہ یہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھے اور وہ شخص اس کی جگہ بشپ مقرر ہو لیکن یہ عامیانہ تقدّس درست نہ گردانا گیا اور کلیسیا میں پھر نفاق پیدا ہو گیا۔ بعض تو مارتھامس ہشتم کے مقلد ہو گئے اور بعض نے رامبان کو ناسکو لام کی سرپرستی قبول کر لی۔

اب خزانۂ کلیسیا جو سرکاری تحویل میں تھا جھگڑے کا نشانہ بن گیا اور آخر معاملہ عدالتِ انگلشیہ میں پیش ہوا سو کرنل منرو نے جو کرنل مکالے کے بعد ریذیڈنٹ تھے یہ فیصلہ دیا کہ آرچ بشپ رامبان کو خزانہ کلیسیا اس صورت میں دیا جائے گا اگر وہ سریانی لوگوں کی پوتھنگر ذات کے لئے ایک تعلیمی

ادارہ قائم کرے۔ لہٰذا حکم کی تعمیل کی گئی اور کوٹایم میں مدرسہ قائم ہو گیا۔ اور یوں اس جھگڑے کا فیصلہ ہوا۔

مار کھاسس ہشتم ۱۸۱۶ء تک زندہ رہے اور ان کے قائمقام تقدیس شدہ بشپ بھی ۱۸۱۷ء کو چل بسے جس کے بعد ہی مخصوص خاندان پاکالامائم سے چنید بگیٹی بشپ کی رسم جاتی رہی اور مختلف خاندانوں سے بشپ کا تقدیس ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد انگلش مشن کا تبلیغی دور شروع ہو گیا۔ جس کے اثر سے یہ برہم کلسیائیں متاثر ہونے لگیں اور بہت سے لوگ اُن میں شامل ہو گئے ہیں۔

مادورا مشن
۱۶۰۶ء - ۱۶۴۱ء

یہ مشن جیسوئی انجمن کی ایک شاخ ہے جس نے ہندوانہ بھیس میں مسیحیت کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس طرز کا موجد رابرٹ ڈی۔ نوبلی تھا۔ جو نہایت اعلیٰ خاندان سے متعلق تھا۔ اور کلیسیائے روم سے اس کا قریبی تعلق تھا۔ کیونکہ پوپ مارسیلس دوم اس کا تاؤ اور مشہور کارڈینل بیلرمائن اس کا چچا تھا۔ یہ ٹوسقانی میں ۱۵۷۷ء میں پیدا ہوا۔ اور جوان ہو کر اس نے جیسوئی انجمن میں کام کرنا شروع کر دیا۔ لیکن بوجہ ذہانت و قابلیت مشن نے اس کو ہندوستان بھیج دیا۔ ادھر ہند میں منتز ز سریانی کلیسیا پر فتح حاصل کر چکا تھا۔ اور ۲۰۰،۰۰۰ نفوس رومی کلیسیا میں شامل ہو چکے تھے اس کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی۔ کہ وہ بھی خدا کے لئے کوئی نمایاں کارنامہ

کر دکھائے۔

رابرٹ ڈی نوبلی

ہندوستان پہنچنے پر رابرٹ نے برہمن اور ہندو طلبہ سے مسیحیت کی حد درجہ بے رخی اور نفرت دیکھی سو انہوں نے دل میں ٹھان لیا کہ ان کا مقصدِ زندگی انہیں بشارت دینا ہوگا۔ یہ اپنی منزل گاہ مادورا پہنچے جس پر پرتگالیوں کا قطعاً کوئی اثر نہ تھا اور شہر اپنے وقار میں ہندو سلطنت تعلیم و رسوم کا زبردست قلعہ تھا دس ہزار برہمن طلبا ہندو دینیات کی تعلیم اس شہر میں حاصل کرتے تھے۔ استادوں کا جم غفیر تھا۔ طلبا دو سو یا تین سو کی گروہ بندی میں مقیم تھے۔ لیکن معلمین و متعلمین ہر دو کا خرچ راجہ کے شاہی خزانہ سے ہوتا تھا۔ سو مشنری کو ایسے ہندو منظم شدہ شہر میں کام کرنا ہو تو اور ہی طریقہ کی ضرورت تھی لہذا رابرٹ ڈی نوبلی نے دورانِ تحقیقات اور مطالعہ مشن سے یہ معلوم کیا کہ اگر ہندو مت پر براہِ راست حملہ کیا گیا تو ہمارے خلاف تبلیغ کے تمام دروازے بند ہو جائینگے کیونکہ جب ہم کسی سایہ کا پیچھا کرتے ہیں تو اُسے جھاڑو سے نہیں نکال سکتے۔ لہذا رابرٹ نے بہت سوچا کہ کیا کیا جائے کیونکہ ہندو پرتگالیوں سے نفرت کرتے تھے یہ کہتے ہوئے کہ وہ شراب پیتے اور گائے کا گوشت کھاتے ہیں اور پست قوم پاریا کے ساتھ ساتھ چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں جو اُن کے نزدیک مکروہ عمل تھا۔ اس مشکل میں اسے

مسیح کی وہ تصویر یاد آئی جو انسانوں کو بچانے کے لئے انسان بن گیا۔ اور مقدس پولوس کے الفاظ کہ میں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا۔ سو اس نے اُسی طریق پہ کہہ دیا کہ میں ہندوستانیوں کو بچانے کے لئے ہندوستانی بن جاؤں گا۔ اور برہمنوں کو بچانے کے لئے برہمن۔ میں تمام غیر ملکی حرکات سے بالاتر ہو کر اُن کے بیچ میں جاؤں گا۔ اور ان کا اعتماد حاصل کر کے بپتسمہ کے ذریعہ مسیح خداوند کی مہر اُن پہ ثبت کروں گا۔ لیکن برہمنوں کے لئے برہمن بننا کارے دارد والا معاملہ تھا۔ سو اس نے ہندی علم و ادب میں خوب مہارت حاصل کی اور آرچ بشپ گوا سے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اجازت بھی حاصل کر لی۔ اب یہ سنیاسی رنگ میں ہو کر برہمن استھان میں جو عین شہر کے مرکز میں تھا جا بیٹھا۔ شانہ کے اوپر ذات کا جنیو آویزاں تھا۔ جو پانچ تاروں سے بٹا ہوا تھا۔ تین تار سونے کے جو باپ۔ بیٹا اور رُوح القُدس کی علامت تھے۔ اور دو چاندی کے جن سے مراد جسم اور جان تھا۔ اس جنیو کے ساتھ صلیب بھی آویزاں تھی۔ اس عجیب نووارد شخص کو لوگ جوق در جوق دیکھنے کے لئے اکٹھے ہونے لگے لیکن کسی نے اُس سے کچھ دریافت نہ کیا کیونکہ وہ سمجھے کہ یہ یادِ ایشور میں مصروف ہے۔ اس کی پاکیزہ زندگی کی دھاک اُن پر بندھ گئی۔ ہر روز غریب و امیر برہمن اُس کے درشن کو آنے لگے۔ اور راجہ نے شہرت سُن کر اسے محل پہ مدعو کیا۔ لیکن اس نے

یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ عورت پر نگاہ پڑنے سے اُس کی پاکیزہ زندگی پر دھبہ آجائے گا۔ ایسا مقدس سنیاسی توما دُورا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جو پاکیزہ خاطر اور سادہ خوراک کا طالب ہو کیونکہ یہ دن بھر صرف چاول۔ دُودھ اور ساگ کھاتے تھے۔ جب انہوں نے سلسلہ کلام شروع کیا تو بیان کرنے لگے کہ میں رومی برہمن ہوں اور رُومی برہمن براہِ راست برہما کی نسل سے ہیں اور اس لئے رومی برہمن سب سے اعلےٰ اور فائق ہیں۔ اِن کی عجیب باتوں کو لوگ منہ پھاڑے سُننے لگے۔

انہوں نے کتاب پر کتاب لکھنی شروع کر دی اور ہر ایک کتاب کو مسیحی نُور سے درخشاں کیا۔ انہوں نے ایک زبردست کتاب "ویدپنجم" تصنیف کی جو چاروں ویدوں کا تبصرہ و تکملہ تھی۔ برہمن طلبا ان سے درس سننے کے لیئے جمع ہو گئے۔ انہوں نے بپتسمہ سے کنارہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک ذات پات کو توڑنا ضروری نہ تھا۔ سو انہوں نے یوں تحریر کیا کہ مسیحی ہونے کے لئے ذات کا توڑنا لازمی نہیں۔ اُن کے رسُوم و دستُور وہی رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ شیطانی ترغیب ہے۔ کہ لوگ ذات اور رسُوم سے بے نیاز ہوں۔ بے نیازی کے اصول ہی مسیحیت کے لئے نقصان دِہ ثابت ہوئے ہیں اور فادر فرینڈنڈ کے کام کی بربادی کا بھی یہی باعث تھے۔ سو اِن کے مُرید سر پر چٹیا رکھتے۔ جینو پہنتے اور اعلےٰ ذات ہونے کا نِشان پیشانی پر لگاتے تھے لیکن فرق صرف یہ تھا کہ گائے

کے گوبر کی راکھ کے نشان کی بجائے وہ صندل کی لکڑی کی راکھ لگانے لگے۔ سو اس طریق پر اولاً رابرٹ کو بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

لوگ اس کی بڑھتی ہوئی شہرت و عظمت کی وجہ سے مخالف بن گئے۔ مخالفین میں اوّل صف پر برہمن تھے جو ظاہرہ تو نہیں لیکن خفیہ طور پر سازشیں کر رہے تھے کیونکہ رابرٹ تعلیم و علم میں ان سے بدرجہا اعلےٰ تھا۔ اس لئے یہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ کسی طور سے ان کو نیچا دکھائیں دوسرے مخالف مسیحی تھے جو اس کے ہندوانہ رویہ سے نالاں تھے۔ اس لئے ایک پاراون مسیحی نے آکر اس کے شاگردوں کو بتا دیا کہ تم اس کے بپتسمہ اور صحبت کی وجہ سے فرنگی اور پاراون بن گئے ہو۔ اور یہ خود ایک فرنگی شخص ہے۔ جو دھوکا دہی سے اپنا کام چلا رہا ہے۔ عوام میں اس بیان سے بدظنی کی لہر بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ لیکن رابرٹ نے قسم پر قسم کھا کر عوام کو یقین دلایا کہ وہ فرنگی نہیں۔ اور نہ ہی اُن کے وطن میں پیدا ہوا ہے اور نہ ہی اس قوم سے ہے۔ خدا میرا گواہ ہے۔ رابرٹ نے کہا کہ اگر میں دروغ گوئی کروں تو نہ صرف میں خدا کو دغا دینے والا ٹھہروں گا۔ اور نرک کی سزا کو اس دنیا کے بعد برداشت کروں گا۔ اور اس دنیا میں بھی دنیوی تادیب کا سزاوار ہوں گا۔ میں روما میں پیدا ہوا۔ لیکن میرا خاندان اس ملک کے شاہی خاندان میں سے ہے۔ اور

اور جو مقدس قوانین ہیں سکھاتا ہوں وہ کسی فرد کو مجبور نہیں کرتے کہ ذات پات سے کنارہ کرے اور انہیں قوانین کی سنیاسیوں اور رشیوں نے اس زمین پہ اشاعت کی ہے۔ میں یہ دعوے سے کہتا ہوں کہ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ قوانین پارادن یا فرنگیوں کے ہیں وہ سراسر جھوٹ بولتا ہے۔ لیکن چونکہ خدا سب ذاتوں کا خداوند ہے اس لئے اس کے قوانین پر سب کو عمل کرنا واجب ہے۔ سو اس بیان اور سوگند کے بعد شورش بند ہوگئی اور برہمن لوگوں میں امن ہوا۔:

فادر فرننڈز نے بھی اس سارے واقع اور بُرے طریق اشاعت کی خبر یسوعی ناظم اعلےٰ کو پہنچادی اس لئے رابرٹ ڈی نوبلی کو حکم ہوا کہ وہ گوچین میں پیش ہو کر اپنی حکمت عملی کو واضح کرے۔ اس کی حکمت عملی مباحثہ کی صورت اختیار کر گئی اور اس موضوع پر بحث دس سال تک ہوتی رہی۔ لیکن اس عرصہ میں رابرٹ کو کام کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مباحثہ مذکورا سے گوچین۔ کوچین سے گوا اور گوا سے رُوم تک پہنچ گیا۔ رابرٹ نے ہر جگہ فتح حاصل کی لیکن آخر فیصلہ پوپ گرگیری پانزدہم کے سامنے ۱۶۲۳ء کو پیش ہوا۔ جس نے حکمنامہ صادر فرمایا کہ برہمن مسیحیوں کو اگر چٹیا اور جینو کی وجہ سے مسیحیت سے دُور رکھا جاتا ہے تو چونکہ ہم چاہتے کہ ان اقوام کو تبدیل کیا جائے

لہٰذا ہم برہمنوں اور غیر اقوام کے افراد کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ جینو۔ چٹیا اور صندل کی راکھ بطور نشان لگائیں۔ اور اپنے جسم کو پوتر کریں لیکن یہ سب رسُوم کسی بُت کے سامنے ادا نہ ہوں بلکہ پریسٹ کے سامنے جو ان رسوم کو برکت دے کر ادا کرے۔ لہٰذا اس طریق پر رابرٹ ڈی نوبلی نے میدان بحث مار لیا۔ اس کے دل میں خواہش تھی کہ برہمن مسیحی ہو جائیں۔ لیکن اس مباحثہ کے ساتھ ہی اس کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ کیونکہ مباحثہ سے اس کا راز افشا ہو گیا اور پرتگالیوں سے اس کے گہرے رشتے کا بھی انہیں پتہ چل گیا۔ اب اس کے خوبصورت الفاظ کے خلاف انہوں نے اپنے کان بند کر لئے۔ ۱۶۴۲ء میں ایک اور طریق اشاعت انہیں سوُجا۔ یہ اب رمتے فقیروں کی طرح پھرنے لگے۔ برہمن گروہ کے سے زرد رنگ کے کپڑے پہن لئے۔ سر پہ پگڑی۔ پاؤں میں کھڑاؤں اور ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اس صورت میں انہوں نے ترچناپلی اور سالیم کا سفر کیا۔ اس سے متاثر ہو کر اور بھی ان کے ہم خیال پریسٹ اس کے طریق کار میں شامل ہو گئے۔ اور گرومی برہمن، جنوبی ہند میں عام ہو گئے انہوں نے بہت سی کلیسیائیں قائم کیں۔ لیکن یہ قابل غور امر ہے کہ پھر بھی برہمنوں سے زیادہ لوگ مسیحی نہ ہوئے بلکہ عوام متوسط ذات کے ہی مسیحی تھے کیونکہ انہیں مسیحی ہونے سے کوئی قربانی نہیں کرنی پڑتی تھی بلکہ بہتر ہندومت میں

شمولیت کا وہ اسے ایک قدم سمجھتے تھے۔ وہ اسے ہندومت کی ایک نئی جدت و تحریک سمجھتے تھے اور بس۔ ان کی پرانی عادات اور رسوم کو کوئی نہ روکتا تھا۔ اور دیو مالا کی پرستش میں کسی قسم کی تبدیلی کا اظہار نہ کیا جاتا تھا ؛

کثرتِ سفر اور کام کی وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہوگئیں تو بھی انہوں نے لنکا کا سفر کیا اور وہاں سے واپس میلاپور آگئے تاکہ آخری دن مزارِ توما پہ گذاریں۔ اب یہ بالکل اندھے ہو گئے۔ آنکھوں سے بصیرت جاتی رہی اب ایک جھونپڑی میں عذاب کی حالت میں رہنے لگے تو بھی اُن کی مستقل مزاجی اور ادبی علم بے مثل تھا۔ چار برہمن محرّر ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اور بڑے پریم سے ہر روز انہیں بیت اللہ میں لے جاتے تھے۔ اور بہت عرصہ کے بعد ۸۰ سال کے ہوکر انہوں نے ۱۶ ء فروری ۱۶۵۶ء کو وفات پائی۔ شاید ان کے وسیلہ سے کوئی دس ہزار اشخاص تبدیل ہوئے۔ لیکن ان کی زندگی پہ اگر موجودہ نظر سے تبصرہ کیا جائے تو تبصرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی جو مخلوط مسیحیت کے حامی ہیں ایسے شخص کی زندگی اور کوشش سے اپنے لئے نصیحت حاصل کر لینا واجب ہے۔

جان ڈی برّٹو	جان نے رابرٹ کی جگہ کو سنبھالا یہ بھی اعلےٰ خاندان سے متعلق تھا۔

اور زیویئر کی طرح اس نے بھی درباری ناز و نعمت اور تعلیم و تربیت حاصل کی تھی لیکن ۱۶۶۲ء میں اپنی بلاہٹ مشرق کا احساس کرتے ہوئے یسوعی برادری میں شامل ہو گیا اور گیارہ سال کی خدمت کے بعد ہندوستان کی طرف اس کا عزم سفر ہوا اس لئے اپنے ناظم کو یوں تحریر کیا۔ کہ میں اپنے آپ کو ہندوؤں کو نجات بخش پیغام دینے کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ مجھے ہند میں کسی اور خدمت پر مامور نہ کریں۔ اس کو ہند میں تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ یہاں تک کہ جب اس کے ماں باپ اور پوپ نے بھی اس کو ہندوستان میں جانے سے روکنے کی کوشش کی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ جہاں خدا مجھے بلاتا ہے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔ اور جب خدا خود مجھ سے کلام کر رہا ہے تو میں کسی انسان کی نہیں سن سکتا۔ شائد ہندوستان کو سفر کرنا ہی میرے لئے آسمانی سفر ہو۔ اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے سفر کرنے کا موقع بخشے کیونکہ اگر میں نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیا تو مجھے اور وقت نہیں ملے گا۔ اور وہ راستہ جو آسمانی ہے مجھ سے دور ہٹ جائے گا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ خدا مجھے بلاتا ہے۔ سو یہ جوش و جذبہ میں آ کر ہند میں کام کرنے لگے۔ لیکن وہ زمانہ بڑا نازک تھا۔ مسیحیوں کو ہر وقت موت کا خطرہ تھا۔ رابرٹ ڈی نوبلی کے رویہ نے ہندوؤں میں آگ بھڑکا دی تھی۔

لہٰذا انہوں نے مناسب سمجھا کہ تخلیہ کی زندگی بسر کریں اور جنگل میں چلے جائیں۔ سو انہوں نے اپنے مشنری بھائی جین ڈی کوسٹا کو لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ راجہ میرے سر کو کاٹ کر انجیلی بشارت کو بند کر دینا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو ہم جلد آسمان میں ہوں گے۔ ایسی خبر علاقہ کے ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ خدا کے جلال کے لئے ہے میں اپنے آپ پر بھروسہ نہیں رکھتا کہ میں اب تک زندہ ہوں کیونکہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں ایک گنہگار انسان ہوں۔ لیکن خدا سادہ لوگوں کو طاقت بخشتا ہے۔ تو بھی در ایں حالات کثیر تعداد میں افراد حقیقی ایمان میں شامل ہو رہے ہیں۔ میں بلا خوف کلمۂ مغفرت پڑھتا ہوں۔ عقیدہ سنتا ہوں۔ بپتسمہ دیتا ہوں اور کلیسیائی ساکرامنٹ ادا کرتا ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یورپ کی شان و شوکت اِس لذت و خوشی کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔"

اِس کش مکش میں انہوں نے بیس سال گذارے اور انہیں بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ جاتے تھے کمزور اور محتاج افراد اِن کے محبت بھرے پیغام سے کھچے چلے آتے تھے لیکن مصیبت ہر طرف سے بڑھتی ہی جاتی تھی کیونکہ قدیم ہندو سلطنت اب پاش پاش ہو رہی تھی۔ چھوٹے جاگیردار اپنی من مانی کر رہے تھے اور برہمن اپنے اثر کو مسیحیوں کے خلاف بخوبی استعمال میں لا رہے تھے

اِس لئے مسیحی ہر گوشہ میں ستائے جا رہے تھے۔ وقت کی نزاکت اور ایذا کی شدت اتنی تھی کہ باہر کی دُنیا اِن بے رحمانہ کارروائیوں پر ترس کھا رہی تھی۔ واقعات کو سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ جان ڈی برٹو اپنی بدنی ایذا کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ برہمنوں نے میرے جسم کے ہر حصہ کو کوڑوں سے زخمی کر کے میرے پاؤں پکڑے اور ایک مضبوط رسہ کو گھٹنوں پر باندھ کر مجھے درخت کے تنہ سے لٹکا دیا۔ اب لٹکنے کے بعد انہوں نے میرے ہاتھوں کو باندھا اور پھر دوسرے تنے سے ہاتھوں کو باندھ دیا۔ کچھ تھوڑی دیر کے عذاب کے بعد انہوں نے مجھے اتار لیا اور میرے ہاتھ اور پاؤں کو ہتھوڑوں سے پیٹ کر ایک غار میں پھینک دیا۔ دوسرے دن پھر غار سے نکالا۔ اور رسے کو مضبوطی سے میری چھاتی کے گرد باندھا۔ رسے کا دوسرا سر چرخی سے بندھا تھا جس کو گھما کر کئی بار انہوں نے مجھے جھیل کے پانی میں غوطہ دیا۔ پھر تازیانوں سے پیٹا اور جیل خانہ میں پھینک دیا۔ ہندی مسیحیوں پر بہت سی سختیاں کی گئیں۔ جو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ جان ڈی برٹو کے اِس عذاب کو دیکھ کر عوام اِس کے مداح ہو گئے اور کئی ہزار لوگ اِس کے وسیلہ سے مسیحی ہو گئے۔ اِس کے ہم جولی کارگزاروں نے ان کی کامیاب زندگی و کام کو دیکھ کر انہیں ماڈورا مشن کا مختار کار اور ناظم اعلےٰ مقرر کر لیا۔ سو یہ اب عرصہ

دو سال کے لئے یورپ چلے گئے اور وہاں تن دہی سے کام کرتے رہے اب تو گھر والوں نے انتہائی کوشش کی اور منع کیا کہ وہ بالکل ہندوستان میں نہ جائیں۔ لیکن اِنہوں نے کہا کہ ہمارا باپ اور اس کا گھر آسمان میں ہے۔ اسی میں میں آرام کی زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ اور صرف وہاں ہی ہم ہمیشہ کے لئے اکٹھے رہیں گے۔ اِن کا دل کسی تکلیف سے نہ گھبراتا تھا۔ مصیبت کو ہمیشہ صبر سے برداشت کرتے تھے اور ہر کام کو اکمل طریق پر کرتے تھے۔ کیونکہ جنوبی ہند کی تمام زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا اور بُت پرستوں میں تو خصوصاً کامیابی سے کام کرسکتے تھے۔ ان کے چہرہ پر ایذا کے جو جو نشانات تھے وہ اس کی اعلےٰ مسیحی محبت۔ پختگی ایمان اور خدا کے جلال کو نمایاں کرتے رہتے تھے۔ یہ ۴ر فروری ۱۹۳۰ء کو قتل کر دیئے گئے۔ قتل کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے جب مادورا کے راجہ تادیہ تیمور کو مسیحی بنایا تو برہمنوں نے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اس لئے برہمنوں نے ستوپتی رامانند کے ایک چیلے کو اس کام کے لئے مقرر کر دیا۔ جس نے ان کو اور تیمور کی پہاڑی پر اپنی حراست میں لے لیا۔ اور قتل کر دینے لگا۔ لیکن انہوں نے اُس سے درخواست کی کہ اُسے دُعا کا موقع دیا جائے لہٰذا منت منظور ہوئی اور یہ گھٹنے ٹیک کر کچھ عرصہ خُداوند خُدا سے گفتگو کرتے رہے اور بعدہٗ خود ہی قتل کئے جانے کے لئے اپنے سر کو

Scanned with CamScanner

کو جھکا دیا، جیسے ظالم نے تلوار کی ایک ہی ضرب شدید سے علیحدہ کر دیا۔ اب امتناعی احکام بھی صادر ہو گئے کہ کوئی ان کے جسم کو نہ دبائے جو ایسا کرے گا وہ واجب القتل ہوگا۔ ان کے ہاتھ۔ پاؤں اور ٹانگیں جسم سے کاٹ کر پھینک دی گئیں ظالم پر عجیب وحشت طاری تھی۔ کہ وہ لاش کو بھی آرام نہ لینے دیتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد بہت مشکل سے ان کے جسم کے چند اعضاء بقیہ کو جمع کیا گیا اور نہایت عزت و تعظیم سے فرانسس زیویئر کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہم نے مسیح کو روح و جان دل سے دیا جو ہو سو ہو
اس پر کیا ہے مال و جان ہم نے فدا جو ہو سو ہو

فادر جوزف بسکی

کچھ عرصہ تک تو مادورا مشن کا کام بالکل بند ہو گیا۔ لیکن ۱۷۰۰ء میں فادر جوزف نے جو اٹلی کے تھے۔ نئی طرز پر اس کام کو شروع کیا فادر جوزف نے بھی قدیم رومی برہمن کی سی حکمت عملی کو اختیار کیا لیکن ایک نئے ڈھنگ اور نئے لباس میں۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ ہندوؤں میں نہ صرف سنیاسی اور رمتے برہمن ہوتے ہیں۔ بلکہ ایسے بھی برہمن ہیں جو نہایت اعلےٰ شان و وقار سے رہتے ہیں۔ دنیا ان کی سنتی اور ان کی قدر کرتی ہے۔ لہٰذا اس بات کے زیر تحت یہ بھی اپنی زندگی شان و شوکت میں بسر کرنے لگا تاکہ گرد و پیش اس سے متاثر ہو۔ اس نے اب مقدس گرو کا طرز اختیار کیا۔ جب کہیں جاتا

تو لوگ اس کو پالکی میں اٹھا کر لے جاتے تھے اور سفر کرتے وقت خادم آگے آگے ارغوانی رنگ کا ریشمی چھاتہ لئے جاتا اور دونو اطراف دو خادم عالیشان مور کے پروں کے پنکھے ہلاتے جاتے تھے۔ یہ پالکی میں شاہانہ ٹھاٹھ سے شیر کی کھال پہ بیٹھتا تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ شخص محض بدھو نہ تھا اور نہ ہی عیش و عشرت کا پیاسا۔ اس کے باطن سے علم و انکساری کی خوشبو آتی تھی۔ یہ اپنے زمانہ کا جیّد عالم تھا۔ تامل زبان پہ اسے عبور حاصل تھا۔ ادبی اور دیہاتی دونوں زبانوں کو جانتا تھا۔ کوئی ہندی اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اس کے علم کا چرچا عام تھا۔ اس کی لکھی ہوئی لغات۔ قواعد۔ نظم و نثر کی کتابیں مقبولِ عام ہیں۔ اس کی ادبی دنیا کا یہ اثر تھا کہ ویلور کے نواب چندا صاحب نے اس کی مدد کے لئے ضلع ترچناپلی کے چار دیہات اسے عطا کر دیئے جس کا لگان و محصول بارہ ہزار روپے ماہوار تھا۔ لیکن فادر جوزف نے تمام عزت۔ شان اور علم کو انجیل کی اشاعت میں استعمال کیا۔ لیکن پروٹسٹنٹ ڈینش مشن کا جو ابھی سِن طفلی میں تھی بہت ہی مخالف تھا۔ اس لئے اس نے ہر طریق سے اپنے کام کو وسعت دینے کی کوشش کی اور کلیسیا میں ترقی بھی بہت ہوئی لیکن اس کی موت کے بعد جو ۱۷۴۲ء میں ہوئی مادورا مشن رفتہ رفتہ متزلزل ہوتی گئی۔
مادورا مشن نے موجودہ مشنوں کے لئے اشاعت کا

ہر طرز طریق کا نمونہ پیش کر دیا ہے۔ اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ یہ طرز و طریق دیرپا اور کامیاب ثابت نہ ہو سکے کیونکہ بعدۂ جس سرعت سے کام میں انتشار اور بربادی پیدا ہوئی۔ وہ قابل تاسّف ہے۔ لیکن یاد رہے کہ سب کچھ مسیح کے جلال میں ایک تجربہ تھا۔ جس کے لئے انہیں بہت قربانیاں کرنی پڑیں۔ ہمارا طرز تبلیغ جو ہو وہ ہم اپنے خداوند مسیح اور مقدس پولوس سے سیکھ سکتے ہیں۔ ہم زندہ خط ہوں اور دنیا پہ ظاہر کر دیں کہ ہم مسیح کے ایلچی ہیں۔ گویا کہ مسیح ہمارے وسیلہ سے کلام کرتا ہے۔ کہ خدا سے ملاپ کر لو ظاہر و باطن میں ایلچی ہوں۔ محض لفظوں کے خادم نہ بنیں۔ بلکہ اپنے آپ کو اسی سانچہ میں ڈھالیں۔ مسیح خداوند کے نقش قدم پہ چلیں۔ جس نے اگر خدا کی صورت پر تھا اپنے آپ کو خالی کر دیا۔ اور خادم کی صورت اختیار کی۔ جس کی کوئی شکل و صورت نہ تھی۔ اور نہ ہی خوبصورتی کہ ہم اس پر نگاہ کریں۔ اُس میں کچھ حسن و جمال نہ تھا کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں۔ وہ آدمیوں میں حقیر و مردود۔ مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اُس سے گویا رو پوش تھے۔ تو بھی اُس نے ہماری مشقتیں اُٹھالیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا۔ لہٰذا مبلغین کے لئے پیغام ہے کہ وہ ظاہری شان و شکوہ۔ ظاہری مائلیت و عیار داری۔ اور طرز مخلوط سے پرہیز کر کے مسیحیت کو صاف اور سادہ طریق پر مسیح کے

نقشِ قدم پر چھیلائیں۔ تاکہ ہندوستان میں ہمارے
خُداوند کی بادشاہت جلد پھیلے اور اُس کا جلال ظاہر
ہو۔

Scanned with CamScanner

تیسرا باب

پرٹسٹنٹ مشنوں کا قیام اور کام

پروٹسٹنٹ مشن کیسا ہی دل خوش کن لفظ ہے۔ اِس کے سُنتے ہی انسان پوپیت کے جال سے آزاد ہوجاتا اور اُس کے خیالات اشاعتِ کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں۔ وہ توہم پرستی و بُت پرستی سے پاک ہوکر عالمگیر برادریت میں شامل ہوجاتا ہے۔ انسان کے دل میں خواہ مخواہ یہ احساس پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے کہ وہ گرتے ہوؤں کو بچائے اور اندھوں کو راہ دکھائے سو چاہیے کہ ایسی تحریک کی سب داد دیں اور حامی ہوں۔ لیکن برعکس اِن سب بہترین باتوں کے جن جن تکلیفات سے میں پروٹسٹنٹ مشن کا زمانہ ہند میں گزرا اور جتنی جدوجہد پروٹسٹنٹ مِشن کے علمبرداروں کو ہ امدی میں کرنی پڑی وہ حد سے زیادہ تھی اور برداشت سے باہر۔ خدا ہی تھا جو فدایانِ تبلیغ کو

ڈھارس دیتا رہا اور اُن کی حفاظت کرتا رہا ہے۔

اٹھارھویں صدی میں واحد ملک انگلستان ہی تھا جس پر سب ممالک کی نگاہیں لگی تھیں۔ امریکہ۔ عرب مصر۔ آسٹریلیا اور ہند سب اس کی طرف تاک رہے تھے کیونکہ یہ دِن بدن تمدّنی۔ معاشرتی اور علم الطبعیات میں ترقی کرتا جا رہا تھا۔ لیکن ایسے وقت میں فرانسیسیوں نے علم جنگ بلند کر دیا۔ انگلستان میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ محصول پر محصول لگائے گئے۔ قومی قرضہ حد سے تجاوز کر گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۹۷ء میں بینک نے بھی ادائیگی بند کر دی تو بھی عوام نے دو ملین روپیہ جمع کر کے جنگ کو جاری رکھا لیکن مصیبت پر مصیبت یہ ہوئی کہ ساحلی بیڑے نے بغاوت کر دی۔ جس کو معلوم کرتے ہی بونا پارٹ نے جو فتح پر فتح حاصل کرتا جا رہا تھا۔ انگلستان پر حملہ کی تجویز مکمل کر لی۔

اِسی صدی میں سرکارِ انگلشیہ کو ہند میں شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ لارڈ کلائیو نے انگریزی اِقتدار کو ہند میں مستحکم کر دیا۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی لڑائی تھی جیت لی گئی جس سے بنگال پر قبضہ ہو گیا تھا۔ اور ۱۷۶۱ء میں ولندیزیش کی جنگ سے پانڈیچری پر بھی قبضہ ہو گیا تھا جس سے مدراس انگریزی راج کے تحت آ گیا۔ اور آخراً بہ دعا و منت بونا پارٹ پر بھی برطانیہ کی فتح ہوئی اور ملک میں پھر خوشی کا زمانہ آیا لیکن

Scanned with CamScanner

اس فارغ البالی نے عوام کو شکم پرستی۔ لالچ اور ہوس میں گھیر لیا۔ اور متوسط طبقہ کے لوگ عبادت کی بجائے وحشیانہ اور فضول تماشوں میں اوقات بسری کرنے لگے خدام دین شکاری۔ جواری اور شرابی ہو گئے۔ گرجے خالی رہنے لگے یہاں تک کہ کسی گرجہ میں مشکل سے کتاب مقدس موجود تھی۔ ادھر ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اشاعت انجیل کی طرف سے بالکل بے پرواہ تھی کیونکہ اس کے ارباب نظم و نسق بھی باشندگان انگلستان ہی تھے جو بے اعتنائی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اور ہند کے مذہبی معاملات دا لجھنوں سے خائف تھے۔ تو بھی ۱۸ صدی میں پروٹسٹنٹ مشنوں کا داخلہ ہند میں ہوا۔ گو ۱۶۹۸ء میں ایس۔ پی۔ سی۔ کے مشن کی بنیاد پڑی تھی۔ اور ۱۷۰۱ء میں ایس۔ پی۔ جی کی، لیکن ان دونوں کا کام فرق تھا۔ ایک کے ذمہ تعلیم و ادب پہنچانا اور دوسری کے ذمہ مبلغ و مبشر دینا تھا۔ لیکن ہند میں انہوں نے بلواسطہ نہیں بلکہ بلاواسطہ کام شروع کیا۔ انہوں نے بارتھلمیو زنجیباغ اور کرسچین فریڈرک سوارٹز کو اپنا مبشر بنا کر جنوبی ہند بھیجا جو ڈینش مشن سے متعلق تھے۔ انہیں چھاپہ خانہ بھی بھیجدیا گیا تاکہ وہ رومن کیتھولک مشن اور غیر مذاہب کے لئے ٹریکٹ شائع کریں۔ بعدہ زنجیباغ شاہ جارج اول کے حضور بطور مبلغ پیش کیا گیا اور شاہ نے خوش ہو کر مراعات بخشیں

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۰ء میں جنوبی ہند کی مشن جو ڈینش مشن کے تحت چل رہی تھی انگلستان کی تحویل میں آ گئی۔

ایسی حالت میں بھی جب پروٹسٹنٹ مشن کے علمبردار اشاعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اُن کو حقارت سے دیکھا جانے لگا۔ بشپ صاحبان نے ایسی انجمنوں کو ناقابل سماعت قرار دیا اور اُن میں شامل ہونا بدعت، لیکن خُدا کی رُوح نے لوگوں میں جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور رُوحانی وجوشیلے آدمی اور زیادہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے وزلی۔ وئٹ فیلڈ گرم شارڈ، ابلیڈی۔ روبینے ہاروی فلیچر اور ہنری وِن۔ تھامس سکاٹ۔ فلپ ڈاڈریم۔ جان ہاورڈ۔ کلارک سن اور ولیم ولبر فورس اس تحریک اشاعت کے حامی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن قدامت پسندوں نے اِن سب کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اِن کا مذاق اُڑایا گیا۔ طعن وتشنیع کی گئی۔ لیکن یہ بندگانِ خدا اپنے مقصد بشارت سے نہ لوٹے کیونکہ یہ سب کتاب مقدس اور علم الٰہیات سے خوب واقف تھے۔ اور ہمیشہ یہ سب اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں۔ سب نے گناہ کیا اور خُدا کے فضل سے محروم ہیں۔ اِس لئے خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے۔

پرانے خیالوں

ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ جب انہوں نے اِن حقیقتوں کو رُوح القدس کی طاقت میں پیش کیا تو کئی ہزار اشخاص انگلستان میں اپنے اعمال بد سے باز آئے اور کلیسیا میں روحانی بیداری کی رُوح پیدا ہو گئی اور لوگوں کی آنکھیں کھولیں کہ وہ دیگر انسانوں کو جو تاریکی میں گرفتار ہیں بچائیں۔ اور اُن کا بچانا اِن پر فرض ہے۔ ۱۷۳۶ء میں جارج وٹ فیلڈ کی ایک ہی تقریر سے پندرہ آدمی اشاعت انجیل میں محو و دیوانہ ہو گئے۔

ویزلی بذات خود امریکہ کو چل دیا۔ اور جارجیا میں پہنچکر تبلیغ شروع کر دی۔ بمقام کٹرنگ میں چند خدام دین نے ولیم کیری اور ڈاکٹر تھامس کو ہند میں بطور مشنری بھیج دیا تاکہ وہ مردہ رُوحوں کو بچائیں۔ لیکن یہ سب کام بلا اجازت نامۂ سرکار و ارکانِ مذہب ہو رہے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں فریق تبلیغ کی حمایت گرمجوشی سے کر رہے تھے۔

اشاعت و توسیع میں ولبر فورس پیش پیش تھا۔ اس کا بہت مذاق اُڑایا گیا۔ اولاً جب کہ اُس نے غلامی کی مخالفت جاری کی اور غلامی کا درد اُس کے دل میں اتنا گہرا تھا کہ یہ سو نہ سکتا تھا۔ وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ میں آنکھ بند نہیں کر سکتا کیونکہ ہماری قوم کی بدی بہت ہے اور غریب مظلوم حبشی ہمیشہ میرے دماغ میں گھس آتے ہیں۔ سو جب ۲۵ مارچ ۱۸۰۷ء کو غلامی کے برخلاف محکم نافذ

ہوگیا تو مشنوں کے لئے ایک راہ پیدا ہوگئی۔ لیکن تو بھی مشنریوں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ کیونکہ ۱۷۹۳ء میں بلواسطہ پارلیمنٹ ولبرفورس اجازت نامہ مشن کے امر کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر میں درج کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مشکل تھا۔ صرف ایس۔ پی۔ سی۔ کے، کے چھ مشنریوں کو ہند میں قیام کی اجازت تھی۔ کیری کو ڈنمش صوبہ میں پناہ لینی پڑی اور ۱۸۱۲ء تک بھی آنیسن مشنری جو کلکتہ آنا چاہتے تھے نکال دیئے گئے۔ لیکن ان کس مپرسی دابتری کے ایام میں سرکاری پادری خدمت کرتے رہے۔ اور انہوں نے ہندی سُدھار میں حصّہ لیا۔ وہ ڈیوڈ براؤن کلاڈیوس۔ بوقنین۔ ہنری مارٹن تھامس تھامسن اور ڈانیل گورے تھے۔ ڈیوڈ براؤن۔ چارلس سمئسن کا گہرا دوست تھا جو اشاعت کا حامی اور محرّک اعلے تھا۔ اور دیگر چار سرکاری پادری بھی سمئسن ہی کے زیر اثر آئے تھے۔ ڈیوڈ براؤن نے کلکتہ کے اُس گرجہ میں خدمت کی جو اب سی۔ ایم۔ ایس مشن کی تحویل میں ہے۔ بوقنین نے فصاحت اور ادبی کارناموں سے علما کو گرویدہ کر لیا اور تھامس ڈانیل گورے نے سی۔ ایم۔ ایس کے کام کی بنیاد بنگال میں ڈال دی۔

ایسے بہتر کام کو ہوتے دیکھ کر ولبرفورس خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اب اُس نے انگلستان میں سفر پر سفر کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ ۱۸۱۳ء کے چارٹر میں مشنوں کو اجازت نامہ مِل

جائے۔ وزیر اعظم پٹ تو رجعت پسند اور قدامت پسند پارٹی کا حامی تھا۔ اِس لئے ولبر فورس کو اور بھی زیادہ محنت کرنی پڑی۔ بینتھ سے لیڈن ہال اور کلیپ ہیم سے وائٹ ہال کو بھاگے تاکہ ڈائرکٹروں۔ بشپوں۔ پارلیمنٹ کے ممبروں ممبرانِ کابینہ اور حصہ داروں سے گفتگو کریں اور انہیں اِس امر پہ راضی کریں۔ مخالف اخبار اڈنبرگ ریویو نے بھی مخالفت میں بہت حاشیہ آرائی کرنی شروع کردی لیکن ولبر فورس کچھ خاطر میں نہ لائے۔ کیونکہ جو کام ہند میں ہو رہا تھا۔ اُس سے اِس کو کچھ تقویت ہو جاتی تھی۔ لیکن جب ہند سے سرکاری افسر ولائت پہنچے تو انہوں نے بھی مشن کے کام کی حمائت کی، باوجود اِس ہمہ میجر سکاٹ وارنگ جو انگلستان میں وارن ہیسٹنگز کا ایجنٹ تھا۔ ہمیشہ مشن اور اُس کے کام کو بُری نظر سے دیکھتا رہا۔ کیونکہ اس کے دل و دماغ میں کالی دیوی اور اِسلامی جہاد کی تباہ کاریاں اُمڈ آتی تھیں۔ اِس لئے وہ مذہبی اشاعت سے گریز ہی بہتر سمجھتا تھا لیکن اِدھر ہند میں ڈاکٹر ولیم کیری کی مردانگی یہ ثابت کر رہی تھی کہ ہند خوف کا مقام نہیں ہے۔ تو بھی بعض ایک تو ایسی تبلیغی توجیہ کے ہی خلاف تھے۔ اِن کے تصور میں یہ تھا کہ ہندو قوم قابلِ تبدیل نہیں ہے اس لئے کیوں انگلستان کے روپے کو برباد کیا جائے اور ہند میں بدامنی پھیلائی جائے سو وہ بہتر وقت کا انتظار

کرنا چاہتے تھے۔ جب کہ خُدا خود ہی نور اور ہدایتِ اشاعت کی راہ نکالے۔ ڈوبئیس جس نے ۱۷۹۲ء سے ۱۸۲۳ء ہند میں کام کیا تھا وہ بھی اسی نظریہ کا حامی تھا۔ رومن کیتھولک مشنیں جو میسور سلطان ٹیپو کے علاقہ میں کام کر رہی تھیں۔ انہوں نے بیان شائع کیا کہ وہ کیسے دل سوزی سے اور اپنے آنسوؤں سے ہند کی زمین کو پانی دیتے رہے ہیں۔ لیکن بیج چٹانوں پر پڑا۔ اور جل گیا۔ لیکن جانمرد ولبر فورس کے لئے یہ بیانات و دلائل کافی نہ تھیں۔ اُس کی توجہ انجیل کی اشاعت پہ لگی تھی۔ کہ تم تمام دُنیا میں جاکر انجیل کی منادی کرو۔ اگر لوگ تمہارے سلام کو قبول نہ کریں تو وہ تم پہ واپس لوٹے اور تم اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ گو ولبر فورس ہند کو نہ جانتے تھے۔ اس لئے اُن کے سامنے مشکلات کا طوُمار پیش کیا گیا۔ چارلس مارش نے کہا کہ ہند میں ہندو ایک مقدّس گروہ ہے۔ اور انہیں مسیحی بنانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں دیتی۔ اور دوسری طرف ڈوبیس اور سڈنی سمتھ تھے جو اس بات پہ بضد تھے کہ یہ ہندو ایک باغی گروہ ہے جو ذات پات کے بندھن میں گرفتار ہے۔ اور ان کے کان انجیل کے پیغام کی طرف سے بہرہ ہو گئے ہیں لیکن ولبر فورس نے عرض کی کہ انجیل شریف کی ضرورت پاک اور باغی دونوں کو ہے۔ سب کو ضرور ہے کہ وہ خدا کی ہدایت اور عالمگیر برادری کو پہچانیں

اُس نے اپنی دلائل کی صحت میں مینیفسٹ کے کام کو سراہا۔ جس پر ولیم پٹ وزیر اعظم نے کہا کہ ہم ان کو ضرور پس پشت پھینک دیں گے تو ولبر فورس نے سیرام پور مشن اور سی۔ ایم۔ ایس مشن کے کام پر طویل گفتگو کی جس کو وہ سُن سُن کر ہنستے رہے لیکن شائد اُن کا ہنسنا بے معنی نہ تھا کیونکہ محض بلا تنظیم اشاعت کی حمایت کرنا درست نہ تھا اِس لئے بعدۂ بوقنین کی تجویز پر غور کیا گیا کہ ہند میں بشپی سلسلہ کا قیام ہونا لازمی ہے۔ اس تمام کشمکش اور جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۸۱۳ء میں مشنوں کے لئے عام اجازت نامہ جاری ہو گیا۔ لیکن اس کشمکش کے دوران میں ۱۸ صدی میں ڈینش مشن کے کارگذار بارتھلمیوز زیگنبالغ۔ کرسچن فریڈرک سوارٹز اور بعدۂ برطانوی سرکاری پادری ڈیوڈ براؤن۔ کلاڈیوس بوقنین۔ ہنری مارٹن۔ ڈانیل گورے۔ ٹی۔ ٹی تھامسن اور بپٹسٹ پادری ولیم کیری خدمت کرتے رہے۔ جن کا مختصراً احوال پیش کیا جاتا ہے۔

ڈینش مشن
۱۷۰۵ء — ۱۷۹۷ء

اٹھارویں صدی سے قبل ہند میں کسی اصلاح یافتہ کلیسیا نے تبلیغ میں حصّہ نہ لیا۔ لیکن دفعتاً جو تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ شاہ ڈنمارک فریڈرک کرسچن چہارم کے دلی احساس کی وجہ سے تھی گو ڈنمارک کی ایسٹ

انڈیا کمپنی ۱۶۱۶ء میں شروع ہوئی تھی۔ اور اس میں ڈچ انگریز۔ فرانسیسی اور ڈینش کام کر رہے تھے۔ لیکن مارچ ۱۷۰۵ء کو شاہ فریڈرک کے ذہن میں احساس پیدا ہوا جبکہ وہ ایک عریضہ کی تلاش میں تھے جو ان کو ٹرانکوبار سے آیا تھا۔ جس میں ڈینش سپاہی کی بیوی نے بصد منت بیشن کی درخواست دی تھی۔ کیونکہ اس کے خاوند اور بیٹے کو ہندوستانیوں نے قتل کر دیا تھا۔ درخواست اتنی جاں گداز تھی کہ بادشاہ بہت اداس ہوا۔ اور اس کے دل میں ہندوستانیوں کی ضمیر کی تبدیلی کا احساس پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر لیوٹنکن جو شاہ کا سرکاری پادری تھا۔ اُسے مشورہ کے لئے بلایا گیا اور اُس نے اِس کارِ عظیم کے لئے اپنا ہی نام پیش کر دیا لیکن اس کی پیری وضعیفی ہند آنے میں مانع ہوئی اِس لئے اب کسی دوسرے آدمی کی جرمنی میں تلاش کی گئی۔ جرمن کے مرکزی شہر برلن میں درخواست کی گئی۔ اور آخراً نگہ بار تھلمیو زنجیباغ اور اُس کے دوست ہینرک پلوشو پر پڑی۔

بار تھلمیو زنجیباغ

یہ اِس وقت بیس سالہ جوان شخص تھا جب اِس کی ہند کے لئے بلاہٹ ہوئی۔ اِس کی پیدائش ۲۴ جون ۱۶۸۳ء میں پلزنٹز میں ہوئی اور بچپن ہی سے یتیم ہو گیا۔ اور شروع ہی سے اِسے اپنی زندگی کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اِس کی

تعلیم مدرسہ گارلٹز میں اور بعدہٗ برلن اور ہیلے کے دارالعلوم میں ہوئی لیکن خصوصاً یہ ہیلے کی مذہبی تعلیم و تحریک سے متاثر ہوئے اور اِن کا مقصدِ زندگی خدمتِ انجیل بن گیا۔ لیکن اِن کی خدمت کی وسعت نظر محض جرمنی ہی تھا۔ بیرونی دُنیا سے فی الحال انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ اِس لئے اِنہوں نے برلن سے بیس میل کے فاصلہ پر مقام وُشِہ میں پاسبانی خدمت اختیار کر کے تن دہی سے کام شروع کر دیا۔ لیکن درین اثناء انہیں اپنے اُستاد سے ہندوستان کے لئے بلاہٹ نامہ موصُول ہوا لیکن انہوں نے اِنکار کر دیا۔ جب اِنہیں یہ خبر ہوئی کہ اُن کے دوست پلُوشو نے بلاہٹ کو قبول کر لیا ہے تو اپنے انکار کے بُودے پن کا احساس کرتے ہوئے بہ ہمراہی پلُوشو کوپن ہیگن پہنچ گئے اور وہاں سے ٹرانکوبار کو ۲۹ر نومبر ۱۷۰۵ء میں چل دیئے۔

ٹرانکوبار ایسی بستی تھی جو حکومت ڈچ نے راجہ تنجوُر سے خریدی تھی۔ اُس کی لمبائی پانچ میل اور چوڑائی تین میل تھی۔ اِس میں ٹرانکوبار کے علاوہ پندرہ گاؤں گردو پیش کے شامل تھے۔ جن میں ہندی کے علاوہ ڈینش و جرمن خصوصیت سے رہائش پذیر تھے۔ لیکن گورنر علاقہ نارویجیں تھا۔ گو مذہبی نظم ونسق سرکاری پادریوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اُن کے ذہن میں ہندوستانیوں میں بشارت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اُن کی آنکھیں وسعتِ

بشارت کو نہ دیکھ سکتی تھیں۔ اس لئے دفعتاً جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان میں بشارت کے لئے مشنری آرہے ہیں تو اُن کے دل میں نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی گورنر کو انہیں ذلیل ورسوا کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ گو براہِ راست گورنر کے لئے شاہِ وقت کی مخالفت مشکل تھی تو بھی دَر پردہ اُس نے ہر ممکن رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اس لئے جب مشنری صاحبان ۹ر جولائی ۱۷۰۶ء کو نہایت خراب وطویل سفر کے بعد ہندوستان کے ساحل پر پہنچے تو خیر مقدم کی بجائے اُن کی تضحیک کی گئی۔ باقی ان کے ہم سفر تو کشتیوں پر سوار ہو کر جہاز سے اُتر گئے لیکن اِن کے لئے کوئی کشتی نہ تھی۔ اِس لئے کئی دِن انہیں جہاز میں ٹھہرنا پڑا۔ آخر اً کپتان نے ازراہِ کرم اپنی کشتی پر انہیں ساحلِ ہند پر اُتارا۔ جب یہ اُتر کر ٹرانکوبار کے پھاٹک پر علی الصبح پہنچ گئے تو چوکیدار نے انہیں باہر دروازہ سے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا جب تک کہ گورنر صاحب نہ آئے۔ وہ دوپہر کو تشریف آور ہوئے اور انہیں دیکھ کر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ کس بات نے تمہیں یہاں آنے پر آمادہ کیا؟ کیا تمہارے پاس پروانہ ہے؟ تمہاری ضرورت نہیں۔ بادشاہ کو یہاں کے اُمور کی کیا خبر ہے۔؟ اور یہ کہتے ہوئے وہ واپس چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سب سرکاری پادری غائب ہو گئے یہ اب بے گھر اور بے در تھے۔ اِن کے لئے سر رکھنے کی بھی

Scanned with CamScanner

جگہ نہ تھی لیکن ان کے دل میں خداوندِ عالمین کا پیار زیادہ ہوتا گیا۔ انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ وہ بادشاہ کے خادم ہونے سے بھی اعلےٰ ہیں کیونکہ وہ افضل بادشاہ کے منتظری ہیں۔ وہ سلطان السلاطین کے خادم ہیں۔ اس لئے ذلت ورسوائی اُن کے بشارتی ارادوں کو بدل نہیں سکتی۔ انہیں رہائش کے لئے ایک چھوٹا سا مکان مل گیا جس میں رہ کر انہوں نے تبلیغی خدمت شروع کر دی۔ اس لئے زیجنبلغ نے تجربہ کیا کہ صرف خدا ہی ہمارے کام میں اپنی قدرت ظاہر کرتا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہی ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ ان کے پاس کوئی راہ نما نہ تھا۔ اس لئے خود ہی انہیں دیہات کے راہ معلوم کرنے پڑے۔ وہ لوگوں کی عادات ورسومات سے ناواقف تھے۔ تو بھی تدبر حکمت وصبر سے سب مشکلات پر قابو پالیا۔ لیکن سب سے زیادہ دقت جو در پیش تھی وہ زبان دانی کی نااہلیت کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ ٹرانکوبار میں جرمن اور ڈینش لوگ ملکی باشندوں کی زبان نہ جانتے تھے۔ لیکن ملکی باشندے پرتگالی زبان کو سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اوّلاً پرتگالی زبان سیکھی اور تامل سیکھنے کے لئے وہ بچوں کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ بیٹھ کر تامل کا ا ب پ حفظ کرتے اور ریت پر املا لکھتے تھے۔ چھ ماہ کے بعد زیجنبالغ نے تامل سیکھ لی اور بولنے اور دلیل

بازی کرنے میں ماہر ہوگیا۔ اور تامل کی ادبی اور صرف و نحو کی کتب جو کھجور کے پتوں پر مرقوم تھیں ان کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور یوں تحریر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتابیں اِس لئے مطالعہ کے لئے چنیں ہیں تاکہ بولنے اور لکھنے میں اقتباس کرسکوں اور میں نے انہیں کئی بار پڑھا ہے تاکہ کوئی ایسا لفظ یا جملہ نہ رہ جائے جو میں نہ جانتا اور اقتباس نہ کرسکتا ہوں۔ اِن معنوں میں یہ اپنے معلّم خود آپ ہی تھے۔

دونوں مشنری دُعا و نماز کے اجلاس کرنے لگے اور تبلیغِ عامہ شروع کردی۔ جس کو دیکھ کر گورنر علاقہ نے اپنا رویہ بدلا اور انہیں فوجی حدود میں جلسہ کرنے کی اجازت دے دی۔ پرتگالی مخلوط بچوں میں مذہبی اور تعلیمی شوق پیدا کیا گیا اور مشن بورڈنگ سکول بنا کر اہل ہنود کو بھی تعلیمی نعمت سے بہرہ ور کردیا۔ تعلیم مفت تھی اور ذرائع آمدنی محدود تو بھی زیگنبالغ نے مسیحیت کے لئے ہر بچہ کو جیتنے کے لئے اپنا تن۔ من اور دھن قربان کرنا ہی بہتر سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ جوانوں کا جو غیر مذاہب سے متعلق تھے ۱۲ رمئی ۱۷۰۷ء کو بپتسمہ ہوا۔ بپتسمہ دیئے جانے سے پہلے ۶ ماہ تک ہر روز دو گھنٹے متواتر انہیں تعلیم دی گئی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کی وجہ سے لوگوں میں بلاناغہ عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوگیا اور بیت اللہ کا بھی احساس ہوا۔ لہٰذا ۱۴ رجون ۱۷۰۷ء کو معبد اللہ کی تعمیری بنیاد رکھی گئی

جو عرصہ دو ماہ میں مکمل ہو گیا۔ اس معبد میں ہر شخص کو خواہ وہ ہندی یا فرنگی۔ رومی ہو یا پروٹسٹنٹ آنے کی اجازت تھی۔ سال کے آخر میں شرکاء کلیسیا کی تعداد ۳۶ ہو گئی جو دوسرے سال میں بڑھتے ہوئے ۱۰۱ تک پہنچ گئی۔ کام ترقی کر رہا تھا لیکن گورنر علاقہ نے پھر مخالفت شروع کر دی اور ۱۷۰۸ء میں انہیں قید خانہ میں ڈال دیا۔ جن مشکلات و ذلّت کو انہوں نے صبر سے برداشت کیا آخر جب رہا ہوئے تو ہندی و یورپین مسیحیوں میں اور زیادہ عزت اور محبت کا احساس پیدا ہو گیا۔ اور بہت سا روپیہ جمع کر کے ان کی مدد کا دم بھرنے لگے۔ زنجیبالغ نہایت خوش ہوا۔ اس نے تامل زبان میں نظمیں لکھنی شروع کر دیں جن میں خداوند مسیح کی زندگی اور پیغامات کو پیش کیا اور انہیں دیسی راگ پر گانے کے لئے پُرزور حمایت کی۔ ۱۷۰۹ء میں انہیں ڈنمارک سے مدد مل گئی جس سے انہوں نے مشن گھر بنوایا۔ اور کام کو وسعت دینے کے لئے مدراس اور تنجور کا سفر کیا۔ ان کا طریقۂ تبلیغ نہایت اعلےٰ تھا جو موجودہ کارگذاروں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ یعنی

(۱) عام جلسے جن میں مذاہب پر تبصرہ ہو۔

(۲) مسیحی ادبیات کی تیاری و اشاعت۔

(۳) دیسی زبان میں بائبل کا ترجمہ

عام جلسوں میں یہ تدریجی طور پر ہندوؤں سے تبادلۂ خیالات

کرتے تھے۔ اِن کا ایک مباحثہ جو انہوں نے ناگا پٹم میں بہ زیرِ حفاظت ٹورچ حکومت ہندوؤں سے کیا بہت ہی مشہور ہے۔ یہ پانچ گھنٹے متواتر مسائل مذاہب پر بحث کرتے رہے اور آخر آ یہ فیصلہ ہوا کہ کتابِ مقدس کی سند چھوڑ کر محض عام واقعات اور دلائل سے بحث ہو۔ تو بھی انہوں نے ہمہ اوست اور بُت پوجا کی دھجیاں بکھیر دیں اور بہت لوگ مسیحیت کے دلدادہ ہو گئے۔ لیکن ہندو جماعتوں میں بے چینی پیدا ہو گئی اور وہ مسیحیت سے متنفر ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ طریق کارگر ثابت نہیں ہوا تو ادبیات پر توجہ دی اور اختصاراً سوال و جواب۔ خداوند مسیح کی زندگی۔ اور عبادتِ تقدیس کی کتابیں لکھیں نیز اپنا دیوان لکھ کر ادبی دُنیا کو رونق بخشی۔ لُغتِ مالا باری ان کا نہائت مفید تحفہ ہے جس میں تامل حروف کا جرمن زبان میں مطلب بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ۲۰۰۰۰ الفاظ ہیں جو پتّوں پہ مرقوم ہیں۔ ان کی دوسری بہترین کتاب "مالا باری دیو مالا کا حسب نسب" ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب عرصہ دراز تک مطبع میں پڑی رہی۔ اور ۱۸۶۷ء میں پہلی بار چھپی۔

اکتوبر ۱۷۰۸ء میں انہوں نے نئے عہد نامہ کا ترجمہ کرنا شروع کر کے عرصہ تین سال میں مکمل کتاب کا ترجمہ کر دیا اور ہندی مسیحیوں کو پہلی مرتبہ اُن کی دیسی زبان میں نیا عہد نامہ پڑھنے کا موقع ملا۔ گرچہ ترجمہ کرنے کی مخالفت فادر

چھاپا خانہ

جوزف بسکی نے تو بہت کی اور ان کی ٹامل زبان کچھ بہتر بھی نہ تھی۔ تو بھی جوش و شوق میں ترجمہ کرنے میں وہ کامیاب ثابت ہوئے۔ ہر مشنری پر جیساکہ فرض ہے کہ وہ اپنے حالات و واقعات سے اپنی غیر ملکی منتظمہ کمیٹی کو مطلع کرتا رہے انہوں نے بھی شاہ ڈنمارک اور دیگر بہی خواہان کو ہندوستانی حالات و تبلیغ سے واقف کیا۔ ان کے خطوط اتنے دل پسند و باثر ہوتے تھے کہ وہ جرمنی کی کلیساؤں میں گشت کرائے جاتے تھے۔ اور بعدہ شاہ ڈنمارک جارج کے ڈینش سرکاری پادری بوہمین نے ۱۷۰۹ء میں ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ جس کو ۱۷۱۰ء میں یہ جمائت آرچ بشپ کنٹربری ایس۔پی۔جی مشن نے دوبارہ شائع کیا۔ یہ کوئی یک صد صفحہ جات پر مشتمل کتاب ہے جو ہندوستانی معلومات عامہ سے پر ہے۔ ایس۔پی۔جی نے ان کی محنت کی قدر کرتے ہوئے ۲۰ پونڈ بطور انعام بھیجے، جس کے عوض میں انہوں نے ہدیہ تشکریہ کا طویل خط لکھا جب انگلستان میں یہ خط پہنچا اور پڑھا گیا تو لوگوں میں ہندوستانی جماعت کے لئے بہت شوق پیدا ہو گیا۔ پھر ایس پی۔جی مشن نے مدد دینے کا ذمہ اٹھا لیا۔ اور چھاپہ خانہ و کاغذات عنائت کئے نیز جرمنی بھائیوں نے بھی انہیں ۱۷۱۳ء میں تامل حروف کا چھاپہ خانہ بھیج دیا سو ۱۷۱۴ء میں بہ حروف تامل اناجیل اربعہ کا ترجمہ دیسی زبان میں شائع

ہوگیا جس کو دیکھ کر لوگوں میں بہت خوشی ہوئی۔
۱۷۱۱ء میں اس کے ہمسفر پلوشو کو واپس جرمنی جانا پڑا۔ اور اُس کا واپس جانا ہی فائدہ مند ثابت ہوا۔ کیونکہ لوٹنگ نے ہندوستانی مشن کے خلاف غلط افواہ پھیلا رکھی تھی جس کو پلوشو نے ڈنمارک اور دیگر جگہوں میں دَورہ کرکے درست کیا۔ یہ اپنے ہمراہ ایک تامل مسیحی کو لے گئے تھے اور اُسے جرمنی اور انگلینڈ کی سیر کرائی۔ جس سے غیر ملکی مسیحیوں پر کافی اثر ہوا اور ٹرانکوبار مشن کو زیادہ مدد دینے لگے۔ اب اِنہیں اُمید ہوگئی کہ جرمنی ڈنمارک اور ہالینڈ کے دارالعلوم معتمدانہ طور پر اِن کے تبلیغی کام کی حفاظت کا ذمہ لیں گے۔ لیکن کثرتِ کام کی وجہ سے زیجنبالغ آرام کے لئے واپس اپنے ملک کو اکتوبر ۱۷۱۴ء میں چل دیئے اور اپنے ساتھ ایک ہندی مسیحی میلاپینسن کو لے گئے جوان کے ساتھ لغات بنانے اور ترجمہ کرنے میں معاون تھا۔ جب یہ ڈنمارک پہنچے تو شاہِ ڈنمارک فریڈرک سویڈن کے خلاف جنگ میں محو تھا۔ اِس لئے یہ میدانِ جنگ میں ہی اُس سے ملاقی ہوئے اور بہت دیر گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہ نے بخوشی ہندوستانی تبلیغی مشن کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ وہ اِس کارِ عظیم کے لئے ڈنمارک میں ایک منتظمہ ذمہ دار انجمن بنائے گا۔ جس کے صدر خود زیجنبالغ ہی ہوں گے۔ سو زیجنبالغ بہت عرصہ

تک جرمنی میں قیام پذیر رہے اور کوپن ہیگن کو مرکز بنا کر تبلیغی کام کی مدد کرتے رہے۔ اب انہوں نے ڈار تھیا سالرٹین سے شادی کر لی اور انگلینڈ کا سفر کیا۔ لیکن انگلینڈ میں شاہ جارج اوّل نے میاں بیوی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز پر مفت جانے کی اجازت بخش دی۔ آرچ بشپ کنٹربری اور لارڈ بشپ لنڈن نے اِن کی تبلیغی مساعی میں بہت شوق ظاہر کیا۔ اور انہیں بصد شوق الوداع کیا۔ سو ۴ر مارچ ۱۷۱۶ء کو سفرِ جہاز شروع کر کے ۱۹ر اگست کو مدراس پہنچ گئے۔ انہیں یورپ میں بہت دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ اِن کے واپس وطن جانے کا مقصد آرام وچین تھا۔ لیکن انہیں وہ نہ ملا۔ تو بھی یہ خوش وبشاش واپس لوٹے۔ کیوں کہ اِن کی مساعی سے تبلیغی کام کو تقویت پہنچتی اور خدا کا جلال ظاہر ہوتا تھا۔ ✕ 11/6 ریس مرصعیں

زیگنبالغ کے دُور وطن ہونے سے بھی کام میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی کیونکہ اُن کی احسن شخصیت کا کار گذاروں پر بہت اثر تھا۔ اِن کا قائمقام گرینڈلر صاحب دل جمعی سے کام چلاتا رہا۔ بہت لوگوں کو مسیحی کلیسیا میں شامل کیا گیا اور اس نے ایک نیا سکول کھول دیا جس میں ۷ طلبا زیرِ تعلیم تھے۔ نیز ایک نئے عبادت خانہ کا بھی انتظام کر دیا۔ جس کا سنگِ بنیاد زیگنبالغ کی آمد کے بعد ۹ر فروری ۱۷۱۷ء کو گورنر علاقہ نے رکھا اور جب ۱۱ر اکتوبر

کو معبد اللہ کی تقدیس ہوئی تو اس کا نام "نیا یروشلیم" رکھا گیا۔
یہ گرجہ صلیب نما ہے لیکن ہر طرف لمبائی میں برابر ہے۔ اگر
اس کے مرکز میں گنبد کی چھت ہوتی تو یہ لنڈن کے سینٹ
پال گرجہ کے مشابہ ہوتا۔ اس کے مرکزی حصہ میں ایک طرف
پلپٹ (ممبر) ہے۔ جس سے ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ زیجنبالغ
کی مساعی کی یہ حد تھی کہ گورنر انگلشیہ و سرکاری پادریوں
کی عرض سے انہوں نے علم الٰہیات کے دو مدرسے کڈلور
اور مدراس میں قائم کئے تاکہ تبلیغی کام زیادہ سرعت سے ہو۔
۱۷۱۹ء میں ان کی لغات کی کتاب مکمل ہوگئی۔ اور رُوت
کی کتاب تک عہد عتیق کا ترجمہ بھی شائع کر دیا۔ اور اپنے
ان امور کی اطلاع شاہ جارج اور ایس۔ پی۔ سی۔ کے، کو
دے دی جس سے وہ نہایت خوش ہوئے۔ لیکن اب ڈنمارک کی
گھریلو منتظمیہ انجمن بشارت میں تبدیلی آئی۔ مرکز بشارت
کوپن ہیگن میں اور صدر انجمن وہنڈٹ مقرر ہوئے جو زیادہ تر ٹُوبُدنگ
مخالف بشارت ہند سے متاثر تھے۔ اس لئے اب صاحب صدر
نے تمام مدد روک لی جس سے یہ پھر لاچار ہو گئے اور اس بے
بسی کا اثر ان کے دل پر بہت تھا۔ اس لئے ۱۷۱۸ء جبکہ
یہ ہنوز عالم شباب میں صرف ۳۶ برس کے تھے تو ایک مرض
کا شکار ہو گئے۔ جو ان کے لئے مہلک ثابت ہوئی گو علاج سے
کچھ بہتر تو ہوئے اور اپنے نہایت عزیز عبادت خانہ میں بڑے
دن اور نئے سال پر درس دے سکے لیکن یہ سب کام اب

ان کی طاقت سے باہر تھے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آخر وقتِ نزع آپہنچا۔ تو انہوں نے یوں کہا۔ میری بھی یہی خواہش ہے۔ پھر تھرتھرانی ہوئی آواز میں کہا۔ خدا اس کام پر جو میں نے کیا ہے برکت بخشے اور اسے پھل دار کرے .... اے خدا میں نے ہر روز اپنے آپ کو تیرے ہاتھوں میں سونپا ہے......... خداوند نے فرمایا۔ اے میرے باپ تیری مرضی ہے کہ جہاں میں ہوں وہاں میرے خادم بھی ہوں۔ .... تب دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں اور زور سے کہا کہ یہ کتنا ہی روشن ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ سورج میرے منہ پر چمک رہا ہے۔ تب وہ ایک دل پسند گیت کے دو چھلے گا کر ۱۳ سال کی خدمتِ ہند کے بعد ۳۶ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے ۔؎

خُدا دے پَردے ہیٹھاں جو کوئی انساں رہندا ہے
خُدا دے کھنب دی چھاں ہیٹھاں تے او آرام پاندا ہے

کرسچن فریڈرک سوارٹز
۱۷۲۶ء ——— ۱۷۹۵ء

اِس مشنری کی تربیت اس ماں کی آرزو تھی کیونکہ جب اِس کی والدہ اکتوبر ۱۷۲۶ء کو بسترِ مرگ پر بمقام سونبزگ میں پڑی تھی تو اس نے متعلقہ خادم الدین اور اپنے شوہر دونوں کو اپنے پاس بلایا اور یوں وصیت کی کہ اگر میرے بچے سوارٹز نے کبھی خدمتِ تبلیغ کی خواہش کی تو اس کی تکمیل کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

اور یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ اِس بات کا سوارٹز کے والد پر بہت اثر ہوا سو اُس نے اپنی اہلیہ کے وفات پانے کے بعد سے ہی اُس کی مسیحی تربیت شروع کر دی اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم ہیلے میں داخل کر دیا تاکہ علم الٰہیات کے ساتھ ساتھ ہی ساتھ خدمتِ خداوند کی تیاری ہوتی رہے۔ اِن ایام میں زنجیبالغ کا جانشین شُوالٹز ٹرانکوبار سے ہیلے پہنچا تاکہ وہ نئے عہد نامہ کی تامل تصنیف کی نظرِ ثانی کرے۔ درین اثنا سوارٹز سے ہندوستانی مشنری کی ملاقات ہوئی اور چونکہ اُس کو ادبی کام میں مدد کی ضرورت تھی۔ وہ یہ دیکھ کر سوارٹز مدد کرنے کے لئے تیار رہے۔ اُسے تامل زبان سکھانی شروع کر دی جسے اُس نے محنت سے بہت جلد سیکھ لیا۔ اب ٹرانکوبار مشن سے سوارٹز کی اُنس بڑھتی گئی۔ اِس لئے جب اِس کو ہندوستان میں تبلیغی خدمت کا بیڑا اٹھانے کے لئے مدعو کیا گیا۔ تو اِس جوان نے بلا پس و پیش قبول کر لیا۔ اور بہ رضائے والد ڈینش مشن کے مرکز ڈنمارک کو چل دیا۔ جہاں پر ڈینش مشن کے بشپ ہوریبُو نے اِس کا تقرر کیا سو بہ براستہ انگلستان ۳۰ جولائی ۱۷۵۰ء کو جب کہ صرف ۲۴ برس کے تھے ٹرانکوبار پہنچ گئے۔

زنجیبالغ کو وفات پائے ۳۱ برس کا عرصہ ہو چکا تھا لیکن اِس عرصہ کے دوران میں دیگر قابل مشنری مثلاً شوالٹز۔ گرینڈ گُوہف اور فیبر ریسیس خدمت کرتے رہے۔ تعلیم و تبلیغ کا کام

اکمل طریق پر چلتا رہا۔ شائد ہی کوئی ایسا سال گذرتا تھا۔ جس میں کم از کم ایک سو نفوس مسیحی نہ ہوتے ہوں۔ یہ کام پا پیادہ اور دُو دُو ہو کر کیا کرتے تھے۔ مشنری اپنے ساتھ ایک دیسی مبشر کو بھی ضرور رکھتے تھے۔ اور غریب۔ امیر۔ برہمن۔ شودر ہر دو کو ملتے اور اپنے مذہب کی صداقت ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ زنجیباغ کی وفات پر تعدادِ مسیحان ۳۵۵ تھی۔ جو سوارٹز کی آمد پر ۸۰۰۰ تک پہنچ گئی نیز ۱۱۰۰۰ افراد کو ان ۴۶ برس کے عرصہ میں بپتسمہ دیا جا چکا تھا۔ لائق مبشر مراکز پر متعین تھے۔ ٹرانکوبار کے علاوہ مدراس۔ کڈالور۔ تنجور۔ ترچنا پلی۔ نگاپٹم میں ہندوستانی کلیسیائیں عمدہ حالت میں تھیں سو ہندوستان میں مسیحیت کی کچھ بہتر ہی حالت تھی۔ جب کہ سوارٹز نے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

ٹرانکوبار میں قیام کے چار ماہ بعد سوارٹز نے پہلا وعظ تامل زبان میں کیا گو ان کو تلفظ کی صحت کا خدشہ تھا۔ لیکن یہ بے وجہ خائف تھے کیونکہ جو غلطی تھی بھی وہ طلبائے مدرسہ سے گفتگو کے دوران دُور ہو چکی تھی۔ انہوں نے کتب ہنود کا مطالعہ متواتر پانچ سال تک کیا تاکہ وقت آنے پر مالاباری ہندوؤں کا مقابلہ اُن کی اپنی ہی کتابوں و تواریخ سے کر سکیں۔ اس جدوجہد کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے انگریزی۔ پرتگالی اور فارسی میں بھی دسترس حاصل کر لی۔ اِن کی زندگی اور کام کو سمجھنے کے لئے ہم لامحالہ اسے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے

ہیں۔ یعنی ٹرانکوبار۔ ترچناپلی۔ اور تنجور۔ ٹرانکوبار میں تو یہ بحیثیت مشنری خدمت کرتے رہے لیکن ترچناپلی میں مشنری خدمت کے علاوہ سرکاری پادری بھی تھے اور مقام تنجور میں نہ صرف مشنری و سرکاری پادری بلکہ سرکاری سفیر کی حیثیت میں اور ریذیڈنٹ کے طور پر بھی اعزازی خدمت سرانجام دی تو بھی سب حالتوں میں یہ مسیح خداوند کے ایلچی ہی رہے۔

ٹرانکوبار
۶۶ — ۱۷۵۰ء

جب ٹرانکوبار میں انہوں نے مشنری خدمت شروع کی تو ان کے ہم خدمت بھائیوں نے ان کی اعلےٰ قابلیت و روحانیت سے متاثر ہو کر انہیں کاویری دریا کے جنوبی حصّہ کا ناظم اعلےٰ مقرر کر دیا۔ جس سے سکولوں کی نگرانی کا کام ان کے ذمہ ہوا۔ ان کا معمول ہو گیا۔ کہ ہر صبح اُن نو مُریدوں کو مذہبی تعلیم دیں جو گرد و پیش سے لائے جاتے تھے۔ اور دوپہر کے بعد وہ اردگرد کسی گاؤں کا دَورہ کر کے مسیحیوں۔ مسلمانوں۔ ہندوؤں اور تتر بتر شدہ رومن کیتھلکوں کو پیغام خدا دیتے تھے۔

چونکہ انہیں متواتر غیر مذاہب سے پالا پڑا اور مشکلات پیش آتی رہیں۔ اس لئے انہیں قربت الٰہی کا اور بھی گہرا احساس ہوتا گیا۔ نیز اپنے ساتھی خدمت گذاروں کی ہفتہ وار مجلس جاری کر کے رفاقت اور شراکت کو تقویت بخشی۔ دوران مجلس میں ان کا مقصد تبلیغی و رسمی مشکلات کا حل و تدارک کرنا تھا۔ اس لئے اس ہفتہ وار مجلس کا اثر ان کی زندگی میں ایسا

گیا تھا کہ جب دورہ میں بھی ہوتے تو دونوں ساتھی اکٹھے بیٹھ کر اپنی ہفتہ وار مجلس کر لیتے تھے۔ خدمت میں دل چسپی کی وجہ سے اِن کی شہرت دِن بدن بڑھتی گئی۔ یورپین و ہندوستانی کلیسائیں انہیں روحانی تازگی کے لئے دعوت پر دعوت دینے لگیں۔ اسی صورت میں انہوں نے پانڈیچری اور لنکا تک کا دورہ کیا۔ لیکن اپنے مرکز پر ہمیشہ زیادہ توجہ دیتے رہے۔ انہوں نے مزید نئے مدرسے اور یتیم خانے قائم کئے۔ کارگذاروں کی تربیت کر کے انہیں مختلف گاؤں میں بشارتی خدمت کے لئے متعیّن کر دیا۔ اِن کی قدر کا یہ عالم تھا کہ ہندو مسلمان جوق در جوق اِن کی ملاقات کو آتے رہتے تھے۔ لیکن یہ ہر ملاقاتی سے برملا کہتے تھے۔ کہ بُت پرستی اور دیگر رسُومات قبیح دُرست و جائز نہیں تو بھی کوئی بُرا نہ مانتا تھا۔ کیونکہ یہ صاف گوئی و دلیرانہ طور پر گواہی دیتے تھے۔

ترچناپلی
۱۷۶۶ — ۷۸

یہ شہر سلطان محمد علی کا جنوبی رہائشی مرکز تھا۔ اور چونکہ سلطان کے انگریزوں سے دوستانہ تعلقات تھے اس لئے یہ شہر انگریزی اثر سے دور نہ تھا۔ انگریزی فوج کا ایک دستہ یہاں مقیم تھا تاکہ وقت ضرورت کام آ سکے لیکن شوارٹز کے دل میں اس شہر کی سیاسی اہمیت جاذب توجہ نہ تھی بلکہ مذہبی کیونکہ یہ شہر ہندوانہ تعلیم و کارروائیوں کا مرکز تھا اس لئے انہوں نے اس کو اپنا مرکز بنا لیا۔ جس میں میجر پرسٹن

وکرنل وُڈ نے بہت شوق لیا اور ہر خدمت و مدد دینے کا وعدہ کیا۔ جب انگریزی فوج کو مدورا کا محاصرہ کرنے کے لئے جانا پڑا تو کرنل اس کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ یہ زخمیوں کو تسلی دیں اور مُردوں کا جنازہ پڑھیں سو ان کے تعلقات دن بدن زیادہ گہرے ہوتے گئے اس لئے ۱۷۶۶ء میں ترچناپلی کو انہوں نے اپنی مستقل رہائش گاہ بنا لیا۔ انہیں ایام میں فوجی حکام نے ایس۔ پی۔ سی۔ کے سرکاری پادری کی درخواست کرتے ہوئے سوارٹز ہی کی خدمات کی سفارش کی اس لئے ایس۔ پی۔ سی۔ کے سنے ٹرانکوبار مشن کی منظوری سے انہیں اپنا سرکاری پادری بنا کر ترچناپلی میں متعین کر دیا سو اب سے ان کا تعلق گورنمنٹ عالیہ سے برائے راست ہو گیا۔ اگرچہ یہ ہر روز افواج کی ملاقات کو جاتے تھے اور ان کی روحانی ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے تو بھی بیرونی مسیحیوں سے بے خبر نہ تھے۔ مدراس میں سرکاری پادری نہ ہونے کی وجہ سے سرکارِ انگلشیہ کے کارگذار مذہبی معاملات میں سست تھے۔ وہ اخلاقاً پس ماندہ تھے۔ انہیں زیادہ ہوس عیش و عشرت اور روپیہ جمع کرنے کی تھی وہ کلام ربانی کی طرف توجہ نہ دیتے تھے۔ اس لئے مدراس پہنچکر وعظ میں یوں اشارتاً انہیں سمجھایا کہ ایک دن کا واقع ہے کہ ایک ہندو اپنے ساتھ ایک رقاصہ کو لئے جا رہا تھا۔ میں نے انہیں ٹھہرا کر یوں کہا کہ کوئی ناپاک شخص خدا کی بادشاہت میں

داخل نہ ہوگا۔ لیکن رفاصہ نے سنتے ہی جواب دیا۔ افسوس صاحب۔ اس صورت میں شائد ہی کوئی یورپین داخل ہو۔ یہ یورپین افراد کی زندگیوں پر تحقیقی نقطہ چینی تھی۔ مزید برآں سلطان محمد علی نے بھی ایک دفعہ یوں طنزاً کہا کہ پادری صاحب ہم تو یورپینوں کو ہمیشہ بے دین ہی خیال کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں نماز پڑھنے کا کبھی تو پتہ نہیں لیکن جب سے آپ ہمارے درمیان آئے ہیں ہمیں یہ معلوم کرکے کہ ترچنا پلی میں سرکاری افسران کی اجازت سے سپاہیوں میں دعائیہ جلسے کئے جاتے اور انہیں وعظ سنائے جاتے ہیں بیحد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ سوارٹز سرکاری پادری ہونے کی حیثیت میں سرکار سے ایک سو روپیہ ماہانہ پاتا تھا۔ لیکن وہ اسے تبلیغی مساعی میں خرچ کر دیتا تھا۔ اس کا شیوا تھا کہ جیسے وہ سرکاری اعلےٰ افسران کے بنگلوں پر ملاقات کو جاتا۔ ویسے ہی وہ غریب آدمیوں کی جھونپڑیوں میں محبت و صلح کا پیغام لے کر جاتا رہا اور ہر کس و ناکس کو محبت کی ڈوریوں سے کھینچتا رہا۔

تنجور ۱۷۷۸ء	اس وقت یہ اپنی عمر کے باون (۵۲) برس میں تھے کہ سرکاری پادری کے علاوہ سفیر سرکار ہونے کی خدمت بھی ان کے سپرد ہوئی۔

۱۷۶۹ء میں انہوں نے تنجور شہر کا دورہ کیا تھا۔ اور مسیحی جماعت کا ملاحظہ کرنے کے بعد راجہ تلجاجی سے دوستانہ تعلقات

قائم کر لئے تھے۔ راجہ تلکجا جی نہائت مدبر شخص تھا۔ لیکن اپنے زمانہ کے عیوب دعیاشی سے مبرا نہ تھا۔ تو بھی مذہبی ونسلی امتیاز سے پاک تھا۔ جب راجہ کو مشہور مبلغ سوارٹز کا علم ہوا تو اس نے فوراً اپنے محل میں بلا کر مشنوں کے طریق واصول پر بحث کی لیکن راجہ کو مختلف مشنیں اور اصول مختلف معلوم کر کے بہت حیرانی ہوئی سو راجہ جی نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے۔ کہ بعض یورپین لوگ تو خدا کی پرستش بتوں سے کرتے ہیں۔ اور بعض نہیں کرتے؟ سوارٹز نے جواب دیا کہ کتاب مقدس میں بت پوجا منع ہے۔ لیکن چونکہ خدا کے کلام کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے عوام بت پرستی و توہم پرستی کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ راجہ جی نے پھر سوال کیا کہ انسان خدا کو کیسے جان سکتا ہے؟ سوارٹز نے بالترتیب قدرت۔ مسیح خداوند اور پاک کلام کو بطور شہادت ربانی پیش کیا۔ اور واضح کیا کہ بت پرستی سے خدا کے مقدس نام کی توہین ہوتی ہے۔ راجہ نے یہ معلوم کر کے کہ پادری صاحب درست فرما رہے ہیں یوں کہا۔ دیکھو، پادری صاحب۔ یہ یاد رکھیں کہ آپ میرے بھی پادری ہیں۔ یعنی آپ راجہ کے پادری ہیں۔ سوارٹز نے کچھ دن یہاں قیام کیا لیکن برہمنوں کی مخالفت نے اسے ٹکنے نہ دیا۔ تو بھی وہ شہر کا دورہ کرتے۔ مسیحیوں کو دیکھنے اور راجہ کے کئی بار مہمان ہوتے رہے اور ایک چھوٹا سا گرجہ بنا کر اپنی گواہی کو تنجور میں قائم کر دیا۔

دریں ایام سیاسی معاملات میں کچھ پیچیدگیاں رونما ہوئیں راجہ تلجاجی مدراس کی سرکارِ انگلشیہ اور نواب صاحب آراکاٹ سے متنفّر تھا۔ جب نواب آراکاٹ کو معلوم ہوا تو اُس نے انگریزوں کی مدد سے تنجور کا محاصرہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ اور تلجاجی کو سرکار انگلشیہ کے حکم سے بے دخل کر دیا اور خود نواب اس جگہ کا حاکم ہو گیا۔ راجہ نے سوارٹز سے عرض کی کہ وہ اس معاملہ کو سلجھائے لیکن یہ سوارٹز کے بس کا کام نہ تھا تو بھی جب اس اہم واقعہ کی خبر انگلستان پہنچی تو منتظمہ کمیٹی نے اس حرکت کو ناجائز سمجھتے ہوئے تلجاجی کی بحالی کا حکم صادر کیا اور ۱۷۷۶ء میں راجہ دوبارہ گدی نشین کیا گیا۔ سو سوارٹز نے بھی ۱۷۷۸ء میں اس شہر کو مشن مرکز ہی بنا لیا۔ اور بشارت میں توسیع کی۔ ۱۷۷۹ء میں گورنر مدراس سر تھامس رمبولڈ نے انہیں مدراس بلایا تاکہ یہ سرکاری سفیر ہو کر نواب حیدر علی حاکم میسور کے پاس سیرانپگٹم جائیں اور اُس سے دوستانہ تعلقات قائم کریں۔ نواب حیدر علی کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا۔ انگریزی سلطنت کو اُس سے خطرہ تھا۔ اور حیدر علی کسی انگریز پر بھروسہ بھی نہ کرتا تھا۔ لیکن سفارت کے لئے حیدر علی نے پیغام بھیجا کہ کرسچن کو میرے پاس بھیج دو۔ وہ مجھے دھوکا نہ دے گا؟ سوارٹز اس خدمت سے پس و پیش کرنے لگا لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ دو سلطنتوں میں صلح قائم کرنا ہی بہتر ہے تو بخوشی سفارت پہ چل دیئے۔ نواب حیدر علی

نے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ جب سوارٹز نے انگریزوں کی طرف سے صلح جوئی کا ہاتھ بڑھایا تو نواب صاحب نے کہا بہت اچھا۔ بہت بہتر۔ میں آپ کے خیال سے متفق ہوں اگر وہ میرے ساتھ صلح و اتحاد کے جویاں ہیں تو میں اپنا ہاتھ پیچھے نہ کھینچوں گا۔ لیکن بشرطیکہ .... وہ غیر موزوں طور پر رُکا۔ اور مزید گفتگو بند کر دی کیونکہ دوستی تو اُس کے منہ پر تھی لیکن دِل میں جنگ بھری تھی۔ سوارٹز نے واپس مدراس سب حقیقتِ حال کہہ سُنائی اور چونکہ صلح ناممکن تھی تنجور پہنچتے ہی ۱۲۰۰۰ چاولوں کی بوریاں اکٹھی کر لیں۔ حیدر علی نے بھی دوسرے ہی سال .... آدمیوں کے ہمراہ مدراس اور تنجور پر حملہ کر دیا۔ لیکن اِن اوقاتِ جنگ میں صرف سوارٹز کو ہی اِدھر اُدھر گھومنے کی اجازت تھی۔ حیدر علی نے اپنی فوج کے ہر فرد کو کہہ دیا تھا کہ معزز پادری سوارٹز کو بلا خوف آنے دو۔ اُس سے عزت اور حلیمی سے پیش آؤ۔ کیونکہ وہ میرا مقدس بزرگ ہے اور اُس سے میری سلطنت کو کوئی خطرہ نہیں یہ جنگ حیدر علی کی موت کے بعد اُس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے جاری رکھی اور ۱۷۸۴ء میں ختم ہوئی۔ لیکن اِس لڑائی کا اثر راجہ تلجاجی پر بہت ہُوا کیونکہ اُس نے دورانِ جنگ میں اپنے بے رحم برہمن دیوان بابا کے اثر سے متاثر ہو کر تشدد آمیز حرکات کرنی شروع کر دی تھیں لہٰذا عوام سرکارِ انگلشیہ سے ملتجی ہُوئے اور سرکارِ مدراس نے دیوان کو برطرف کر دیا۔ اور

ظلم وتشدد کی دیکھ بھال کے لئے معائنہ کمیٹی مقرر کی جس میں ریزیڈنٹ کی سفارش سے سوارٹز کو بھی شامل کر لیا گیا۔ گورنر سر آرچیبالڈ کیمبل کو ریزیڈنٹ نے لکھا کہ سوارٹز کی شمولیت ملک۔ کمپنی اور راجہ جی کے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ اگر ممکن ہو تو انہیں اختیار بخشا جائے۔ گورنر نے جواب دیا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔ میں اُس کی قابلیت کی وجہ سے اجازت دیتا ہُوں کہ اُسے بلا توقف کمیٹی میں شامل کر لیا جائے سو کئی سالوں تک یہ تنجور میں حکومت کرتے رہے لیکن مسیحی زاویہ نگاہ کو کبھی فراموش نہ کیا۔

۱۷۸۷ء میں جب راجہ تلجاجی بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے سوارٹز کو بلا کر اپنے متبنیٰ بیٹے عمر ۱۰ سال بنام سرفوجی کو ان کی حفاظت وتربیت کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ کہ سرفوجی اب میرا بیٹا نہیں آپ کا بیٹا ہے۔ اور دوسرے دن پھر بلا کر اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور کہا کہ میں آپ کو اس کا سرپرست بناتا ہُوں۔ ہندو راجہ کا اس ذمہ داری کو سونپنا عجیب بات تھی۔ سوارٹز نے ذمہ داری سے گریز کرتے ہوئے سرفوجی کے چچا امر سنگھ کی سرپرستی کی تائید وتصدیق کی کیونکہ وہ بچپن ہی سے انتظام سلطنت میں حصّہ لیتا رہا تھا۔ امر سنگھ کے دل میں جو ہوس پیدا ہوئی تو اُس نے خود مختار ہونے کی ٹھان لی۔ اس لئے اُس نے بے بنیاد شہادتیں قائم کر کے سرکار انگلشیہ مدراس پر اپنے حق

کی صحت کی تصدیق کرنی شروع کی اور سرفوجی پر ظلم و تشدد کرنا شروع کیا۔ سوارٹز اس امر کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے تمام حالات سے مطلع کرتے ہوئے سرفوجی کو مدراس پہنچا دیا۔ جہاں وہ مشنری صاحبان کے زیر اثر تربیت پاتا رہا اور سوارٹز نے بھی اپنا پیام نامہ جاری رکھا۔ اسلئے سرفوجی مسیحیت سے بہت ہی متاثر ہوا لیکن چونکہ راجہ تلجاجی نے اُسے مسیحی بنانے کی کوئی ہدایت نہ دی تھی۔ اس لئے ایسا قدم اٹھانے سے گریز کیا گیا۔ امر سنگھ کے دور میں سوارٹز تنجور میں رہا۔ اور مدراس گورنمنٹ نے اس کا قیام وہاں ضروری سمجھا۔ اور آخراً اِسے دو سال تک عارضی حاکم علاقہ بھی بنا دیا۔ اس دوران میں اس نے قوانین میں اصلاحیں کیں محاصلات کو بہترین طریق پر منظم کیا۔ مسیحی خدمت میں بھی بہت شوق ظاہر کیا۔ اس وقت ... ۳۰ افراد مسیحی ہوئے۔ اور بشارتی بہترین عملہ کا قیام مادورا۔ رامند اور ٹینو لی میں کیا اور آخراً خود بھی ۱۷۷۱ء میں ٹینو لی پہنچ گئے۔ اور وہاں سے ۱۷۷۸ء میں پامکوٹا کا معائنہ کیا۔ پامکوٹا میں تنجور اور ترچناپلی کے مسیحی فوج میں بھرتی تھے۔ جنہیں دیکھ کر اِسے بے حد خوشی ہوئی اور ترچناپلی کی برہمن بیوہ کلارندہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور اُسے بپتسمہ دیا اور ایک چھوٹا سا عبادت خانہ بھی تعمیر کروا دیا ۱۷۸۵ء میں اپنا بہترین کارگذار ستیا نندھن بھیجا کہ وہ یہاں بشارت کا کام انجام دے اور کیوں بہ بشارت و خدمت کو

مستحکم کرتے رہے ۱۷۹۳ء میں جب ایسٹ انڈیا چارٹر کی تجدید کا مسئلہ پیش ہوا۔ ولبر فورس نے بشارت ہند پر زور دیا تو مانٹگمری کیمبل نے جو سر ارچیبالڈ گورنر مدراس کا سیکرٹری تھا۔ مخالفت میں پیش کیا کہ ہندوستانیوں کو مسیحی بنانا خطرناک ہے۔ کیونکہ وہ کسی صورت میں مسیحی نہیں ہونے سوارٹز کے اپنے ہی مسیحیوں نے جن پر اُن کو بہت ناز تھا۔ انہیں دھوکا دیا۔ اور لوٹ لیا تھا۔ لیکن سوارٹز کو جب اس جعلی رپورٹ کا علم ہوا تو اس نے ایس۔ پی۔ سی۔ کے، کی معرفت ایک طویل معذرت نامہ پیش کر کے اطلاع کی بے ثباتی کو طشت از بام کر دیا۔ ان کی زندگیوں میں گو تنزل کا نام تک نہ تھا۔ تو بھی مسیحیت کو نہ بھولے۔ ۵۰ سال تک متواتر ایک دفعہ بھی اپنے وطن کو جائے بغیر ہند میں تبلیغ کرتے رہے اور آخر ۱۳ فروری ۱۷۹۸ء کو انتقال فرما گئے اور تنجور میں ان کے سنگ مزار پر یوں مرقوم ہے۔

"تو حلیم و عقلمند تھا۔ تو صابر۔ خلوص دل اور بے ریا تھا۔ تو یتیموں۔ بیواؤں اور کمزوروں کا باپ تھا۔ تو شمع ہدائت اور راہ نمائے صداقت تھا۔ تو شہزادوں۔ عوام اور میرے لئے برکت کا باعث تھا۔ اے میرے باپ کیا میں تیرے لائق ہو سکتا ہوں"۔ سرفوجی یہی دعا مانگتا ہے۔

محمد ۱۷۴۰ ۴۱ صفحہ کیساتھ ملاحظہ کریں

اپنے مقبوضات کی پڑی تھی۔ کیونکہ سلطنت مغلیہ متزلزل ہو رہی تھی اور مرہٹہ سلطنت عروج پر آ رہی تھی۔ تجدید و اصلاح کا مسئلہ اُن کے درپیش نہ تھا۔ وہ ملک گیری کے ولولہ کی رفتار کو تیز کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے انہیں مشن کے جھمیلے میں پڑنے کی فرصت نہ ملتی تھی تو بھی برطانیہ میں خدا نے ایک شخص چارلس سمٹین کو پکڑ کر اُس کو ہندوستان کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا وہ کیمبرج میں نیلو آف کنگنز کالج تھا۔ اور ہولی ٹرنٹی چرچ کا پاسبان۔ خدا نے جرأت و حوصلہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اُسے کوئی امر ہندوستان میں تبلیغ عامہ سے روک نہ سکتا تھا۔ اُس کی تقاریر نے کیمبرج دارالعلوم کے طلباء میں بشارتی جوش پیدا کر دیا اور طلباء نے دَر پردہ سرکاری پادری کے لئے اپنے آپ کو ہندوستان میں تبلیغ کے لئے پیش کر دیا۔ ہنری مارٹن اُس کی دُعا و تخیلات کا لازمی ثمر تھا۔ ڈیوڈ براؤن نے ہندوستان سے اُسے تحریر کیا کہ چونکہ تبلیغی مشن ہر وقت آپ کے دِل میں ہے اور آپ میں تبلیغ کو توسیع دینے کا جذبہ و جوش بھی ہے۔ اِس لئے ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ ہماری بشارتی مشن کے ناظم ہونے کی حیثیت میں ہمارے گھر پر کام کریں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ اِس تجویز کو قبول فرمائیں گے۔ اور جلد ہی خط و کتابت جاری کر دیں گے۔ چارلس سمٹین نے نظامتِ مشن کو سنبھالا۔ اور لائق بشارتی اشخاص کو دَرپردہ

سرکاری پادری پیش کردیا۔ جن میں سے ڈیوڈ براؤن کلاڈیس بوقینن۔ ہنری مارٹن۔ ڈانیل گورے اور ٹی۔ ٹی ٹماسن قابل ذکر ہیں۔

ڈیوڈ براؤن

انہوں نے کلکتہ شہر میں ۱۷۸۶ء تا ۱۸۱۲ء خداوند یسوع مسیح کی خدمت کی۔ یہ یارک شائر کے ایک کسان کے فرزند تھے۔ اور ہل گرائمر سکول اور مگدلینی کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ کیمبرج میں چارلس سمیتن نے ہندوستان میں تبلیغی خدمت کی ضرورت کو ان کے سامنے پیش کیا۔ لیکن بافکر شخص نے بہت پس و پیش کے بعد قبول کر لیا۔ اور شادی بھی کر لی کیونکہ بلا شادی شدہ سرکاری پادری بننا مشکل تھا۔ یہ دونوں میاں بیوی بخوشی جہاز پر سوار ہو کر کلکتہ پہنچ گئے۔ اور ہندوستان کے قدیم مشنری بزرگ کرنیدار سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ وہ اپنی عمر کے ۷۶ برس میں تھے اور ۴۷ سال ہندوستان میں بشارت دے چکے تھے۔ افسوس کہ وہ اس وقت اندھے ہو چکے تھے اور تلخ جان۔ کیونکہ کلکتہ شہر کے حاکم اعلیٰ نے اُس گرجہ کو مقفل کر دیا تھا۔ جو مسز کرنیدار کی ذاتی ملکیت تھی۔ اس لئے ڈیوڈ براؤن نے اس معاملہ کو سمجھتے ہوئے گرجے کا استعمال کیا جانا ہی بہتر سمجھا۔ سو چارلس گرانٹ نے جو بعدہٗ ڈائرکٹر ایسٹ انڈیا کمپنی ہوئے۔ انہوں نے اس گرجہ، مدرسہ اور قبرستان کو ۱۰,۰۰۰ روپے میں خرید لیا۔

لہذا اس قدیم گرجہ میں ڈیوڈ براؤن ۲۵ سال متواتر بشارت دیتے رہے۔

ڈیوڈ براؤن کی جرأت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ باوجودیکہ وہ فوجی سرکاری پادری تھے تو بھی اُنہوں نے فوجی یتیم خانہ کے ساتھ ہی جوان ہندو طلباء کے لئے بورڈنگ سکول جاری کیا اور اُس کا بوجھ خود اپنے ہی کندھوں پر اٹھایا۔ مقدّس یوحنا کے نئے گرجہ کی تکمیل و تقدیس میں اِنہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ اور دونوں گرجوں میں خود درس دیتے تھے۔ لیکن قدیم گرجہ سے انہیں زیادہ محبت تھی۔ اِن کی خدمات اتنی جاذبِ طبیعت اور دلکش تھیں کہ گورنر وَلزلی بمعہ اپنے بھائی آرتھر کے جو بعدہٗ ڈیوک ویلنگٹن بن گئے نہائت شوق سے درس و تدریس سننے آتے تھے گرجہ کی تعدادِ حاضرین میں یہاں تک اضافہ ہوا کہ گرجہ کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا اس قدیم گرجہ کو ڈیوڈ براؤن نے وسیع کر کے مسیحیت کی جڑیں سرزمین ہند میں پیوست کر دیں۔ ہند میں بشارتِ عالمگیری کے جذبہ کو اِس نے بہت ہوادی اور خود اِس کام کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مسٹر گرانٹ اور یوڈنی سے مل کر چرچ مشن کے کام کی نسبت مشورہ کیا۔ اور ایک عملی تجویز کی صورت میں جان نیوٹن۔ چارلس سمٹسن۔ ولیم ولبر فورس۔ آرچ بشپ و دیگر بزرگ ہستیوں کو لکھا۔ سو ہم حق بجانب ہوں گے

اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں پادری ڈیوڈ براؤن چرچ مشن کے بانی تھے۔ اور کلکتہ کا قدیم گرجہ سی۔ ایم۔ ایس۔ اِن کی جائے پیدائش تھا۔

۱۸۰۰ء میں بہ زیر سرپرستی گورنر جنرل وَلزلی فورٹ ولیم کالج تعمیر ہُوا۔ تاکہ برطانوی اشخاص کو جو ہند میں خدمت کرنا چاہتے ہیں تعلیم دی جائے کیونکہ یہ نہایت ضروری تھا۔ کہ حکام ملک ملکی دستور۔ زبان اور لوگوں کے تمدن و معاشر سے واقف ہوں۔ ڈیوڈ براؤن اپنے حسنِ قابلیت کی وجہ سے اِس کالج کے ناظمِ اعلےٰ مقرر ہوئے اور اپنے کالج میں مشہور بپٹسٹ پادری ولیم کیری کو پروفیسر سنسکرت کی آسامی پر ممتاز کیا۔ ناظم و پروفیسر دونوں کا مقصد دورانِ تعلیم میں رُوحوں کا خداوند مسیح کے لئے جیتنا تھا۔ یہ اِس بات کے شائق تھے کہ طلبا میں بہتر اخلاق و سنجیدگی پیدا ہو۔ مسیحیت کی عظمت۔ عبُودیت اور اُلوہیت کو ہر روز اُن کے سامنے پیش کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بلا ناغہ عبادت اور عِشاء میں شریک ہونے لگے۔

۱۸۰۳ء میں انہوں نے سیرام پُور کی حدود میں کلکتہ سے دس گیارہ میل کے فاصلہ پر امیلڈین ہوس اپنی رہائش کے لئے خرید کیا۔ اور زندگی کے آخری ایام اُسی میں بسر کرنے کی ٹھان لی۔ گو اب کمزور ہو چکے تھے اور ۹ بچّوں کی پرورش کا ذمہ اِن کے سر پر گراں تھا۔ تو بھی مشرقی

Scanned with CamScanner

طریق پر وہ مہمانوازی فیاضی سے کرتے رہے۔ مشنریوں و مبلغوں کے لئے اُن کا گھر کھلا رہتا تھا۔ ان کی تبلیغی مساعی کی یاد ہند میں تازہ رہے گی۔ کیونکہ یہ خود تبلیغ میں خدا کی عنایات کا شکر کرتے ہوئے ۱۴ ؍ جون ۱۸۱۲ء میں ملک بقا کو سدھار گئے۔ کلکتہ کے قدیم گرجہ میں ان کے سنگ یادگاری پر یوں مرقوم ہے۔ "اس گرجہ میں پچیس برس پادری ڈیوڈ براؤن نے غریبوں میں انجیل کی بشارت دی"۔

کلاڈیوس بوقینن

کلاڈیوس سکاٹ لینڈ کے متوسط درجہ خاندان کا ہوشیار اور محنتی لڑکا تھا۔ اپنی قابلیت سے ہی ایک دولت مند لڑکے کا اتالیق بن گیا۔ اُس کے دل میں جو تبر رنگ خیالی بھری تھی اُس سے یورپ کی سیر و سیاحت اور وائلن بجانے و موسیقی میں محو رہنے کو زیادہ پسند کرتے ہوئے آوارہ گردی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن اس وجہ سے کہ یہ طرز زندگی میرے والدین کو شاق گذرے گی اُس نے بذریعۂ خط اُن پر آشکارا کیا کہ وہ اپنے جوان دولت مند طالب علم کے ہمراہ ملک کی سیر کر رہا ہے۔ یہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں شمانت نہ تھا۔ گھر سے مایوسی کی حالت میں پاپیادہ سوتھ شیلڈ پہنچا اور جہاز پر سوار ہو کر لندن پہنچ گیا۔ لندن شہر میں اُس کی غربت و مصیبت کا ازالہ نہ ہوا۔ کئی دن اُسے بھوکا ہی سونا پڑتا

تھا لیکن تکبر اس کے سر کو نیچے نہ ہونے دیتا تھا۔ اور واپس گھر لوٹنے کا خیال اس میں پیدا نہ ہونے دیتا تھا۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں جب اس کو اپنے عزیز والد کے انتقال کی خبر پہنچی تو اپنی والدہ کو تسلی کا خط یہ ظاہر کرتے ہوئے لکھا جیسا کہ وہ فلورنس سے لکھ رہا ہے۔ اس جھوٹ و افتراء کی تاریک دلدل اور عالم بے بسی میں خدا کی روح نے کام کرنا شروع کیا۔ اس کی خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھی اور تائب دل سے اپنی ماں کو اپنے تمام حال زار و دھوکا دہی سے آگاہ کیا اور کہا کہ وہ لندن سے کبھی باہر نہیں گیا۔ اس کی والدہ پادری جان نیوٹن کی زندگی اور تبدیلیٔ دل سے واقف تھی۔ کیونکہ وہ غلاموں کی تجارت میں ظلم پسندی اور بے رحمی کی زندگی بسر کر چکا تھا لیکن اب انگلستان میں توبہ کے مناد کی حیثیت میں مشہور تھا۔ ان کے گیت آج تک گائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس توبہ کے مناد کی طرف اس کی والدہ نے راہنمائی کی اور کہا کہ تم اپنا تعلق لندن میں آس سے قائم کرو۔ سو یہ جوان نیوٹن کے زیر اثر روحانی منازل میں ترقی کرتا گیا اور تعلیمی کمی کو پورا کرنے کے لئے مسٹر تھارٹن نے کیمرج میں پوری مدد دی اور ادبیات و ریاضی میں کامیاب ہو گیا۔ کیمرج سے تعلیمی رخصت کے بعد انہوں نے ہندوستان میں سرکاری پادری ہونا قبول کیا اس لئے ۱۰ مارچ ۱۷۹۶ء

میں کلکتہ پہنچ کر کچھ عرصہ ڈیوڈ براؤن کے ساتھ امیلڈین گھر میں ٹھہرنے کے بعد بیرکپور میں جو فوجی مرکز تھا متعین ہوئے۔ بیرکپور میں کوئی عبادت خانہ نہ تھا۔ اور نہ لوگوں کو عبادت میں دلچسپی تھی نیز عبادت کے لئے جلسہ بھی آفیسر کمانڈنگ کے حکم کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ ان وجوہات کے باعث یہ خود ہی سُست اور مایوس ہو گئے اور ان کے دل میں یہ خیالات موجزن ہوئے کہ اگر میں ہندوستان نہ آتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ڈیوڈ براؤن کی کمزوریٔ صحت نے ان کی مایوس حالت میں تبدیلی پیدا کر دی انہیں اُس کا معاون بنایا گیا۔ اور تمام کلیسیائی امور میں خدمت کرنے کا موقع مل گیا اور نائب ناظم فورٹ ولیم کالج بھی مقرر ہو گئے۔ دن بدن محنت سے ان کی قابلیت ظاہر ہوتی گئی اور مقبول عام و مذہبی شخص بن گئے۔ ان کی عزت کا یہ عالم تھا کہ جب کلکتہ کے بشپ کے چناؤ کی گفتگو زیر بحث ہوئی تو ان کا نام بھی اُس فہرست میں تھا لیکن بڑھاپا ان کے بشپ ہونے میں مانع ہوا۔ ان کی تحریر نہایت مؤثر و دلگداز تھی۔ ان کی ہندوستان کے بارے میں تبلیغ کی اشد ضرورت پر ایک ہی کھلی چھٹی نے جو انہوں نے کنٹربری کے آرچ بشپ کے نام لکھی تھی انگلستان میں ہزاروں مسیحیوں کی توجہ کو کھینچ لیا اور ہند میں ۱۲ برس کی تبلیغی محنت کے بعد عالم بقاء کو چلے گئے۔

۷ ہنری مارٹن	ہنری مارٹن ٹرورو کارنوال میں

Scanned with CamScanner

۱۸ فروری ۱۷۸۱ء کو پیدا ہوا۔ اِن کے والد تجارتی کمپنی میں بابو کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ لیکن خدا نے اِسے خداداد ہی اور ذہانت بخشی تھی اِس لئے وہ نہایت با فہم و دُور اندیش شخص تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے ہنری مارٹن کی اِبتدائی تعلیم کے لئے اپنے گاؤں کے مدرسے ٹرُورو میں داخل کر دیا۔ لیکن ۱۶ برس کے بعد اعلےٰ تعلیم کے حصُول کے لئے سینٹ جان کالج کیمرج میں رہا۔ ہنری مارٹن نے ادبیات میں نمایاں ترقی کی۔ علم ریاضی میں اول اِنعام پایا۔ اور یونیورسٹی میں درجہ اول میں کامیاب ہُوا۔ ۱۸۰۰ء میں جب اِن کو اپنے والد کی وفات کی خبر پہنچی تو اس کے ادبی تخیلات میں تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ اور انہوں نے محسُوس کیا کہ انہوں نے ادبیات میں صِرف سایہ کی گرفت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۱۸۰۲ء میں قابلیت کی وجہ سے فیلو دارالعلوم کیمرج بنا دیئے گئے لاطینی زبان میں مضمُون نگاری کا اوّل اِنعام حاصِل کیا اور ۱۸۰۳ء میں ادبیات و ۱۸۰۴ء میں فلسفے کے ممتحن مقرر ہوئے لیکن اِن کو چارلس سمئین کے زیرِ اثر یہ یقین ہو گیا کہ مقصد خداوندی اور حقیقت اعلیٰ کچھ اور ہی ہے۔ سو انہوں نے اپنے تبلیغی مشن میں پیش کر دیا۔ ۳۱ راگست ۱۸۰۵ء کو جہاز یُونین پر سوار ہو کر ہند کو چل دیئے لیکن جب انہوں نے انگلستان چھوڑا تو اِن کے دل میں انتہائی غم بھی تھا۔ اپنے وطن مولُوف پر حسرت بھری نگاہ ڈالی کیونکہ

قُدرت کو ایسا ہی منظور تھا کہ یہ کبھی انگلستان واپس نہ لوٹیں گے۔ اُنہوں نے زندگی کے تھوڑے ہی عرصہ میں فرانسس زیویر سے بڑے کام کئے کیونکہ اِنہوں نے علم اور الٰہیات دونوں کو یکجا اِستعمال کیا۔

روانگی کے بعد اِن کا جہاز ریو جانیرو پر ٹھہرا اور وہاں افواج کو انجیل کا پیغام سُنایا۔ کیپ ٹاؤن دوسری جائے منزل تھی۔ وہاں افواج اُتار دی گئیں۔ تاکہ وہ ڈچ لوگوں سے پیکارِ جنگ ہوں لیکن ہنری نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ قبل ازیں کہ آپ میدانِ جنگ میں داخل ہوں یہ وقت ہے کہ آپ اپنے مذاہب کے بارے میں فیصلہ کریں۔ مجھے اُن عورتوں کے لئے بھی افسوس ہوگا۔ جن کے خاوند اب جنگ میں شریک ہونے کو ہیں۔ اور دورانِ نصیحت بداعمال کی سزا و نارِ جہنم اور غضبِ خُدا کا بہت ذِکر کیا کیونکہ وہ کالوانی خیالات کا تھا۔ جہاز کیپ ٹاؤن سے ہوتا ہوا ۱۶ / مئی ۱۸۰۶ء کو ہندوستان میں دریائے ہُگلی کے دہانہ پر پہنچ گیا۔ لیکن اتفاقاً اِس کے ریتیلے کنارے سے ٹکرایا۔ خدشہ یہ تھا کہ جہاز آن کی آن میں غرق ہو جاتا تو کلیسیائے ہند ایک نوجوان عالم سے محروم ہو جاتی۔ خُدا خُدا کر کے جہاز سیدھے راستہ پر آیا اور کلکتہ پہنچ گیا۔ لیکن جب کلکتہ پہنچے تو سرکاری پادری ڈیوڈ براؤن قسمن دونوں گھر پر موجود نہ تھے۔ اِنہیں ڈاکٹر ولیم

Scanned with CamScanner

کیری کے ہاں ٹھہرنا پڑا اور اپنے روزنامچہ میں یُوں لکھا:۔
ولیم کیری کے ہاں میں نے ناشتہ کھایا اور عبادت میں شریک ہُوا۔ خدمت گذاروں کے لئے عبادت بنگالی میں ہُوئی لیکن وہ لوگ چُپ سادھے اور غیر متحرک بیٹھے رہے بعدہ میں نے سیرام پور جانے کے لئے کشتی کا انتظام کیا ہی تھا کہ ڈیوڈ براؤن کا پیغام نامہ موصُول ہوا۔ جس کو لیتے ہی میں اُن کے گھر چلا گیا۔ اور باقی وقت وہاں علیحدگی و آرام سے بسر کیا۔ میں نے تخلیہ میں دُعا و خُدا کے زندگی بخش کلام سے بہت لطف اُٹھایا ازاں بعد مسٹر ڈیوڈ براؤن کے منشی بی۔ رائے میرے کمرے میں داخل ہوئے اور دو گھنٹے متواتر انجیل پر بحث کرتے رہے۔

۷ار مئی:۔ مجھے اپنا مُستقبل یُوں نظر آتا ہے کہ مسٹر براؤن و بوقنین مجھے قدیم گرجہ کا پاسبان بنانا چاہتے ہیں۔ خیر میرے پاس اِس رائے کی ناپسندی پر کافی دلائل ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں کہ اگر مجھے غیر مذاہب افراد کے پاس بطور مِشنری جانے سے منع کیا گیا تو میرا دل ٹُوٹ جائے گا۔ میں تاہنوز مٹّی کے ڈھیلے کی مثل بے مقصد ہی رہا ہُوں۔ سو اب مجھے خدا کے لئے جلنے دو!

۱۸ر مئی:۔ زکام و خرابی صحت سے میں اتنا کمزور ہُوں کہ مسٹر براؤن کا خیال ہے کہ میں گرجہ میں درس نہ دُوں لیکن تو بھی میں صبح ۱۰ بجے اُن کے ساتھ عبادت گاہ میں

گیا۔ مسٹر جعفر نے عہدِ عتیق سے پہلا درد اور مسٹر لمبرگ نے عہد جدید سے دوسرا ورد پڑھا۔ مسٹر براؤن نے درس دیا۔ ۵ بجے شام ہم قدیم گرجہ میں گئے جہاں میں نے ترتیبِ نماز پڑھی اور مسٹر براؤن نے "دیکھو خدا کا برّہ" پر درس دیا۔ میں عبادت گاہ میں حاضرین کی تعداد۔ توجہ اور عملی زندگی سے حیران ہوں۔ میں یہ تسلی سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر انگلستان کے جوان پاسبانوں کو یہاں کی عبادت کی سنجیدگی و کشش معلوم ہو جائے تو وہ ضرور ہند میں آنے سے خوش ہوں گے۔ میں بہت دیر تک وسٹری میں مسٹر براؤن سے باتیں کرتا رہا۔

۹ ار مئی :۔ ہم کو کشتی مل گئی۔ ڈیڑھ گھنٹے میں ہم سیرام پور مسٹر براؤن کے ہاں پہنچ گئے۔ شام کو ہم نے مشن احاطہ کو دیکھا۔ چائے پر ۱۵۰ افراد کئی میزوں پر ایک وسیع کمرے میں بیٹھے مشنریوں سے میرا تعارف ہوا۔ قریب کے کمرے میں شام کی عبادت ہوئی۔ مسٹر مارشمین نے درس دیا۔ میری رہائش گاہ دریا کے کنارے بنائی گئی۔ رات کو میں وہاں چلا گیا لیکن مجھے وہاں بالائی طاقت کا خطرہ سا محسوس ہوا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ میں ایسی جگہ میں ہوں جو شیاطین سے آباد ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ مندر جس میں شیاطین کی پوجا ہو رہی تھی۔ آخر خداوند مسیح کی پرستش گاہ بن گیا۔ میں

نے شکر کیا اور اونچی آواز سے دُعا کی جس سے کمرے کی چھت گونج اُٹھی۔:

ہنری مارٹن نے اپنے قیام کے پہلے چھ ماہ کلکتہ میں گذارے لیکن ان ایّام میں اِس کی سخت کیلوّنانہ تعلیم سے اِس کے دوست سرکاری پادری متنفّر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے اوّل مرتبہ ۸ جون کو سینٹ جان کے نئے گرجے میں اکرنتھی ۱: ۲۳، ۲۴ آیات پر جو یوں ہیں۔" مگر ہم اُس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں۔ جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوموں کے نزدیک بے وقوفی ہے۔ لیکن جو بلائے ہُوئے ہیں۔ یہُودی ہوں یا یُونانی اُن کے نزدیک مسیح خدا کی قدرت اور خدا کی حکمت ہے"! درس مندکرہ بالا آیات پہ دیتے ہوئے ہنری نے غضب الٰہی کو واضح طور پر پیش کیا اور خدا کے فضل و محبت پر خفیف زور دیا۔ اِس لئے سرکاری پادری مخالف ہو گئے سو اب اِن کا یہ خطرہ جاتا رہا کہ وہ کلکتہ میں بطور سرکاری پادری تعینات کئے جائیں گے سو یہ کان پُور منتقل ہو گئے۔ اور وہاں سے اِنہوں نے ڈیوڈ براؤن کو لکھا کہ ہندوستانیوں میں بشارت کرنا۔ یورپینوں میں تبلیغ کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ اکتوبر کے آخر میں دیناپور پہنچ کر غیر مسیحیوں میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ نئے عہد نامہ کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرنے میں محو ہو گئے۔ شائد یہ بہت بڑا عطیّہ ہے۔ جو انہوں نے کلیسائے ہند کو بخشا۔ یہاں سے پھر کان پُور گئے اور کیپٹن

اور مسز شیرڈؤ کے ہاں کچھ عرصہ ٹھہرے۔ کان پور میں اس وقت بیت اللہ نہ تھا۔ عبادتیں باہر کھلے میدان میں ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ بلئیرڈ کھیل کا کمرہ عبادت کے لئے انہیں بخشا جائے۔ لیکن انکار کیا گیا۔ یہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ "مسلمان ہماری نسبت کیا سوچیں گے"۔ اس وقت یورپین جماعت کی مذہبی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں براشگیڈیر میجر کے ہاں مدعو ہوا۔ انہوں نے مجھے طعام پہ دعا مانگنے کو کہا۔ لیکن جب میں نے بطور ہدایت یوں کہا۔ کہ "آؤ ہم دعا مانگیں" تو کسی خاتون نے میری طرف توجہ نہ دی۔ اور انہوں نے اپنی گفتگو کو بند نہ کیا۔ ہنری کی نظر میں ہندوستانی کلیسیا ہمیش پیش تھی۔ اس لئے اُس نے تمثیلات کی چھوٹی کتاب کا بہار کی زبان میں ترجمہ کیا۔ لیکن اب ان کی خواہش ہوئی کہ فارس کے راستہ سے واپس انگلستان جائیں اور فارس کے راستہ کو انہوں نے اس لئے تجویز کیا تاکہ عربی و فارسی زبان اور اہل اسلام میں کام کرنے کی مکمل واقفیت حاصل ہو جائے۔ اس تجویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ واپس کلکتہ پہنچے اور دو ماہ تک ڈی۔ ٹی تھامسن کے ہاں رہے اور متواتر قدیم گرجے میں وعظ سناتے رہے۔ یکم جنوری ۱۸۱۱ء کو انہوں نے بائبل سوسائٹی کی سالگرہ پر ورس دیا۔ جس سے چھبیس (۲۶) سو روپیہ جمع ہوا۔ چنانچہ اس سے سوسائٹی کی جڑیں مضبوط

ہوگئیں۔ ۶ر جنوری کو انہوں نے اپنا آخری وعظ "ایک ضروری بات" پڑھ دیا اور ۷ر جنوری کو جہاز پر سوار ہو کر فارس کو چل دیئے۔ لیکن یہ ارمنیاہ کے مقام ٹوکٹ میں ۱۰ر اکتوبر ۱۸۱۲ء کو ۳۲ برس کی عمر میں عالم بقاء کو چلے گئے۔ ان کے ذہن میں ہمیشہ زیویئر کی مانند یہ خیال رہتا تھا کہ "خداوند کے لئے مجھے جلنے دو" قدیم گرجہ کلکتہ میں اُن کے سنگِ یادگار پر یُوں مرقوم ہے۔
"وہ جلتا اور چمکتا چراغ تھا۔"

دانیل کوُرے

ہندوستان میں انہوں نے تیئس برس خدمت کی اور اپنی زندگی کے آخری سالوں میں مدراس کے بشپ بھی بن گئے۔ یہ طفلی و مکتبی زمانہ میں یہاں تک کہ کیمبرج دارالعلوم میں بھی رُوحانی امُور کے بارے میں تساہل سے کام لیتے تھے۔ چارلس سمیئین کے زیر اثر ان کے جسم و رُوح میں کشمکش شروع ہوگئی۔ اس لئے جب انہوں نے ہندوستان میں بطور سرکاری پادری ہونے کی بلاہٹ کو قبول کر لیا۔ تو خدا نے اِن کے دل میں تسکین پیدا کر دی۔ انگلستان سے راہ راست یہ کلکتہ میں ڈیوڈ براؤن کے پاس آئے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد چُنار میں جو بہار و اُڑیسہ کی سرحد پر ہے۔ تعینات کئے گئے اور وہاں سے دو سال کے بعد ان کا تبادلہ کان پُور ہوا جہاں اِنہوں نے ہنری مارٹن کا ہاتھ بٹایا جو فارس جانے کی تیاری میں منہمک تھے۔ کان پُور کچھ

عرصہ کام کرنے کے بعد یہ کلکتہ واپس آ گئے۔ اور مشن گرجے میں بہت عرصہ تک مدد دیتے رہے آخر اُن کی شادی مس میئرز کے ساتھ ہوئی اور آگرہ منتقل کئے گئے۔ جہاں انہوں نے تین سال اَن تھک بشارت کا کام کیا، ۱۸۱۵ء میں واپس اپنے وطن انگلستان کو گئے لیکن لوٹنے پر بنارس شہر میں لگائے گئے اور کلیسیائی بشارت کے کام کو یہاں تک توسیع دی کہ ایک معزز و مشہور ہندو بنام راجہ جے نرائن نے سکول اِن کی تحویل میں کر دیا۔ کوری نے اِس سکول کے نظم و نسق میں نمایاں تبدیلی پیدا کی اور اِس امانت دارانہ جائداد کو سی۔ ایم۔ ایس کے سپرد کر دیا۔ بنارس میں بہت دیر کام کرنے کے بعد واپس کلکتہ میں اُن کی ضرورت محسوس ہوئی اور موت سے ڈو سال قبل اِن کا تقدس مدراس کے بشپ ہونے کے لئے ۱۸۳۵ء میں ہوا۔ اِن کی یاد ہند میں اِس وجہ سے قائم رہے گی کہ انہوں نے ہندوستانی کلیسیاء کے قیام و استحکام میں پوری دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے اپنی تمام زندگی ختم کی۔

ٹی۔ ٹی۔ تھامسن

تھامسن دار العلوم کیمبرج میں اعلےٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد متواتر بارہ سال تک چارلس سیمئین کی زیرِ نگرانی پاسبانی خدمات سرانجام دیتے رہے اِس سیمئین نے اِن کے بارے میں یُوں بیان دیا کہ "یہ آدمی پیار کرنے کے قابل ہے کیونکہ

یہ منکسر المزاج۔ بے غرض اور بے ضرر انسان ہے اس لئے یہ مشکل ہے کہ کوئی اُس سے پیار نہ کرے ہمنشین اِسے دل و جان سے چاہتے تھے۔ اور جب تھا مسن نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا کہ وہ بھی کلکتہ میں بطور سرکاری پادری جا رہے ہیں تو اس کو بہت صدمہ ہوا۔ تو بھی یہ جہاز پر سوار ہو کر ۱۹، نومبر ۱۸۰۳ء کو کلکتہ پہنچ گئے لیکن دوران راہ میں اِن سے متعلقہ کشتی گم ہو گئی۔ اور اُن کے کچھ ساتھی بال بال بچ گئے۔ اِن کے پاس بھی صرف وہی کپڑے رہ گئے جو انہوں نے تن پر پہنے ہوئے تھے تو بھی یہ لبشاش نظر آتے تھے۔

تھا مسن نے کلکتہ میں غریب و امیر دونوں طبقوں کے آدمیوں سے مل کر کافی اثر پیدا کر لیا تھا۔ گورنر جنرل ارل اومُوا تک اس کے مداح تھے کیونکہ یہ ہر شخص کو بڑے تپاک سے ملتے تھے۔ اس لئے جب انگلیکن کلیسیا کے مشنری پادری ڈبلیو گرین وُڈ اور شور یٹار شمالی ہند میں ۱۸۱۵ء میں آئے۔ تو اس نے اِن کی خاطر و مدارات کی اور وہ بہت عرصہ تک اس کے پاس رہے۔ مجبوراً ۱۸۲۶ء میں انہیں واپس انگلستان بعارضہ علالت رفیقہ جانا پڑا۔ لیکن ان کی رفیقۂ حیات نے سمندر ہی میں ساتھ چھوڑ دیا تو بھی یہ انگلستان پہنچ گئے اور ۱۸۲۸ء کو دوبارہ شادی کر کے واپس ہند کو لوٹے کلکتہ کے قدیم گرجے میں پاسبانی خدمت کرنے لگے لیکن بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ خود بھی بیمار ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے سمندری

سفر کا مشورہ دیا۔ لیکن جان بر نہ ہوسکے۔ اور ۲۱ جون ۱۸۲۹ء کو ابدی نیند سو گئے۔ ہندوستان میں تبلیغی شوق اِن کے فرزند ارجمند جیمس سے بھی ظاہر ہے۔ جو شمال مغربی سرحدی صوبہ میں ۱۸۴۳ء ـــــ ۱۸۵۳ء لفٹننٹ گورنر تھے اُنہوں نے چرچ مشنری سوسائٹی کے تمام سرحدی مراکز کو مضبوط کر دیا۔ اور تبلیغ میں بہت دلچسپی لی:-

دیگر سرکاری پادری صاحبان بھی اِس دَور میں نہایت اعلٰے پائے اور روحانیت کے مالک ہو گذرے ہیں۔ مثلاً تھامسن ڈیلٹرے یہ کورے کے جانشین۔ کلکتہ کے آرچ ڈیکن اور مدراس کے تیسرے بشپ مقرر ہوئے۔ بوشنز ہنری تھامسن ہیوٹن لوَلی۔ ایم۔ ڈی۔ سی والٹر بعدہٗ سٹوارٹ صاحب بھی آئے جو نیوزی لینڈ میں بشپ وائیپو مقرر ہوئے۔ پادری جے ویلینڈ برادر ز بشپ اوڈوئن ویلیم سن جس نے ممالک متوسط میں گوند مشن کو جاری کیا۔ پارکر جو بشپ او یوگینڈا مقرر ہوئے علاوہ ازیں اور بھی سرکاری پادری صاحبان آئے جنہوں نے ہندوستان میں تبلیغی مہم کو جاری رکھا۔ اِس لئے ہندی مسیحی اِن سرکاری پادریوں کے بھی مرہون منت ہیں:-

بیپٹسٹ پادری ولیم کیری ۱۷۶۱ء

ولیم کیری ۱۷ اگست ۱۷۶۱ء میں پائلرسبری میں جو نارتھمٹن شائر میں ہے پیدا ہوئے۔ اِن کے والد کا ذریعہٗ معاش پارچہ بافی تھا۔ اور بعدہٗ مدرسہ میں اُستاد

کی آسامی بھی اُسے عنایت ہوئی تو بھی یہ ذرائع اتنے قلیل تھے کہ چودہ برس کی عمر میں ولیم کیری کو اپنے خاندان کے تحفظ کی ضرورت محسوس ہونے لگی سو انہوں نے جوتی بنانے کا کام سیکھا۔ اسی پیشہ کے دوران میں ان میں روحانی تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور تبلیغ کی طرف ان کا شوق بڑھتا گیا۔ لیکن چونکہ کلیسیائے انگلستان رجعت پسند جماعت تھی سو انہوں نے بپٹسٹ سوسائٹی کے اثر کو قبول کر لیا۔ اور آخری دم تک بپٹسٹ ہی رہے۔

جوتی بنانے کے شغل میں بھی انہوں نے کبھی مطالعہ کتب کو ترک نہ کیا۔ بلکہ تھوڑے عرصہ میں محنت شاقہ سے مبتدی طور پر لاطینی۔ عبرانی اور یونانی زبانیں سیکھ لیں۔ ہر اتوار کو دکان بند کر کے منادی کرتے تھے۔ اس جوش کو دیکھ کر ۱۷۸۳ء میں ان کا پاسبانی خدمت کے لئے تقرر ہوا اور مولٹن کی کلیسیا کے پاسبان مقرر کئے گئے۔ لیکن ان کی آمدنی کل ۱۶ پونڈ سالانہ تھی۔ جو ضروریاتِ معاش کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے یہ جوتی بنانے کا کام ساتھ ہی ساتھ کرتے رہے تاکہ گذارہ کی سبیل ہو سکے۔ جب بیس برس کے ہوئے تو ان کی شادی کارخانہ دار کی بہن ڈارتھی پلاکٹ سے ہوئی جو نہایت کند ذہن تھی اس کے بعد انہوں نے مدرسی کا کام اختیار کیا۔ لیکن اس میں انہیں کچھ شوق نظر نہ آیا لہذا پھر جوتی بنانے میں مشغول ہو گئے لیکن اس عرصہ

میں اِن کا مُطالعہ کتب وسیع ہو گیا۔ چونکہ یہ زمانہ سیاحت و معلومات کا تھا اِس لئے انہیں جغرافیہ سے زیادہ مَس ہوا اور کُوک صاحب کے سفروں کو انہوں نے شوق سے پڑھا اور اپنے کمرہ کی دیوار پر دینا کا نقشہ بنا کر لٹکایا جس میں اندازاً آبادی۔ زبان۔ معلومات اور مذاہب کو درج کیا۔ انہیں غیر مذہب و بے دین افراد کی اکثریت کو معلوم کر کے حیرت ہوئی اور اِن کے خوابیدہ خیالات جاگ اُٹھے۔ مشنری رُوح اِن میں جوش مارنے لگی لیکن سوال یہ درپیش تھا کہ اب اپنے لوگوں کے ذہن میں تبلیغی شوق کو کیسے پیش کرے سو اِس نے ۱۷۸۶ء میں مارتھمٹسن کی پاسبانی مجلس میں نہایت جوش سے اِس عنوان کا مضمُون پیش کیا کہ مسیحیوں کی غیر مذاہب کو انجیل سُنانے میں کہاں تک ذمہ داری ہے؟ لیکن مسٹر رینلڈ جو صدرِ جلسہ تھے اُنہوں نے کہا کہ اے جوان بیٹھ جا۔ کیونکہ جب خُدا کو منظور ہو گا کہ وہ غیر مذاہب کو مسیحی بنائے تو وہ میری یا تُمہاری مدد کے بغیر ہی کرے گا۔ اُدھر مسٹر فُلر نے کہا کہ اگر خدا اسمان کی کھڑکیاں بھی کھول دے۔ تو بھی شائد ایسی بات ممکن نہ ہو۔ ولیم کیری خاموش ہو گیا لیکن یہ دلائل اُسے قائل نہ کر سکیں سو ۱۷۹۲ء میں اُس نے ایک جریدہ لکھا جس کا عنوان تھا "فرائض مسیحان بہ غیر مذاہب"۔ جس سے کلیساؤں میں تبلیغی احساس پیدا ہونے لگا۔ لیکن رینلڈ اور فُلر جو مخالف تھے وہ اِس جریدہ سے بہت

متاثر ہوئے اور اُسے مدعو کیا کہ وہ نارتھمٹن کے جلسہ میں تقریر کرے۔ ولیم کیری نے اپنا مشہور درس دیا کہ "خدا سے بڑی بڑی باتوں کی اُمید رکھو اور اس کے لئے بڑے بڑے کام کرنے کی جرأت کرو" لہذا کچھ عرصہ بعد ۱۷۹۲ء میں ہی بارہ خدامِ دین نے مل کر بمقام کٹرنگ جلسہ کیا۔ اور بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس کے سیکرٹری مسٹر فلر مُقرر ہوئے۔ گرچہ پہلا ہدیہ جو سوسائٹی کے پیش نظر ہوا۔ بہت کم تھا۔ توبھی وہ ہراساں نہ ہوئے۔ ڈاکٹر جان تھامس ہندوستان سے انگلستان پہنچے اور انہوں نے علاقہ بنگال کی معاشرتی اور مذہبی حالت ایسے دل سوز و رقعت انگیز طریق پر پیش کی کہ ولیم کیری نے بنگال کو ہی جانا زیادہ ضروری سمجھا۔ اب دقت جہاز کی درپیش تھی۔ کیونکہ کوئی جہاز مشنریوں کو ہندوستان نہ لے جا سکتا تھا۔ اس لئے بصد کوشش یہ ڈینش جہاز پر سوار ہو کر بمعہ اپنی بیوی سالی اور پانچ بچوں و ڈاکٹر اور مسز تھامس کے ساتھ ہند کو چل دیئے۔ مسٹر فلر نے جاتے وقت یہ فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ ہند میں سونے کی کان ہے لیکن وہ اتنی عمیق ہے جتنی زمین کی درمیانی تہ۔ اگر آپ نیچے جائیں گے میں ڈوری کو تھامے رہوں گا۔ سفر ہند بہت خراب تھا۔ توبھی نومبر ۱۷۹۳ء کو یہ کلکتہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ لیکن انہیں بلا پروانہ راہداری حکام انگلشیہ کا خطرہ تھا۔

Scanned with CamScanner

لہذا انہوں نے ایک ہندو مسیحی کے ہاں پناہ لی۔ لیکن اب معاش کی فکر دامنگیر ہوئی اور یہ معلوم کر کے کہ سندر بنس میں زمین مل سکتی ہے۔ سب وہاں چلے گئے۔ ولیم کیری نے جھونپڑی بنا کر کھیتی باڑی کرنی شروع کر دی۔ اور بندوق سے ہرن اور پرندوں کا شکار کر کے دن پورے کرنے لگے چونکہ یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق حال نہ تھی۔ اس لئے یہ دونوں صاحبان مسٹر یوڈنی کے کارخانوں میں جو مڈنا ہاٹی اور مے پال ڈگی میں تھے۔ بطور ناظم و نگران مقرر ہو گئے۔ ولیم کیری ۱۷۹۵ء تا ۱۸۰۰ء اسی کارخانہ میں کام کرتے رہے اور گرد و نواح کے گاؤں میں بشارتی کام کو جاری رکھا۔ ایک سکول جاری کیا۔ اور بائبل مقدس کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرنا شروع کیا۔ ۱۷۹۹ء میں عجیب واقع پیش آیا کہ مسٹر یوڈنی نے کارخانوں کو بیچ دیا اس لئے ولیم کیری نے خود اپنے روپیہ سے کیدار پور میں ایک کارخانہ خریدا جس سے اس کا مطلب مشن کی مدد و توسیع کرنا تھا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اس جگہ کو مشن کا مرکز بنایا جائے۔ اس لئے جب انہیں انگلینڈ سے یہ خبر پہنچی کہ چار اور مشنری صاحبان آ رہے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن انہیں یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ وہ مشنری صاحبان سیرام پور چلے گئے ہیں۔ گورنمنٹ انگلشیہ چوں کہ ولیم کیری کی رفتار و گفتار کی دیکھ بھال میں لگی تھی لہذا

انہوں نے مناسب سمجھا کہ یہ بھی سیرام پور چلے جائیں۔ جب یہ سیرام پور پہنچے تو گورنر بی جوڈنش نے اِن کا خیر مقدم بڑے تپاک سے کیا اور پناہ کا ہاتھ بڑھایا۔

سیرام پور کی خصوصیت ولیم کیری کے دم سے تھی۔ اس کے مددگار مارشمین۔ وارڈ۔ گرانٹ اور برنسڈن تھے۔ ولیم وارڈ چھاپہ خانہ کے کام میں ماہر تھے۔ اور جیشوا مارشمین معلمی میں سوا انہوں نے اپنے مختلف شعبوں میں کام کرنا شروع کیا۔ چھاپہ خانہ کی تو یہاں تک مشہوری ہوئی کہ سرکاری کام بھی آنے لگا جس سے اِن کی آمدنی میں اضافہ ہوا لیکن طرّہ یہ ہے کہ یہ سب منفقہ طور پر رہتے تھے اور بقایا کو مشن کی ضروریات اور تبلیغی مہم میں صرف کرتے تھے۔

گورنر جنرل ولزلی کو اِن ایام میں فورٹ ولیم کالج بنانے کی دھن سوار ہوئی کیوں کہ انہیں بہت برا محسوس ہوتا تھا کہ یورپین صاحبان جو ہندوستان میں سرکاری عہدوں پر فائز ہیں وہ ملکی زبان سے بالکل نابلد ہیں۔ لہٰذا اس بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بڑی دقت اور محنت کے بعد انہوں نے کالج کو تعمیر کرایا۔ اور پادری بوتینن کو کالج کا ناظمِ اعلےٰ مقرر کیا۔ پادری کو فینن نے ولیم کیری کا تعارف گورنر ولزلی سے کرایا اور مشرقی زبانوں کا پروفیسر مقرر کر دیا۔ یہ نہایت اچھا موقع تھا کہ تبلیغی مشن کی

رسائی سرکار انگلشیہ تک ہوئی اور شکر ہے کہ ولیم کیری متواتر ۳۰ سال تک اسی خدمت پر ممتاز رہے۔ اور تبلیغی مشن کو مستحکم کر دیا۔ یہ کالج میں سنسکرت اور بنگالی پڑھاتے تھے اور ہر ہفتہ میں تین دن کے لئے واپس سیرام پور آ کر بائبل مقدس کا ترجمہ کرتے تھے۔ اِن کی قابلیت کی دھاک بند گئی۔ سرکار نے اولاً اِن کو ۶۰۰ پونڈ دیئے جو بعد میں ۱۵۰۰ پونڈ تک پہنچ گئے۔ یہ سب اِن کی حسنِ کارکردگی کا نتیجہ تھا۔ چونکہ انھیں کافی آمدنی تھی اِس لئے مشن نے بہت ترقی کی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ بپٹسٹ مشنری سوسائٹی نے اِن کی زندگی کے آخری سال تک ۲۰۰۰ پونڈ بھیجے اور چونکہ یہ کل پچاس روپیہ اپنے خاندان کی ضروریات میں صرف کرتے تھے لہٰذا ان کا اپنا نذرانہ ۴۶۰۰۰ پونڈ تھا جو اِن کی کسرِ نفسی پہ دلیل ہے۔ ولیم کیری نے ہندوستانیوں کو مسیح خداوند کے قدموں میں لانے کے لئے بہت کوشش اور مختلف طریق پہ کام کیا جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ تبلیغی کام:- علاقہ بنگال ہندوانہ خیالات میں اتنا جکڑا ہوا تھا کہ وہ کسی نئی بات کو سننا پسند نہ کرتے تھے سو تقریباً عرصہ ۷ سال تک ولیم کیری اپنے کام کا پھل دیکھے بغیر ہی خدمت کرتے رہے۔ لیکن ۱۸۰۰ء میں کرشن چندر پال اور اس کا دوست مسیحی ہو گئے چنانچہ کرشن چندر پال پہلا ہندوستانی مسیحی تھا۔

جو کلکتہ میں خدمت پاسبانی پر مقرر ہوا۔ ۱۸۱۰ء میں بپتسمہ یافتہ لوگوں کی تعداد تین سو کے قریب پہنچ گئی اور اس میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ بنگال۔ برما۔ اوڑیسہ اور بوٹان میں تبلیغی مساعی جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء میں ۳۰ کارگذار وسیع کھیت میں کام کرتے نظر آتے تھے جن میں ۱۹ انگریز ۹ یوریشین اور ۱۲ ہندوستانی تھے۔ ہندوستانیوں کی قدر و قیمت ولیم کیری کی ذہنیت اور حسن سلوک کا نتیجہ تھی۔

تعلیمی کام:۔ اس امر میں بھی انہوں نے بہت ترقی کی۔ جگہ بہ جگہ ورنیکلر سکول جاری کیئے گئے۔ سیرام پور میں اعلےٰ تعلیمی کالج اور مشنری تربیت گاہ کا مدرسہ الٰہیات قائم کیا۔ ۱۸۱۸ء میں مدرسوں کی تعداد ۱۲۶ تک پہنچ گئی جن میں ۱۰,۰۰۰ طلباء زیر تعلیم تھے۔ تبلیغی کام میں یہ مدرسے مددگار ثابت ہوئے۔ ولیم کیری نے اپنے خط میں لکھا کہ مدرسوں کے بغیر مشنری کام کو فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ سیرام پور کالج نے ولیم کیری کے زمانہ میں شاندار ترقی کی اور شائد اس وقت وہ تمام ہندوستان میں واحد چوٹی کا کالج ہوتا اگر ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمت عملی میں تبدیلی پیدا نہ ہوتی کیونکہ انہوں نے ۱۰,۰۰۰ پونڈ سالانہ ہندوستانیوں کو پڑھانے کے لئے وقف کیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مسیحی تبلیغ کے

مخالف رُوح پیدا ہوئی اور ہندو کالج کلکتہ تعمیر ہوگیا۔ لیکن توبھی سیرام پور کالج اپنی نیک نیتی کی وجہ سے اب تک مشہور ہے اور اس کالج پر ۔۔۔ ۱۵ پونڈ کا ولیم کیری اور اس کے ساتھیوں کا صرفہ اُن کی اشاعت ہند میں روحانی جذبہ اور شوق کو نمایاں کرتا ہے اور واضح کرتا رہے گا۔ بادشاہ ڈنمارک نے اس کالج کی سرپرستی اپنے ذمہ لی اور اسے اعزازی ڈگری دینے کا بھی اختیار بخشا۔

رفاہ عامہ :- ولیم کیری نے اس امر کی طرف بھی پوری توجہ دی اور رفاہ عامہ میں تساہل کو گوارہ نہ کیا۔ ۱۷۹۹ء میں انہوں نے ایک بیوہ عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ جلتے دیکھا۔ جب وہ آگ کی تپش اور دکھ سے گھبرا کر آگ سے باہر بھاگنا چاہتی تھی۔ تو کئی بار وہ بانسوں سے دبائی گئی۔ ولیم کیری نہایت پریشان خاطر ہوئے اور خوف کا غلبہ ان پر چھا گیا۔ اس قبیح رسم کی طرف انہوں نے گورنمنٹ کی توجہ کو مبذول کیا۔ سو ۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم بنٹنک نے حکماً سرکار انگلشیہ کی حدود میں اس کو قطعاً بند کر دیا بعض عورتیں اپنے بچوں کو گنگا کی منت مان کر گنگا ساغر میں مگر مچھ کے سامنے پھینک دیتی تھیں۔ بعض شیدائے مذہب اپنے آپ کو جگناتھ کی رتھ تلے لاکر اپنا کام تمام کر لیتے تھے۔ تمام بُری رسُومات اور حیا سوز واقعات اس نے ترک کرا دیئے نیز چونکہ یہ علم النباتات کے ماہر تھے اس لئے انہوں

نے ۱۵ ایکڑ زمین میں باغ لگایا اور اُس کو ہندوستانی سبزیات وپھل کو بہترین بنانے اور تجربہ کے لئے استعمال کرتے رہے ڈیزی کا پھول اوّل مرتبہ انہیں کے دم سے ہندوستان پہنچا۔ ولیم کیری کے اقوال وافعال ہمارے لئے قابل تقلید ہیں۔

۱۸۱۴ء میں وہ اپنے بیٹے کو جو ملایا میں مشنری تھا زبان سیکھنے کے بارے میں یوں ہدائت کرتے ہیں کہ ملایا کی زبان پر عبور حاصل کرنے کے لئے بلا ناغہ محنت کرو۔ وہاں کے لوگوں سے ربط پیدا کرلو۔ ہر رات کو اُن الفاظ کو جن کو تم نے اب معلوم کرلیا ہے۔ ملکی حروف ابجد میں تحریر کرو۔ جو الفاظ تم کو حاصل ہوئے ہیں اُنہیں بولنے کی کوشش کرو۔ جہاں تک ممکن ہو ویسے ہی بنتے جاؤ۔ کیونکہ تمہاری ہمدردی اور توجہ اُن کے اعتماد اور عزت کو حاصل کرلے گی سو تم کو اس طریق پر موقع حاصل ہوگا۔ کہ تم بہترین کام کر سکو!

برما کے مشنریوں کو بھی ایسی ہی ہدائت دی کہ:۔

کہ جب تمہیں اُس ملک کی زبان میں مہارت ہو جائے تو صرف و نحو کی کتاب تیار کرو اور انجیلی پیغام کے چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ جن میں سادہ مسیحی ہدایات اور انجیلی دعوت ہو تحریر کرکے بھیجو لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ توہم پرست طبقہ کے ذہن کو مضمحل نہ کرنے والے ہوں۔

روپے کے بارے میں مشنریوں کو یہ ہدائت دی۔

یہ یاد رکھو کہ جو روپے تم خرچ کرو گے وہ نہ ہمارے ہیں

Scanned with CamScanner

اور نہ تمہارے بلکہ خُدا کے مخصُوص شدہ ہیں۔ فضُول خرچی خُدا کی چوری کرنا ہوگا۔ کسی عمارت کی تعمیر کے وقت یہ یاد رکھو کہ تم غریب آدمی ہو اور مسیح اور اُس کے خادموں کے ساتھ تم نے غربت اور خود انکاری کی زندگی اختیار کی ہے۔
دنیوی آدمی اگر خرچ کرنے میں فیاض ہو تو نتیجہ بہت ہی کم نکلے گا۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ اُس کی دولت ایسے ہاتھوں میں آئے جہاں وہ بدمقاصد کی انجام دہی میں استعمال ہو لیکن یاد رکھیئے کہ مشنری روپے ہر حالت میں مُقدس ہیں اور اس دُنیا میں سب سے زیادہ احتیاط طلب ہیں۔
ولیم کیری کشادہ دل انسان تھے۔ انہوں نے اپنے حلقہ محبت میں بشارتی خادمان ڈیوڈ براؤن۔ ہنری مارٹن۔ دانیل کوُرے کو منسلک کیا ہوا تھا۔ بشپ ڈانیل وِلسن سیرام پور عموماً اُنہیں ملنے جاتے تھے۔ الگزینڈر ڈف اِن کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ اِنہوں نے اپنے بستر مرگ پر اُسے یہ ہدایت کی کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو ڈاکٹر کیری کے متعلق نہیں بلکہ اُس کے نجات دہندہ کے بارے میں گفتگو کرنا۔ اِس بات کو الگزینڈر ڈف کبھی نہ بھُولا۔ ایسی پُر نصیحت و قابلِ تقلید زندگی کے بعد ولیم کیری ۹ / جون ۱۸۳۴ء کو انتقال فرما گئے۔ اور ان کا جسم پیاری بھارت درش کی گود میں آرام کی نیند سوتا ہے۔:

Scanned with CamScanner

چوتھا باب

تبلیغی مشنیں اور بشارتی جوش و وسعت

اٹھارویں صدی میں چونکہ جوانمرد وجاں نثار مشنریوں نے خدمت کی تھی اس لئے اُن کی اعلےٰ سیرت۔ اخلاق۔ محنت اور خدمت کی وجہ سے نیز ولبر فورس کی کوششوں سے جب ۲۲ جون ۱۸۱۳ء کو ہند میں اشاعت کے لئے عام اجازت نامہ مل گیا تو انتظامیہ محکمہ کے صدر نے بھی سرکاری افسروں اور عوام میں اس بہترین جذبہ کو ہوا دینے کی کوشش کی اور گورنر جنرل صاحبان بھی ہند میں ذہنی۔ اخلاقی۔ سماجی اور دینی ترقی پر غور وخوض کرنے لگے اسی لئے جب ۱۸۳۳ء اور بعدہ ۱۸۵۳ء میں چارٹر کی تجدید ہوئی تو نظر ثانی کے لئے کافی مشرح فرد تیار تھی۔ ۱۸۳۳ء میں تجارت کرنے کے لئے عام اجازت نامہ مل گیا نیز تاجروں کاشتکاروں اور مشنریوں کو بلالائسنس ٹھہرنے کا حق عطا

ہوا۔ ۱۸۵۳ء میں مسٹر گلاڈسٹن وزیر اعلیٰ ۔ گاڈن ۔ اور مکالے پر مشتمل کمیٹی نے مشنریوں کی سفارشوں اور تصدیق ناموں پر خصوصاً توجہ دی اور ہند میں تعلیمی مدعا بہ مسٹر ڈف اور ولسن کے نظامِ معلمی نے پختہ مُہر لگا دی نیز تعلیمی مسودہ بھی چارلس وُڈ نے مسٹر ڈف ۔ ولسن اور ڈبلو بلن کے مشورہ ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اِس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب ہند میں تبلیغ کے لئے راہ کھُل گئی اور لوگوں میں جذبۂ تبلیغ بڑھتا گیا۔ اور اِس بات کا اندازہ ہم اِس امر سے لگا سکتے ہیں کہ سی ۔ ایم ۔ ایس، اور ایس ۔ پی ۔ جی کی آمدنی اولاً بالترتیب ۸۰۰۰ اور ۱۳۰۰۰ پونڈ تھی ۔ جو ۱۸۵۰ء میں ۵۰۰۰۰ اور ۱۰۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گئی ۔ سکاٹ لینڈ کی کلیسیا میں بھی بیرونی تبلیغ کے لئے شوق بڑھتا گیا کیونکہ ۱۸۲۵ء میں تو صرف ۵ فی صدی افراد نے نذرانہ دیا لیکن ۱۸۳۷ء میں اُن کی سالانہ آمدنی ۵۸۹ ، ۷ پونڈ تھی ۔ مسز شیر وُڈ کی کتاب اور پادری ہیبر ۔ جو بعد میں ہند کے بشپ مقرر ہوئے ۔ اُن کی نظموں نے آمدنی میں کافی اضافہ کر دیا اور مبلغ جان ولزلی کی سوانح حیات جب ۱۸۲۰ء میں چھپی اور ولیم کیری کے ساتھیوں نے بہت اچھے نمونے پیش کئے اِس لئے ۱۸۲۰ء کے بعد تبلیغی تحریک صرف سمیئن اور ولبر فورس کا ہی حصہ نہ تھی بلکہ یہ عام ہو گئی ۔ انگلیکانی ہائی چرچ نے سی ۔ ایم ۔ ایس کے دوش بدوش تبلیغ میں حصہ لینا شروع کیا

سکاٹ لینڈ کی رجعت پسند جماعت نے ۱۸۲۹ء میں الگزینڈر ڈف کو ہند میں بھیج کر اپنے قدامت پسندانہ پردہ کو چاک کر دیا لارڈ بنٹک اور ڈلہوزی نے بالترتیب ستی اور ہندی ناقابل خدمات کے حکم کو منسوخ کر کے اہل انگلستان کے دلوں کو ہندوستانی بہبودی اور تربیت کی طرف راجع کر دیا۔

اب ہند کے دروازے تبلیغی مشنوں کے لئے کھلے تھے سو ہند میں ۱۳۶ مشنیں مختلف اوقات پر تبلیغ و شدھار ہند کے لئے داخل ہو گئیں۔ جو ملکی کوائف کے مطابق یوں تھیں:-

برطانوی	امریکن و کنیڈین	آسٹریلوی	دیگر ممالک
۱۴	۱۴	۸	۱۲

مقامی	خود مختار	کل
۲۲	۱۲	۱۳۶

لیکن زیادہ نمایاں اور قابل ذکر انجمنیں حسب ذیل ہیں۔ جن میں سے بعض ایک کی نسبت مختصراً تحریر کیا جائے گا۔ تاکہ ناظرین تبلیغی خدمت میں جد و جہد، عرقریزی اور قربانی کا جائزہ لے سکیں۔

برطانوی:- وقت بنیاد

۱۔ چرچ مشنری سوسائٹی ۱۷۹۹ء

۲۔ چرچ وایونجلسٹک زنانہ سوسائٹی ۱۸۶۶ء

۳:۔ ایس۔پی۔جی ۱۷۰۱ء

۴:۔ لنڈن مشنری سوسائٹی ۱۷۹۵ء

۵:۔ وزلین مشن سوسائٹی ۱۸۱۳ء

۶:۔ بپٹسٹ مشن سوسائٹی ۱۷۹۲ء

۷:۔ اسٹیبلشڈ چرچ سکاٹ لینڈ ۱۸۲۹ء

۸:۔ یونائیٹیڈ فری چرچ سکاٹ لینڈ ۱۸۴۷ء

۹:۔ سالویشن آرمی ۱۸۶۵ء

۱۰:۔ زیڈ۔بی۔ایم۔ایم ۱۸۵۲ء

امریکن:۔

۱:۔ میتھوڈسٹ آپسکوپل چرچ ۱۸۱۹ء

۲:۔ بپٹسٹ یونین ۱۸۱۴ء

۳:۔ پرسبٹرین بورڈ ۱۸۳۷ء

۴:۔ اے۔بی۔سی۔ایف۔ایم ۱۸۳۲ء

۵:۔ یونائیٹڈ پرسبٹرین بورڈ ۱۸۵۹ء

۶:۔ سونتھ ڈے بپٹسٹ مشنری سوسائٹی ۱۸۴۲ء

دیگر ممالک:۔

۱:۔ بیسل مشن سوسائٹی جرمن ۱۸۱۵ء

۲:۔ گوسنر مشن ۱۸۳۹ء

۳:۔ جرمن انجولسٹک لوتھرن ۱۸۹۲ء

Scanned with CamScanner

۴:۔ ڈینش مشنری سوسائٹی ۲۱ ۱۸ء

۵۔ پیسفک ایو نجلیکل لوتھرن مشن جرمن ۱۸۳۶ء

۶۔ نارویجین مشن سنتال ۱۸۸۸ء

چرچ مشنری سوسائٹی

چرچ مشن کی تیاری اور بنیاد کے واقعات

خصوصاً ۱۷۸۷ء میں ظہور پذیر ہوئے جبکہ ولیم ولبر فورس نے مبارک جمعہ کو عشائے لینے کے بعد یہ وعدہ کیا کہ وہ خدا کے جلال اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اپنی زندگی بسر کرے گا۔ سو اسی بنا پر اس نے غلامی کی قباحت کو دور کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ تھامس کلارک سن کے غلامی کے خلاف لاطینی مضمون کا انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ جس سے عوام میں خدا ترسی اور برادریت کے خیالات پیدا ہو گئے۔ ڈیوڈ براؤن اور چارلس گرانٹ نے بھی ہندوستانی مشن کی طرف توجہ دلائی تھی۔ سوارٹز نے ایس۔ پی۔ سی۔ کے کی طرف سے انگلستان میں تبلیغی تحریک کو پیش کیا۔ ڈاکٹر تھارلو بشپ آولڈن نے ایس۔ پی۔ جی کے سالانہ اجلاس میں تبلیغ کی پرزور حمایت کی۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں تبلیغی شوق کا احساس پیدا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۸۶ء ہی میں اکلکٹک سوسائٹی (منتخب کنندہ مجلس) کا چودہ دن کے لئے اجلاس ہوا جس میں مضمون غیر ممالک میں بشارت کا تھا۔ ۱۳ ار نومبر کو مجلس نے اس بات پر غور کیا کہ بائبل بے

میں تبلیغ کا کون سا بہترین طریقہ ہے؟ لیکن بعدہٗ سمیئین نے مشرقی ہند میں تبلیغ کے وسائل پر بحث کی کیونکہ اُسے کوڈیوڈ براؤن اور چارلس گرانٹ کی طرف سے دعوت نامہ مل چکا تھا۔ لیکن ۱۷۹۱ء میں منتخب کنندہ مجلس کی توجہ افریقہ کی طرف مبذول ہوگئی۔ تو بھی جب ۱۷۹۳ء میں بپٹسٹ سوسائٹی نے ولیم کیری کو مشرقی بنگال میں بھیجا تو سمیئسن نے بھی اپنی کوششوں کو اور وسیع کر دیا۔ اِس لئے ۸ر فروری ۱۷۹۶ء میں یہ قرارداد پاس ہوئی۔ کہ کلیسیا غیر مذاہب کے افراد میں اپنی مشن بھیجے۔ کلیپ ہم میں اِس پر بہت گفتگو ہوتی رہی۔ اِس لئے ۱۷۹۹ء میں جان وَن نے پیش کیا کہ ان طریقوں پر بھی غور کیا جائے۔ جو زیادہ مؤثر ہو سکتے ہیں سو آخر ۱۲ر اپریل ۱۷۹۹ء کو ایڈر گیٹ سٹریٹ کے کیبل وفاکن ہوٹل میں اِس اکلکٹک سوسائٹی کی بنیاد تبلیغ کے لئے منظم طور پر پڑ گئی لیکن چھ ہفتے کے بعد اِسی سوسائٹی کا نام سوسائٹی فار البیٹ اینڈ افریقہ ہوا لیکن آہستہ آہستہ شرکاء نے اِس کے نام کے ساتھ لفظ "چرچ" لگا دیا تاکہ دیگر انجمنوں سے اِس کا امتیاز ہو۔ اور تیرہ سال کے بعد اِس کا نام "چرچ مشنری سوسائٹی" ہوگیا۔

جان وَن نے اِس انجمن کے لئے مندرجہ ذیل اصول پیش کئے:۔

۱۔ خدا کی ہدائت سے چلو۔

۲- کام چھوٹے پیمانہ پر شروع کرو کیونکہ قدرت اسی اصول پر عمل پیرا ہے۔

۳- رُوپیہ کو اوّل درجہ نہیں بلکہ دُوئم جگہ دو۔

۴- سب کچھ اُس آدمی پر منحصر ہے جو بھیجا جاتا ہے۔ اِس لئے مشنری کو چاہیئے کہ وہ خدا کو اپنے دِل میں جگہ دے اور دُنیا کو اپنے پاؤں تلے کچلے۔

۵- زندگی اور کام میں فتح کے لئے رُوح القدس کی طرف متوجہ ہو۔

۱۸۰۵ء میں اِس سوسائٹی نے اپنے پہلے مشنری ہنری مارٹن کو چیپلین کے پردہ میں بھیجا تھا اور ۱۸۰۹ء میں جب ہنری مارٹن کلکتہ میں براؤن اور تھامسن کے ساتھ خدمت کر رہے تھے تو سوسائٹی نے ۵۰۰ پونڈ کی رقم بھیجی تاکہ ہند میں نُورِ رحمت پھیلایا جائے۔ ہنری مارٹن نے پوشیدہ و خاموشانہ تبلیغی کام شروع کر دیا جس سے آگرہ میں عبدالمسیح متاثر ہُوا۔ لیکن اُن کا بپتسمہ کلکتہ کے پُرانے گرجہ میں ڈیوڈ براؤن کے دستِ مُبارک سے ہُوا۔ یہ پہلا پھل تھا جو سی۔ ایم۔ ایس نے ہند میں حاصل کیا۔ بشپ ہیبر نے عبدالمسیح کا خادم الدین ہونے کے لئے تقرر کیا۔ سو یہ فی الحقیقت عبدالمسیح بن گئے۔ اور نہایت شوق سے تا زیست مسیح خداوند کی خدمت کرتے رہے۔

۷ جنوری ۱۸۱۴ء کو جب بشپ مڈلٹن کا تقدس ہُوا

تو اس سوسائٹی نے چار تبلیغی مشنری روانہ کئے یعنی ہینیس اور سنارے جو لوتھرن جرمن تھے اور باقی دو انگریز یعنی نارٹن جو مشہور جوتی ساز تھا اور گرین وڈ جو یارک شائر میں کمبل بنانے والا تھا۔ لیکن ۱۸۱۹ء میں گیارہ مشنری ہند کے باقی علاقہ جات کو اور چار لنکا کو بھیجے گئے۔ ان میں سے بنجمن۔ بیلی۔ ہنری بیکر۔ سین۔ جوزف فن اور ارمیسیور قابل ذکر ہیں۔ بشپ ریڈر نے ان میں سے بعض کا تقرر کیا۔ کیونکہ یہ بشپ تبلیغ کا حامی تھا۔ اور پہلا بشپ تھا جو اس سوسائٹی میں شامل ہوا۔ نیز گریجویٹ مشنری جیمس کو نورلنکن کالج کا تعلیم یافتہ اور جان ہارٹلے سینٹ ایڈمنڈ ہال کا خواندہ مشرقی ہندوستان کی قدیم کلیسیاؤں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ انہوں نے مشرقی ہندوستان میں پہنچ کر نہ صرف قدیم کلیساؤں کو جگایا بلکہ سرین کلسیا کی طرف بھی قدم بڑھایا جنہوں نے انہیں بخوشی قبول کر لیا۔ سو کلیساؤں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر انہوں نے اپنے طریقۂ تبلیغ کو منظم کیا اور اپنا چھاپہ خانہ۔ سکول اور مشنری مرکز قائم کئے۔ کلکتہ۔ بردوان۔ بنارس۔ چنار۔ گورکھپور۔ الہ آباد۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ میرٹھ۔ دہلی میں مسیحی اسکول کھولے اور اُن پر دیسی اُستاد لگائے۔ دیسی کارگذار تبلیغ کے لئے متعین کئے گئے اور تبلیغی کام جوش سے ہونے لگا۔ جان پیرون بردوان کے مشنری اور سی۔ پی۔ فیبرز نے بہت تن دہی سے خدمات سرانجام دیں

رکھا۔ اور اسے دار السلطنت بنانے کی ٹھانی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ تو
بھی اس کا زمانہ عرصہ دراز تک نہ رہا کیونکہ ۱۳۴۰ء میں جنوبی ہند پھر
آزاد ہو گیا۔

مذکورہ بالا ماحول میں جب فرائر آئے تو جنوبی ہند میں یہ ایسے
سیلاب کی زد میں آ گئے جس سے بچ نکلنا مشکل تھا۔ تو بھی تدبیر یہ
تھی کہ کام کو کسی اور جگہ فی الحال شروع کیا جائے۔ اس لئے فرائر
جارڈنوس سورت کی طرف چل دیئے اور اپنے ساتھیوں کو موضع
تھانہ میں چھوڑ گئے۔ لیکن یہ ابھی سورت سے آگے نکلے ہی ہوں گے
کہ انہیں اپنے ساتھیوں کی حراست کی خبر مل گئی۔ فوراً واپس لوٹے
لیکن ان کے آنے سے پہلے انہیں شہید کر دیا گیا۔ واقعہ یوں تھا کہ
یوسف اسکندری نے ان اصحاب کے مقاصد پر شبہ کر کے انہیں
ملک کے سامنے پیش کیا تاکہ ان کا بخوبی اظہار لیا جائے اور ان سے
ان کا ایمان اور مدعا پوچھا جائے۔ جس کے جواب میں مسیحی جوانوں
نے نہایت پُرجوش طریقہ سے کہا "کہ ہم محمدؐ کی نہیں بلکہ مسیح
کی بشارت دیتے ہیں"۔ اور ساتھ حضرت محمد کی تضحیک بھی کی۔
جس سے ملک کا غصہ بھڑک اٹھا اور سپردِ آگ کر دینے کا حکم دیا۔
لیکن آگ نے مطلقاً انہیں ضرر نہ پہنچایا۔ اس سے خوفزدہ ہو کر ملک
نے انہیں آزاد کر دیا۔ لیکن جب قاضی اور یوسف اسکندری کو
علم ہوا کہ وہ مسیحی اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہیں تو نہایت خفا
ہوئے اور ملک سے آکر کہا۔ تو کرتا کیا ہے؟ کیوں ان مسیح پرست لوگوں
کو قتل نہیں کرتا؟ ملک نے جواب دیا۔ میں ان میں جرم کی کوئی وجہ

Scanned with CamScanner

نہیں پاتا۔ جس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو سب لوگ مسیحی ہو جائیں گے اور مذہب اسلام معدوم ہو جائے گا۔ لیکن ملک نے پھر کہا۔ تم کیا چاہتے ہو کہ میں کروں؟ کیونکہ میں اُن میں موت کے قابل مجرم نہیں پاتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اُن کا خون ہماری گردنوں پر ہو۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی مکہ کا حج نہ کر سکے تو وہ ایک مسیحی کو کیفرِ کردار کو پہنچائے تب اُس کو معصیت سے مغفرت حاصل ہوگی۔ سورات کو ملک۔ قاضی اور یوسف اسکندری نے حاکموں کو روانہ کیا کہ وہ انہیں گرفتار کر کے لائیں اور صبح ہونے سے پہلے انہیں ابدی خوشی کو پہنچا دیا۔ اب تو جوشِ انتقام اور بھڑک اٹھا۔ خون منہ لگ گیا تھا۔ اِس لئے جب تھامس۔ جیمس اور دیمتریوس کو شہید کر چکے۔ تو برادر پیٹرس جو کسی اور جگہ مقیم تھا پکڑ لائے اور اُسے سخت ایذائیں پہنچا کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ وہ کسی طرح ایمان سے انکار کرے لیکن خدا کا بندہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ سو تیسرے دن شہید کر دیا گیا۔ اُس وقت کے مسیحی منتشر حالت میں تھے لیکن مغربی ساحل پر مالابار سے کراچی تک پائے جاتے تھے۔ لیکن وہ بہت مُردہ مسیحی ہو گئے تھے۔ وہ ایمان کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے بلکہ مقدس توما کو ہی مسیح سمجھتے تھے۔ اِن میں سے تین سو نفوس کو فرائر جارڈنوس نے بپتسمہ دیا۔ اِس مسیحی جماعت میں بُت پرست اور سارسانی دونوں شامل مسیحت تھے۔ بُت پرستوں میں کلام اللہ کی منادی کرنا آسان تھا۔ کیونکہ کوئی کسی کو بپتسمہ لینے سے منع نہ کرتا تھا۔ نیز وہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہند میں دو یا تین سو درست پاسبان

ہوں جو ایمان داری اور جوش سے عالمگیر ایمان کی بشارت دیں تو کوئی ایسا سال نہ گذرے گا۔ جس میں دس ہزار سے زائد لوگ مسیحی ایمان میں شامل نہ ہوں!

واسکوڈی گاما نے تمام زمانۂ سلف کے راز کو افشاں کر دیا۔ اور جنوبی ہند میں مسیحی سلاطین و مسیحی جماعت کی موجودگی پر مہر ثبت کی نیز بعد کے پرتگالی محققوں نے مقدس توما کی بشارت اور موت کی تصدیق کر دی۔ بیان یوں ہے کہ ۱۴۹۷ء کو واسکوڈی گاما اپنے مقام لزبان سے اپنے مشہور سفر ہند پر چل دیئے۔ اور افریقہ کے جنوبی حد منتہا سے گذرتے ہوئے ساحل مالابار میں کالی کٹ کے مقام پر مئی ۱۴۹۸ء کو اترے۔ اور ہند کی کیفیات و معلومات سے اہل پرتگال کو مطلع کیا جس سے ان لوگوں کے دل میں ہند سے مستقل تجارت کی رسم پیدا کرنے کا خیال ہو گیا۔ واسکوڈی گاما دوبارہ ۱۵۰۲ء میں وارد ہوئے۔ اور اس وقت یہ کوچین میں پہنچے۔ یہاں کے مسیحیوں نے یہ معلوم کر کے کہ یہ مسیحی شاہ کی رعایا ہے۔ اپنے نمائندوں کو بھیجا تاکہ وہ انہیں اپنی نیابت میں لے لیویں اور ان کے دستگیر ہوں اور تابع فرمان ہونے کے نشان میں شاہی عصا کو پیش کیا۔ جو ان کے مسیحی بادشاہوں کا تھا۔ اس کو واسکوڈی گاما نے شاہ پرتگال کے نام پر قبول کر لیا۔ اور بہت مراعات و انعامات کے وعدے کئے۔ جس پر شاہ پرتگال نے الیدا کو نائب السلطنت کا خطاب دے کر ۱۵۰۵ء میں بھیجا۔ لیکن وہ بدقسمتی سے مصری اور شاہ محمد شاہ

سے جنگ کر کے میدان ہند میں بندر چیال پر کمیت آیا جس پر آلمیدا کے والد نے اِنتقام لینے کی ٹھانی اور بہت بڑی فوج لے کر اس نے بندرگاہ ڈیو کو فتح کیا اور قیدیوں کو قتل کر کے اپنے اِنتقام کی آگ کو بجھایا۔ بعدازاں البوکرکی محافظِ تجارت ہو کر آئے اور پرتگش کشتی سے کالی کٹ اور گوا کو فتح کر لیا۔ اور گوا کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ ملک کے راجاؤں نے بہت کوشش کی کہ اِسے سر کریں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ جس پر البوکرکی مشرقی شاہ کی شان میں رہنے لگا اور سیام۔ جاوا اور سماٹرا سے تجارت شروع کر لی اور خلیج فارس کی بندرگاہ آرموز کو بھی فتح کر لیا۔ بعد میں پرتگالیوں نے ۱۶ صدی میں عظیم الشان ترقی کی۔ لنکا۔ چینی ماکو۔ ڈیو کو فتح کر لیا اور جب شاہ احمد نگر۔ بیجاپور اور زموَرن کالی کٹ نے متحدہ حملہ کیا تو بھی ناکامیاب رہے۔ اِن کا ستارہ عروج پر تھا۔ اِس لئے اب شاہ بنگال نے شیر سنگھ کے خلاف اِس سے مدد چاہی جس سے اِنکا راستہ بنگال کو بھی کھل گیا۔ سوگولا پر انہوں نے اپنا تجارتی مرکز بنایا مشرقی ساحل ۱۲،۰۰۰ میل ان کے قبضہ میں آگیا جس پر ۴۰ کارخانے تھے۔ یہ اب با اقتدار اور بارسوخ لوگ تھے۔ کارِ سلطنت میں نمایاں دسترس رکھتے تھے۔ اب کوئی خوف و خطر نہ تھا اِس لئے انہوں نے مسیحیت کی تعمیری بیخ و بن پر تحقیقاتی نظر ڈالی اور ۱۵۱۷ء میں انہیں ایک جگہ کا سراغ لگا جو ویران سی تھی۔ جو جنگل نما اور ہر اطراف صلیبوں سے پُر۔ اس جگہ ایک بھی مسیحی رہائش پذیر نہ تھا۔ اِس لئے ایک مسلمان نے دریافت کرنے پر بتایا کہ

اس معبد کی تہ میں مقدس توما کا بدنِ مبارک مدفون ہے ۱۵۲۳ء میں مزید کھدائی کی گئی سو معبداللہ کی تہ میں سے دو اشخاص کی ہڈیاں پائی گئیں اور نیزہ کا سرہ بھی ساتھ ہی دبا ہوا ملا۔ جس سے یہ یقین پیدا ہوا کہ یہ کوئی مسیحی ہیں۔ لیکن دونوں اشخاص کی ہڈیوں میں بہت فرق تھا۔ کیونکہ ایک کی ہڈیاں بالکل سفید اور چمکیلی تھیں جس سے اندازہ لگایا گیا کہ یہ مقدس توما کی ہڈیاں ہیں۔ اور دوسری اُس بادشاہ کی ہڈیاں ہیں جو ہندی مسیحی تھا۔ مقدس توما کی ہڈیوں کے تبرکات کو پرتگالی گوا لے گئے۔ جو اُن کا دارالحکومت تھا۔ اور وہاں نقرائی مزار بنائی لیکن باقی ہڈیوں کا کچھ حصہ اور نیزہ اب تک میلاپور کے گرجا میں محفوظ ہے۔ انہوں نے دو اور جگہوں کا پتہ لگایا جو متبرک سمجھی جاتی ہیں مقدس توما کی پہاڑی جو فورٹ سینٹ جارج سے ۸ میل جنوب مغرب کو واقع ہے نیز ۱۵۴۷ء میں جب معبداللہ مذکورہ کی عظیم الشان بیت اللہ کی تشکیل میں بنیادوں کی کھدائی ہو رہی تھی تو ایک چوڑا مستطیل نما پتھر ملا جس پر صلیب کندہ ہے اور کہا جاتا ہے۔ کہ اس پتھر سے ۱۸ دسمبر کو ہر سال خون پسینہ کی طرح بہتا ہے اور اس عجیب حیرت خیز پتھر کی بنا پر آرچ بشپ گوا نے ۱۵۹۹ء میں یادگاری کا دن مقرر کیا۔ لیکن اب معجزانہ خون نکلنا بند ہو گیا ہے۔ ایک اور چھوٹی سے پہاڑی کی چٹان کے زیر ایک غار ہے۔ اور یہ غار بھی فورٹ سینٹ جارج کے جنوب مغرب میں تقریباً ۶ میل پر ہے۔ اس کے متعلق یہ

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں مقدس توما نے پناہ لی تھی۔ جبکہ اُس کی جان کے دشمن اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس غار میں مقدس توما کے پاؤں کے نشانات بھی دکھائے جاتے ہیں جو چشم بصیرت والوں کو نظر آتے ہیں۔

گو مذکورہ بالا روایات میں زیادہ حقیقت نہ ہو لیکن مرکزی امر قابل یقین ہے۔ کہ مقدس توما ہندوستان آئے اور شمالی ہند میں گنڈافرس اور واسودیو کے ایام میں اور جنوبی ہند میں پہلوی خاندان کے شاہ کے زمانے میں جو پارتھین خاندان سے ہی متعلق تھے بشارت دی۔ لیکن موجودہ محققین جو مندرجہ بالا شہادتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس بات پر مصر ہیں، کہ مقدس توما نے نہیں بلکہ توما قانا نے مسیحیت کی ہند میں اشاعت کی۔ جو جنگ اغلباً ۳ صدی عیسوی میں جنوبی ہند میں وارد ہوئے اور تاجر تھے۔ انہیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کی روائت میں اور مقدس توما کی روائت میں حد فاصلہ غیر متنہا ہے۔ کیونکہ توما قانا کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیحیوں کی نسبت جو قبل ازاں موجود تھے صحیح حالات دریافت کرنے آئے اور جلدی واپس چل دیئے۔ نیز اگر مقدس توما کی تبلیغ و بنائے کلیسا ہند پر بزرگان قدما کو شبہ ہوا تو معاملہ دونوں روایات میں الجھن پیدا ہو جاتی لعد ایک دوسری میں متوسل اور جذب ہو جاتیں۔ یہاں تک کہ تفریق مشکل نظر آتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دونوں واضح روایات میں زمان و مکان کا فرق نمایاں ہے اور بیانات اور شخصیتوں

میں بُعد المشرکین ہے +

سا بعض محققین تو یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ مقدس توما کا ہند میں آنا محض ایک روایت ہے۔ اور ہندی مسیحیوں نے اپنی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے کسی رسول سے اپنے آپ کو منسلک کرنے کے لئے وضع کرلی ہے۔ جیسا کہ برطانیہ میں بے بنیاد روائت ہے۔ کہ مقدس پولوس نے برطانیہ میں اشاعت کی لیکن یاد رہے کہ مقدس پولوس کے نام کی ایک بھی کلیسیا آج برطانیہ میں موجود نہیں۔ اور کبھی کسی کلیسیا نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ ہماری بنا مقدس پولوس کی اشاعت ہے۔ اور نہ ہی کسی نے کوئی تواریخی شہادت پیش کرنے کی جرأت کی۔ لیکن ہند میں امر دیگر ہے۔ یہ محض روائت نہ تھی بلکہ ایمان مسلمہ ایمان۔ جو لوگوں کے دلوں میں گڑ چکا ہوا تھا۔ اور آج تک کوئی ایسی دلیل پیدا نہیں کیگئی جو اس امر کو اُن کے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹا سکے۔ اس لئے ایمان قبل تھا۔ اور پیش پیش۔ تاریخ اس ایمان پر وضع ہوئی۔ اگر تاریخ سے قبل یہ مسلمہ امر نہ ہوتا بلکہ تاریخ کے بعد مسیحیوں کی یاد دہانی کرائی جاتی تو غلطی اور شبہ کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ممکن ہوسکتا تھا کہ تاریخ بے بنیاد ہوتی لیکن اگر تاریخ مستند ہے جو بعض جید علما کی گواہی پر مبنی ہے جیسا کہ کلیمنٹ اسکندری۔ جیردم۔ مارکو پولو۔ واس کوڈی گاما۔ تو ایمان تو اس سے بھی قبل مسلمہ ہے۔ لہذا شک کی کوئی

گنجائش نہیں۔

عموماً اہلِ ہند کے افراد پہ یہ دھبا لگایا جاتا ہے کہ وہ روائت کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور اُس کے ملزوا در فروعات کو ہر پہلو سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ مقدّس تُوما کی تبلیغ ہند سے متعلق نہ تھی بلکہ جیسا کہ یوسیبیس نے تحریر فرمایا ہے پارتھیا اُس کا دارالاشاعت تھا۔ جس سے اغلباً مراد مصر اور عرب تھا۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ کبھی مصر اور عرب کے مقدّس تُوما کی آمد کا دعوے کیا اور کیا دعوے کرنا محض ہند کا ہی حق تھا؟ سو یہ کسی معنوں میں بھی اختراع وافتراہ نہیں۔ روائت نہیں بلکہ حقیقت کی گرفت ہے۔

بعض محققین کتاب "اعمالِ توما" پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے کہ جب یہ کتاب ظہور میں آئی ہو تو مقدّس تُوما کی اشاعت کا یہ خیال ہندی مسیحیوں میں عود آیا ہو۔ اور کسی تُوما پرستا نے ایسی غرض سے اِس کو تصنیف کیا ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اِس کتاب کا چرچا محققین کے طبقۂ خاص میں ہے۔ اور عوام کو تو اب "تک بھی اِس کا علم نہیں کہ یہ کتاب کیا ہے اور کہاں ہے۔ لیکن اِس سے ایک مستند نتیجہ جو نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ کتاب دوسری صدی کے بعد لکھی گئی تو اِس سے قبل مسیحیوں میں یہ خیال عام تھا کیونکہ نامعلوم اُمور پہ تذکرہ کرنا اور کتاب کی صورت میں تصنیف کرنا امرِ محال ہے۔ سو یہ ایمان "مقدّس تُوما کے اعمال" کو پڑھنے اور سننے سے

پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی کسی خاص زمانے میں پیدا ہوا بلکہ سینہ بہ سینہ فدایان مسیحیت میں پایا جاتا رہا ہے۔ اور آج تک ناخواندہ طبقہ مسیحی بھی اس ایمان کے مقلدین ہیں۔ یہاں تک کہ جارڈ نوس نے معلوم کیا کہ مسیحی لوگ ۱۳۲۰ء میں بھی مالابار کے ساحل پر مقدس توما کو ہی مسیح اور اپنا ہادی سمجھتے تھے لیکن اب ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر مقدس توما کی آمدِ ہند ایک مسئلہ ہوتا تو اس میں شک کی گنجائش تھی لیکن قدیم ایمان پر شک نہیں کیا جا سکتا جب کہ بلا ریب اس ایمان پر کلیسیا میں قائم ہیں اور اپنی پشت پر نامعلوم زمانہ سابقہ کی روائت کی مستعمل ہیں۔ فرض کریں کہ کتاب اعمال توما وجود میں نہ آتی تو کیا تب بھی لوگوں کا یہ ایمان و یقین نہ ہوتا؟ ضرور ہوتا۔ جب کہ مقدس توما نے اپنے خون سے ان کلیساؤں کی بنیاد ڈالی۔ اور اپنے اس مقولہ کا ثبوت دیا۔ کہ چلو ہم بھی اس کے ساتھ مریں۔ تو وہ حقیقتاً ہند میں مر گیا۔ دفن ہوا یعنی بو دیا گیا تاکہ ہم آج کونپل کی طرح اس کے خون کی بنا سے مسیحی گود میں پھوٹ نکلیں۔ اور ورثہ قدیم کے حامی اور حامل ہوں اپنے برادران کا اشاعتِ ہند میں ہاتھ بٹائیں۔ اور اس اندھیر نگری کو نور جیسے سے منور کر دیں۔ اپنی قربانیوں کو خوشبودار اور لذیذ بنائیں۔ جن سے دنیا متاثر ہو۔ اور مسیحی نام کا علم بلند و بالا کر دیں۔ نیز مقدس توما کی یاد کو ہند میں تازہ کر دیں۔ کیونکہ

منہ کے دیکھے کی تو ہوتی ہے محبت سب کو ۔ تب میں جانوں کہ مجھے بعد میری یاد رہے

دوسرا باب

تاریک زمانہ تواریخ اور ٹمٹماتا ہوا شعلہ

شمالی ہند میں بیرونی حملوں کی اپنی بھرمار رہی اور طوفانِ انقلاب کا ایسا چکر رہا کہ مسیحیت زیر و زبر ہو گئی اور خصوصاً گیارھویں صدی کے شروع ہی میں اسلام نے جب ہند کا رُخ کیا۔ تو شمالی ہند ہی اِن کی زد میں آیا۔ اور محمود غزنوی نے متعصبانہ و غاصبانہ حملے کئے۔ بجے چند اور انگوپال کی یادداشت مٹا دی اور بمبئی۔ لاہور و ملتان تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا۔ اگر کہیں شمالی ہند میں مسیحیت بجھی بجھی تو اُس کو وہ زک پہنچا کہ اُس کا دوبارہ اُٹھنا محال ہو گیا۔ بُدھ مت کو بیخ و بُن سے اکھاڑا گیا۔ ہندو مت کے جائے سجود سومنات۔ قنوج اور نگر کوٹ کو پامال کیا گیا۔ اس پر طرّہ یہ کہ جو اسلامی خاندان اِن کے بعد ہند میں وارد ہوئے وہ اِن سے زیادہ متعصب تھے کیونکہ مسیحیوں نے اِن ایام میں مسیحی جہاد کی وجہ سے اِن کے غضب کو بھڑکا دیا تھا۔ پیٹر ہرمٹ نے اسلام کے خلاف یورپ میں ایک ہیجان بپا کیا۔ پوپ نے بھی جنگ میں شریک ہونے والوں

کو مغفرت نامے عطا کئے اور مسیحی افواج نے اسلامیت کا فلسطین میں ایسا زبردست مقابلہ کیا کہ انہیں عاجز کرکے نکالا۔ آخر یسمہ انطاکیہ اور یروشلیم سے ہاتھ دھونا پڑا۔ طبیبانہ و زاہدانہ سپاہیوں نے ظلم و ستم کی حد توڑ دی۔ جس سے دبی ہوئی آگ زیادہ تعصب انتقام کی صورت میں اسلام کے سینے میں بھڑک اٹھی۔ سو جتنے خاندانوں نے اِن واقعات کے بعد اہلِ ہند کی طرف رجوع کیا وہ مذہبی تعصب و انتقام سے معمور تھے۔ خاندان غوری و غلامان کے نامور اشخاص مذہبِ اسلام کے زبردست پرچارک تھے مثلاً قطب الدین۔ سلطانہ رضیہ۔ و غیرہ بلبان۔ اور ملک کافور جو خصوصاً جور و جبر میں نمایاں تھا۔ اِس نے جنوبی ہند میں ۱۳۰۹ء کو تلنگانہ اور ورنگل کو فتح کر لیا۔ اور کورومنڈل کے ساحل پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس کی غیرت اسلام کا اندازہ اِس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اِس نے رامیس رام میں مسجد بنوائی اور اس کے زمانے میں جنوبی ہند میں مسیحیت کو بھی بہت تکلیف پہنچی:

کیونکہ یہ پہلی بار تھی کہ اسلام کا قدم جنوبی ہند میں بھی پہنچ گیا۔ ۱۳۲۱ء کے بعد جب شمالی ہند میں محمد تغلق برسرِ اقتدار آیا۔ تو سلطنت کی وسعت میں تو بہت ترقی ہوئی لیکن یہ ترقی اُس کی حینِ حیات سے ہی مختص تھی۔ کیونکہ اِن کی موت پر ملک عالمگیر بغاوت کا شکار ہو گیا۔ مالوا۔ گجرات۔ جونپور۔ خاندیش اپنی اپنی علیحدہ حکومت بنا بیٹھے لیکن ۱۳۵۹ء میں محمد شاہ۔ جو

گجرات پر قابض ہوا اور پچاس برس تک وہ مسلّط رہا۔ نہایت زبردست منتظم اور سمندری بیڑے کا نہایت اعلیٰ کارکن تھا۔ اس کے بیٹے بہادر شاہ نے دکن پر حملہ کیا اور مسیحی پرتگالیوں سے جنگ کرکے کام آیا۔ چودھویں و پندرھویں صدی میں مسیحیت سے چھیڑ چھاڑ کچھ زیادہ سنگین نہ تھی۔ تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مفقود ہو گئی تھی۔

سولھویں صدی کے وسط میں جب مغلیہ خاندان کا شاہ اکبر اعظم ۱۵۵۶ء میں تخت پر رونق افروز ہوا تو شمالی ہند میں دبی ہوئی مسیحیت دوبارہ نمایاں ہوئی۔ اس کے دربار میں مسیحی عالم موجود تھے۔ اس کی حکمتِ عملی مذہب کے بارے میں وسیع تھی اور وہ تمام مذاہب میں یکسانیت و اتحاد کا دل سے حامی تھا لیکن مذہب عیسوی کا دلدادہ۔ اس کا معیار و کسوٹی مسیحیت تھی۔ جب جیسوئٹ مشنریوں نے اس کے سامنے خداوند مسیح اور مقدسہ مریم کے مجسموں کو پیش کیا تو یہ سربسجود ہو گئے اور نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اس کا یہ ڈیڑ اسلامیت کو پست ہمت کرنے کے لئے کافی تھا۔ تو بھی اس نے اور نمایاں اسلامی دستورات میں تبدیلی کر دی۔ سنِ ہجرت بدل دیا۔ مطالعہ عربی اور اسلامی علم الٰہی کی درس و تدریس بند کر دی داڑھی پر امتناعی حکم نافذ کیا کیونکہ وہ تو "دینِ الٰہی" کا پیروکار تھا اب آہستہ آہستہ دوبارہ مسیحیت شمالی ہند میں پھوٹنے لگی۔

کیونکہ ۱۶۱۵ء میں بادشاہ جیمس اوّل نے جہانگیر کے دربار میں سر تھامس رو کو بطور سفیر بھیجا۔ اور شاہ نے سفیر کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو خاص مراعات عطا کیں جس سے ۱۶۲۰ء

میں انہیں پٹنہ میں کارخانہ بنانے کی اجازت مل گئی اور ڈاکٹر بوٹن کے علاج کی وجہ سے بنگال میں بھی رہائش کا موقع ملا۔ کیونکہ ڈاکٹر موصوف نے بادشاہ کی دختر نیک اختر کا علاج و تیمارداری کی تھی نیز جب شاہ کا دوسرا بیٹا بنگال میں نائب السلطنت مقرر ہوا اور اس نے راج محل کو اپنا دارالحکومت بنایا تو اتفاقاً شاہی حرم سرائے سے ایک خاتون بیمار ہوگئی اور جب وہ بھی ڈاکٹر موصوف کے علاج سے درست ہوگئی تو انگریزوں کو ہگلی اور بلاس پور میں کارخانے بنانے کی اجازت ملی۔ ان کا پہلا کارخانہ کورومنڈل کے ساحل پر بمقام میسولیٹم میں تھا اور بعد میں ارمیگوم پر قائم ہوا لیکن جب وہاں تجارت کو فروغ حاصل نہ ہوا تو راجہ چندر نگری کی دعوت پر انگریز اس کے علاقہ میں داخل ہو گئے۔ اور مدراس پٹم پر اپنا کارخانہ قائم کیا جہاں کمپنی کو اُسے قلعہ بند کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔ اور انہوں نے اس کا نام سینٹ جارج فورٹ رکھا اور اس کے گرد موجودہ شہر مدراس قائم ہو گیا۔ سورت ۱۶۶۲ء تک انگریزوں کی جائے منڈی رہی لیکن جب چارلس دوئم کی شادی شاہ پرتگال کی لڑکی کیتھرین سے ہوئی تو شاہ پرتگال نے بطور جہیز شہر بمبئی عطا کر دیا۔ اور کمپنی وہاں منتقل ہو گئی۔ لیکن یہ سب کچھ نہایت سرعت سے ہو رہا تھا کیونکہ مسیحیت کے اب اتنے مخالف نہ تھے۔ شاہ جہان کے دربار میں بھی بہت سے یورپین مسیحی رہتے تھے اور شاہ کا ایک بھتیجا بھی مسیحی تھا۔ نیز بادشاہ خود اپنے ہار میں صلیب لٹکائے رکھتا تھا۔ شاہ دارا

یسحی اثر سے دُور نہ تھا۔ اور اغلباً یہ تمام اُس نئے عہدنامہ کی تلاوت کرتے تھے جو جیسوئٹ مشنریوں نے ترجمہ کرکے شاہ اکبر کو پیش کیا تھا۔ شاہ فرخ سیر کے زمانے میں بھی ڈاکٹر ہملٹن نے جو مشن کے طبیب اعلےٰ تھے۔ شاہ فرخ سیر کی راجپوت ہندو منکیتر کا علاج کرکے کلکتہ کے گرد ۱۰ مربع میل کا قطعہ انگریزوں کو دلایا لیکن مسیحیت کے خلاف جو ردِعمل واقع ہوا۔ وہ اورنگ زیب کے زمانے سے متعلق ہے۔ اس نے لاہور میں گرجہ کو گرا دیا۔ نظام سلطنت سے ہندوؤں کو نکال دیا۔ منکرین اسلام پر جزیہ لگایا۔ بنگال اور مدراس کے ہندو بت کدوں کو مذہبی جوش میں منہدم کردیا۔ تلوار یا اسلام اس کا نعرہ عام تھا۔ دکن پر اس نے پے در پے حملے کئے اور جنوبی ہند کی مسیحیت کے لئے اس نے بہت خطرہ پیدا کردیا۔ ۱۶۶۰ء سے ۱۷۰۷ء تک تو اس کی شخصی مردانگی نظم حکومت اور شان وشکوہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو بھی اس کا دل سے کوئی خیرخواہ نہ تھا۔ اس کی تجاویز سخت اور دل شکن تھیں جس سے سترھویں صدی کے آخر میں ایک اور مذہب نما سیاسی گروہ ۱۶۷۵ء میں گرو گوبند سنگھ کے ماتحت پیدا ہوگیا جس نے سکھوں کو منظم کرکے فوجی نظام میں ڈھالا اور ذات پات کی تمیز اڑا دی۔ اور جماعت میں یہ احساس پیدا کیا کہ سکھ جماعت کا ہر فرد پیدائشی سپاہی ہے اور خاص سپاہیانہ لباس سے ملبوس رہنے لگے۔ جب یہ گروہ زبردست ہوگیا تو انہوں نے پے درپے اسلامی بادشاہوں سے جنگ کی جو مغلیہ خاندان

کے اِس بادشاہ اورنگ زیب کے لئے تباہ کاری اور انتشار کا باعث ہوئی۔ نادر شاہ نے اِس درہم برہم حالت پر ایک ضرب کاری لگائی اور سلطنت پاش پاش ہو گئی۔ اب مغلیہ حکومت محض تواریخی تصوّر بن گئی۔ کرناٹک کا نواب آزاد ہو گیا۔ دکن کا بقیہ علاقہ نظام اور مرہٹوں میں منقسم ہو گیا۔ گجرات اور مالوا میں پیشوا برسرِ اقتدار آ گئے۔ راجپوتانہ کے راجاؤں نے عقیدت کا رشتہ توڑ دیا۔ اودھ اور بنگال کے نائب السلطنت اب خود شاہ کو اپنا نائب سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ عین دار الحکومت کے قرب و جوار میں خود مختارانہ ڈھول بجنے لگے۔ اور سلطنت کا عصا یورپین تاجروں کے ہاتھ منتقل ہو گیا جو آہستہ آہستہ سمندر اور ملک پہ قابض ہو رہے تھے۔

اِس اقتدار اور وسعت کے ساتھ ساتھ گو اِن مسیحی تاجروں کا اثر و تبلیغ محدود نو تھی لیکن جاری رہی کیونکہ عین ۱۶۰۷ء میں ہی جب سر تھامس رو بحیثیت سفیر جیمس اول کی طرف سے ملکِ ہند میں بھیجے گئے تو وہ کچھ عرصہ سورت میں ٹھہرنے کے بعد اجازت نامۂ تجارت کے لئے دربارِ جہانگیر میں اجمیر پر کورنش بجالائے۔ اِس وقت اِن کے ہمراہ سرکاری پادری جان ہال بی۔ اے تھے۔ جو مگدلینی کالج آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ تھے لیکن تھوڑے عرصہ کے قیام کے بعد بعارضہ بخار بہ راہئ ملک بقا ہوئے۔ لیکن سر تھامس رو نے بلا ہادئ دین رہنے کی حالت کو گوارہ نہ کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کو لکھا کہ میں یہاں دہریہ کی سی

زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ کسی سرکاری
پادری کو میرے پاس بھیجا جائے۔ کیونکہ خدا کے تسلی بخش
کلام اور ساکرامنٹ کے بغیر رہنا میرے بس میں نہیں۔ لہٰذا
ان کی درخواست کے بموجب پادری ایڈورڈ ٹیری بھیجے گئے
جو نہایت ہونہار و ادبیات میں ماہر عالم تھے۔ اور ادھر ہند میں
کچھ دنیوی استحکامت بھی نصیب ہوئی اور ۱۶۱۲ء میں
سورت انگریزی تجارت گاہ بن گیا۔ اور شہزادہ خرم بھی
انہیں لطف وکرم کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ جس سے ان کے
دلوں میں مسیحی خیالات کی وضاحت کا اور بھی خیال پیدا
ہوا۔ یہاں تک کہ پادری ولیم بسکلے نے جیسوئٹ مشنریوں
سے بحث مباحثہ شروع کردیا۔ اور پادریوں کی عظمت ومنزلت
حکام وعوام میں بڑھنے لگی۔ ان کا اقتدار یہاں تک بڑھا کہ
پادری پیٹر راجرز نے کمانڈر ڈوٹن کی ان کے دعا ونماز سے
غافل ہونے پر شکائت کی اور اس کی جواب دہی ہوئی ۱۶۱۷ء
میں تھامس فرائنڈ سے ایم اے تشریف آور ہوئے اور انہوں نے
ہند میں متواتر ۱۲ سال خدمت کی اور ان سے قبل ایک اور
سفر کرنے والا شوقین پادری کیپ لینڈ ۱۹-۱۶۱۲ء تھے۔ جنہوں
نے ہند کا کئی بار سفر کیا وہ سفر کی کسی دقت سے نہ گھبراتے
تھے۔ اور انگریزوں اور ڈچ میں ملاپ واتفاق کی پرزور
حمایت کرتے تھے اور تبلیغ کو وسعت دینے میں ایڑی
چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ جب یہ بنگال میں آئے تو انہوں

نے ایک لڑکے کو بپتسمہ کے لئے تیار کیا۔ اور اُسے اپنے ساتھ واپس انگلستان لے گئے جہاں بپتسمہ کے لئے کمپنی کے ڈائرکٹروں سے اجازت چاہی لیکن انہوں نے اس معاملہ کو اہم سمجھتے ہوئے آرچ بشپ کے حضور پیش کیا جنہوں نے بہت غور و خوض کے بعد فرمایا کہ انہیں کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی جس سے ہندوستانی لڑکے کو بپتسمہ نہ دیا جائے۔ لہٰذا ہندوستانی لڑکے کا بپتسمہ لندن میں ۲۲ دسمبر ۱۶۱۶ء میں ہوا اور شاہ جیمس اول نے اس کا نام "پطرس" رکھا۔

مدراس میں مسیحیت کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی۔ لیکن بمبئی میں بھی ۱۶۶۲-۱۷۱۸ء تک مختلف سرکاری پادری والس۔ پراٹ۔ فنیس ہیلیٹ وغیرہ کام کرتے رہے اس لئے ۱۷۱۸ء میں نہایت خوشی اور گیتوں کی پُر زور صداؤں میں معبد اللہ تعمیر ہو گیا جس میں انگریزی و دیسی مسیحی سب شریک عبادت ہوتے تھے لیکن ۱۷۶۱ء میں پادری جے لون اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ کلکتہ میں کام کرنے لگے۔ کیونکہ کلکتہ میں اس وقت حالات بہتر ہو گئے تھے اور ہگلی پر کارخانہ بن گیا تھا۔ جس کی وقعت وہی تھی جو سورت۔ بمبئی۔ اور مدراس کو حاصل تھی لہٰذا مسیحیت کے لئے یہاں پر زور دیا گیا اور مسٹر لیتھم ماسٹر۔ میتھاس وفسنیٹ اور رچرڈ موہن نے چارلس دوئم کے عہد میں دسمبر ۱۶۷۹ء میں ہگلی میں یہ قوانین نافذ کئے۔

کہ اگر کوئی پروٹسٹنٹ ہماری حدود میں آکر رہائش پذیر ہو اور ایک ہفتہ تک وہ صبح و شام کی نماز سے غافل رہے تو اُس سے ۱۲ پنس وصول کئے جائیں گے اور عدم ادائیگی پر وہ ایک ہفتہ تک اپنے گھر کے اندر بند رکھا جائے گا۔ اگر ملازم کمپنی جو مسیحی ہے اتوار کو غیر حاضر ہو تو اُس سے بھی ۱۲ پنس وصول کئے جائیں گے اور اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو وہ اپنے گھر کے اندر بند رہے گا۔ ایسی جدت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں مسیحی غیرت تھی۔ اور چاہتے تھے کہ خُدا کا نام پاک مانا جائے۔ اور اس کی تعظیم واجب طور پر ہو اس لئے کمپنی کی حدود میں جھگڑے۔ حرامکاری۔ عیاشی اور بغاوت کی سزا اسینٹ جارج کی حوالات میں بند کرکے رکھاتی تھی۔

اِن حالات کے بعد انگلستان میں اور تبلیغی بیداری پیدا ہوئی چنانچہ ۲۱ رجون ۱۶۸۱ء میں بشپ فل نے ایچ بشپ سانکرافٹ کنٹربری کو لکھا کہ ہمیں اس بات میں کافی شرم محسوس ہوتی ہے کہ باوجودیکہ ہم مشرق میں بخوبی تجارت کر رہے ہیں اور ہمیں کافی سے زیادہ اقتدار حاصل ہے تو بھی ہم نے ہندی لوگوں میں اشاعت کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں دی۔ اس امر میں پاپسٹ اور ہالینڈ کے مشنری ہم سے پیش پیش ہیں۔ لہٰذا تبلیغی تجویز کو عمل میں لایا جائے سر جوشیا چائلڈ جو اس وقت ڈائرکٹروں میں بانی ہوئی ہستی تھے انہوں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور بشپ فل

کی موت کے بعد ناروچ کے ڈین پرائیڈرح ہندوستانی تبلیغ کی تحریک کے محرک بن گئے اور انہوں نے پیش کیا کہ جب کہ ڈچ حکومت نے ۳۰ پادریوں کو مقرر کیا ہے کہ وہ ہند میں تبلیغی کام کو جاری رکھیں تو مقابلتاً انگریزی کمپنی کیوں خاموش ہے۔ لہٰذا اس نے تجویز پیش کی کہ ہند میں کام کرنے والے خدام دین کے لئے انگلستان میں سیمنری بنائی جائے۔ اور ۱۷۹۸ء میں اس تجویز پر یوں اضافہ ہوا۔ کیونکہ چارٹر میں پاس ہوا کہ جس جگہ پادری مقیم ہوں اس حلقہ کی زبان سے انہیں واقف ہونا چاہیئے اور اگر ایک پادری مر جائے تو فوراً اس کی جگہ پُر ہی دوسرے آمدہ جہاز کے نئے پادری کی تعیناتی سے کی جائے لہٰذا اس وقت انگلستانی لوگوں میں بھی تبلیغی جوش بہت تھا۔ جو ہم دیکھیں گے کہ بعد میں کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مشنوں نے مل کر اس کو دوبارہ فروغ دیا۔

جنوبی ہند

زمانہ متوسط میں اس کلیسیا کو کئی تاریخی مناظر میں سے گذرنا پڑا۔ ہنود اور اسلام کا مقابلہ ہر وقت درپیش تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ یہ پودا خون سے پیدا ہوا تھا اور خون ہی سے سینچا جاتا تھا۔ مسیحیوں میں قربانی کی روح عام تھی۔ اور ہر مصیبت کو وہ خداوند مسیح کے نام میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ وہ ذلت میں بھی خوش رہتے تھے۔ کیونکہ وہ ذلت میں مسیح کے جلال کو دیکھتے تھے اور جب ایذا رسانیوں کی وجہ سے کمزور ہوتی

رہی تو جنوبی ہند کی کلیسیا کے درخت کی فروعات تو کٹ کر گر گئیں لیکن زندہ پودہ ہر صدی میں قائم رہنے والا پیدا ہوا اور بڑھتا گیا۔ حوادثِ عالم اور سیلابِ تعصب نے کئی دفعہ اس کو تار و پود سے بھی اکھاڑ پھینکنے کی ٹھان لی لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ اِس لئے پے در پے ملکِ فارس سے مسیحی گروہ کوچین اور ٹراونکور میں آتے اور معتقدیوں کو تسلی دیتے اور خود بستے گئے خصوصاً چوتھی صدی میں تو اِن کا بہت زور تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک فارسی سوداگر بنام مروان سبر یشو موضع قیولان میں بمعہ کافی تعداد مسیحی جماعت لے کر داخل ہوا۔ اِس جماعت میں دو بشپ صاحبان بھی تھے جن میں سے ایک کا نام مار سپرو یا شاپور اور دوسرے کا نام مار پروتھ یا الپراث تھا جس کو افراس بھی بتایا جاتا ہے جو نام کہ پیتل کی تھالیوں پر منقوش تھے۔ جہاں یوں مرقوم ہے "افراس چہار بخت سوریا" جس کا مطلب افراس چہار بخت سوریائی ہے اور اغلباً اِس کی تاریخ ۸۲۵ء ہوگی۔

اِس وقت مالابار میں راجہ چیرال پیرومل حکمران تھا۔ جو بعدہٗ انتظامِ سلطنت چھوڑ کر عرب چلا گیا۔ اور وہاں مذہب اِسلام اختیار کر کے کبھی واپس دیش کو نہ لوٹا اور وہیں مر گیا۔ بہت عرصہ تک اس کی موت کو در پردہ رکھا گیا تاکہ سلطنت میں بدنظمی پیدا نہ ہو لیکن تِس پہ بھی سلطنت دو حِصّوں میں منقسم ہوگئی اور راجہ کوچین اور ٹراونکور خود مختار ہو گئے تو بھی باوجود اِس انتشار کے مروان سبر یشو نے قیلون میں بیت اللہ تعمیر کیا اور

جنوبی ٹراونکور کا راجہ بنام عثیان مسیحیت سے بہت متاثر تھا اس
لئے اس نے پیتل کی سات تختیوں پر ایک چارٹر تحریر فرمایا
کہ سرکار مسیحی جماعت کی نگران ہے اور کلیسیا کو زمین مقبوضہ کے
محاصل لینے کا بھی حق ہے۔ افسران سرکار سے یہ براہ راست
اپنا تعلق رکھ سکتے ہیں۔ ایسے اور بھی کلیسیا کی بہتری و عظمت
کے حقوق بطور قانون درج ہیں۔ جو تعداد میں ۷۲ تک بتائے
جاتے ہیں۔ ان سات تختیوں میں سے دو پیتل کی تختیاں
غائب ہیں۔ لیکن دو تیرولا میں مارتھوما کلیسیا کے قبضہ میں ہیں
اور تین جیکو بائٹ سیری کوٹایم میں محفوظ ہیں نیز کوٹایم میں
ایک پرانی صلیب بھی ہے جس کی تاریخ ۱۰ صدی بتائی جاتی ہے
اس پر پہلوی زبان میں کچھ حروف کندہ ہیں اور سریانی میں
گلتیوں ۶:۱۴ مرقوم ہے۔ نیز گذرے سالوں میں چھوٹی چھوٹی
اور بھی بہت سی صلیبیں دریافت ہوئی ہیں۔ ایک کا پتہ ۱۹۲۱ء
میں شمالی ٹراونکور کے مقام کوٹایم سے لگا اور دوسری کوچین
ریاست کی سرحد کے قریب مٹو چیرا گاؤں میں دریافت ہوئی ہے
جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دسویں صدی میں مسیحیت بہت
عروج پر تھی اور جو پہلا مسیحی بادشاہ مقرر ہوا وہ بیلارت یا دلیا
روتا کہلاتا تھا۔ اس بات کا ذکر پوپ جان بائیسواں[۲۲] کے خط
سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آخری مسیحی بادشاہ اپنا جانشین
چھوڑے بغیر مر گیا تو دیناپوریا اودھیاپور نے اس کی جگہ لے لی
اور جس سے مسیحیت کو بہت زک پہنچا اور وہ ایسی ہو گئی جس

Scanned with CamScanner

کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ ایسے انتشار کے وقت خدا نے واسکوڈی گاما کو ۱۵۰۲ء میں جنوبی ہند کا راستہ دکھایا۔ وہ اپنے مسیحی بھائیوں کو دیکھ کر نہایت حیران ہوا نیز اس بات سے اس کو اور بھی حیرت ہوئی کہ مسیحی بادشاہ بھی ہو چکے تھے۔ جنوبی ہند کے مسیحیوں نے بصورت وفد واسکوڈی گاما کے روبرو پیش ہو کر اپنی حفاظت و امان چاہی اور مسیحی شاہی عصا اُس کو پیش کیا جو بصد شوق قبول کر لیا گیا۔ تب پُرتگالی جوق در جوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۵۱۰ء میں انسو نے "گوا" فتح کر لیا اور اُسے اپنا دار الحکومت بنا لیا اور ۱۵۳۱ء تک سالسٹ۔ بمبئی۔ بسین اماؤں۔ منگلور۔ کالی کٹ۔ کرانگور۔ کوچین اور تیلون پر چھا گئے لیکن یہ سب سیاسی اقتدار تھا اس لئے بالرضائے الٰہی مسیح خداوند کے مشہور سپاہی و جانثار فرانسس زیوئیر پانچ ماہ کے سفر کے بعد ۶ مئی ۱۵۴۲ء کو ہندوستان کے مقام گوا میں پہنچ گئے تاکہ ہمارے ملک میں مسیحی نور کو پھیلائیں اور جہالت کو دُور کریں۔

فرانسس زیوئیر
۱۵۰۶ — ۱۵۵۲ء

جب آپ نے سرزمین ہند کو شرف قدم بوسی بخشا تو اُس وقت شمالی ہند میں شاہ ہمایون حکمران تھا اور بعدہٗ اکبر اعظم نے عنان سلطنت کو سنبھالا۔ یہ مسیحیت کے خلاف نہ تھا۔ اس لئے مسیحیت کے پھیلاؤ میں سوائے گرد و پیش کے تعصب و جہالت کوئی اور بیرونی رکاوٹ نہ تھی۔ فرانسس زیوئیر نارو سے اور فرانس کے شاہی خاندانوں سے

متعلق تھا۔ یہ ۱۶۰۵ء میں ڈیوٹر کے محل میں پیدا ہوا اور ابتدائی زندگی ناروی بادشاہ کے دربار میں کاٹی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ پیرس کی مشہور یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے گیا۔ اور بہت ہوشیار و عالی دماغ ہونے کے باعث عرصہ ۹ سال کے بعد اسی ادارہ کے عملہ میں شامل ہوکر فلسفے پر درس دینے لگا۔ یہ سب کچھ تعلیمہ میں ہو رہا تھا۔ اس میں خیالات حق کی بلند پرواز ی تو بہت تھی لیکن روحانیت نام کو نہ تھی لہٰذا جب اس کا تعلق کلیسیا سے ہوا تو اس کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہوگئی کیونکہ اُن دنوں ناروے میں پروٹسٹنٹ تعلیم زوروں پر تھی اور دربار میں بھی پروٹسٹنٹ پادری آتے جاتے تھے۔ نیز پیرس بھی تو کفری تعلیم سے متاثر ہو گیا تھا۔ اور کیلون جیسا جیّد عالم اِس کا ہمعصر تھا۔ اور غالباً اُس سے اِس کی ملاقات بھی ہوئی۔ اِن تمام علماء کا اِس کی زندگی پر گہرا اثر ہوا۔ لیکن اگنیشش لائیلا کی زندگی سے یہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اِصلاح کی طرف رجوع کرنے سے منہ موڑ لیا اس لئے ۱۵۳۵ء میں ڈیوٹر صاحب فرماتے ہیں کہ عظیم القدر فیض جو اگنیشش لائیلا نے مجھے بخشا ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے میری کم عقل جوانی کو بدعت فشاں لوگوں کی صحبت کے باوجود بھی قلعہ بند کر دیا ہے۔ پیرس میں میرے ہمعصر آزادی [illegible] اعلےٰ حکمت کے جوش میں ایمان اور اخلاق کی کم قدری کر رہے ہیں۔ اگنیشش لائیلا اصلاح کے سیلاب

کو دُور رکھنے کے لئے رومی کلیسا کا زبردست کارگذار بن گیا۔ اور جیسوئٹ انجمن قائم کر لی۔ اور اپنے مقصد کی انجام دہی کے لئے اُس نے زیویئر کو نہایت موزوں پایا جو خاندانی اور عملی طور پر دُرست آلہ تھا۔ اِس انجمن کا مقصدِ اول غیر مذاہب کے افراد یعنی یہودی۔ ترکی۔ بُت پرستوں کو راہ راست پر لانا تھا۔ جو فرانسس زیویئر میں تا حیات پیش پیش رہا تھا۔

شاہِ پرتگال جان سوئم کی نگاہ میں ہندوستان بھی تبلیغ کا مرکز تھا۔ اِس کو ہند پر قبضہ کئے چالیس سال گزر چکے تھے اِس لئے اِس کے دل میں ہمیشہ خیال رہتا تھا کہ کسی طرح سے ملکِ ہند کو مسیح کے لئے جیت لے لہٰذا ہر جہاز جو پرتگال سے چلتا تھا اُس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں فرانسسی اور ڈومنکنس صلیبی سپاہی بھیجے جاتے تھے جو ہر جگہ جہاں منڈیاں قائم کی جاتی تھیں آشرم اور بیت اللہ تعمیر کر لیتے تھے۔ اور فرانسسکنی تو اِس امر میں بہت ہی تیز تھے، ۱۵۳۴ء میں گوا کو اُسقفی قیام گاہ بنا لیا گیا۔ جس کے ماتحت کئی پریسٹ اور فرائر تھے۔ شاہ امانوئیل اوّل اور شاہ جان سوئم جن کی اتحادی حکومت تقریباً ۵۰ برس تک رہی (۱۴۹۵ء—۱۵۵۷ء) نہایت خواہش مند تھے۔ کہ ہندی لوگ مسیحی ہو جائیں شاہ امانوئیل کو تبلیغ کا خصوصیت سے دلدادہ تھا اور ہند میں مسیحیت کی ترقی کو جب جلدی ہوتے نہ دیکھ کر تو مایوس ہو جاتا تھا۔ اِس لئے اب کر اِس نے جیسوئٹ سوسائٹی کے

یعنی پادری

Scanned with CamScanner

ایک شخص فرانسس زیویئر کو ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے کچھ کر دکھائے اور اُسے خاص مراعات عطا فرمائیں۔ جیسا کہ فرانسس زیویو الوداعی کی شام کو تحریر فرماتے ہیں کہ بادشاہ کی مراعات سے ہم بھرپور ہوئے جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ نائب السلطنت بھی ہوگا اور ہمیں اُس کے سپرد کیا گیا ہے۔ نیز پوپ نے ہند میں تمام موجودہ تبلیغی اداروں پر اِسے پورا اختیار بخشا اور شاہ پرتگال نے ہندی حُکّام کے نام حکمنامہ لکھ بھیجا کہ ان کی تمام ضروریات کو پُورا کیا جائے۔ اِس لئے یہ بہت مطمئن ہو کر ہند میں وارد ہوئے اور ہند پہنچ کر تحریر کیا کہ جو لوگ ہند سے واقف ہیں وہ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر ہند میں ہمارے جیسے استاد وراہ نما ہوں گے جو لالچ وحسد سے پاک ہوں جیسا کہ ہم ہیں تو لوگ بہت جلد مسیحی ہو جائیں گے۔ اور اگر ہم اِس ملک میں نفس کُشی کی رُوح میں چلیں گے اور دنیوی اغراض سے بے تعلق ہو جائیں گے تو اِس میں شک نہیں کہ ہم دو یا تین سلطنتوں پر بہت جلد چھا جائیں گے۔ جب یہ گروہ ۶ رمئی ۱۵۴۲ء کو گوا پہنچا تو شہر گوا مشرقی شان وشوکت سے پُر تھا۔ مخلوط نسل کے بہت سے لوگ رہائش پذیر تھے عظیم الشان کتھیڈرل موجود تھا۔ بشپ وکینس برسر کار تھے۔ لیکن ایک فرانسسکنی کانونٹ اور ایک کالج تھا جس میں ہندوستانی طلبا تبلیغ کے لیئے تیار ہو رہے تھے گو ازاں بعد یہ کالج جیسوئٹ برادری کے ہاتھ منتقل ہو گیا تھا۔

Scanned with CamScanner

فرانسِس زیویر کا تبلیغی مطمحِ نظر اپنے ملکی باشندوں کی اصلاح نہ تھا بلکہ غیر اقوام ہندی افراد کو مسیح کے قدموں میں لانا اس کا نصب العین تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے صرف عرصہ پانچ ماہ تک گوا میں قیام کیا اور ملک کے حالات سے کچھ واقفیت حاصل کی۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ جو مسیح کی صلیب سے الفت رکھتے ہیں وہ دُکھ اور مصیبت بھری زندگی کو بہتر تصوّر کرتے ہیں۔ وہ صلیب سے چشم پوشی کو موت سمجھتے ہیں۔ کیا مسیح کے بغیر رہنے سے موت زیادہ تلخ ہے؟ کیا ممکن ہے کہ جب ہم نے اُس کی عظمت کو ایک بار دیکھ لیا ہو تو دیگر خواہشات کا پیچھا کریں؟ میرا یقین کرو کہ اس کے مقابلہ میں دیگر صلیب ہیچ ہے۔ نیز یہ کتنا دِل خوش کن امر ہے کہ انسان زندگی میں ہر روز مرتا ہے۔ اِس لئے چاہیئے کہ وہ اپنی خواہشات کو مار ڈالے اِس لئے نہیں کہ اُس کی اپنی بہتری ہو بلکہ مسیح خداوند کا جلال اس کے وسیلہ سے ہو۔

عرصہ چھ ماہ کے بعد یہ دیہات کی طرف چل دیئے اور مچھوؤں میں کام کرنے لگے۔ تامل زبان نہ جانتے تھے۔ یہاں تک کہ کسی مشرقی زبان پر انہیں عبور نہ تھا۔ زباندانی کی دقّت کی وجہ سے انہوں نے نہایت عجیب مگر سادہ طریقہ تبلیغ اختیار کیا۔ وہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ میں گھنٹی لے کر دیہات کا دَورہ شروع کر دیا ہے۔ میں گھنٹی کے وسیلہ سے آدمیوں اور بچوں کو جمع کر لیتا

ہوں اور دن میں دو دفعہ جمع کر کے انہیں مسیحی تعلیم دیتا ہوں
ایک ماہ میں بچے تو بخوبی میرا سبق ازبر کر لیتے ہیں۔ تب میں
ان سے کہتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے سیکھا ہے وہ اپنے والدین
رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو سکھائیں۔ ہر سبت کو میں مردوں
عورتوں اور بچوں کو بیت اللہ میں جمع کرتا ہوں۔ وہ بہت
شوق سے خدا کا کلام سننے آتے ہیں۔ میں عقیدہ تثلیث کے
نام میں شروع کرتا ہوں۔ پھر دعائے ربانی۔ فرشتے کا سلام رسولی
عقیدہ اُن کی زبان میں صاف صاف سناتا ہوں۔ سب باری
باری میرے پیچھے کہتے ہیں۔ اور انہیں یہ کہتے ہوئے بہت
خوشی حاصل ہوتی ہے۔ میں عقیدہ کے ہر جملہ کے بعد ٹھہر
جاتا ہوں۔ اور پوچھتا ہوں کہ وہ کیا مانتے ہیں۔ اور کہ ان کے
دل میں کوئی شک تو نہیں۔ لیکن وہ سب اپنے ہاتھوں
کو اپنے سینہ پر صلیب نما رکھ کر کہتے ہیں کہ ہم یقین مانتے ہیں۔
ایسے ہی میں دس احکام سناتا ہوں اور فرشتے کا سلام۔ جو سیکھ
جاتے ہیں انہیں بپتسمہ دیتا ہوں اور آخر مقدسہ مریم سے
مدد کی التجا بھی کی جاتی ہے۔ گاؤں میں مسیحی ہونے والے
اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ آپ تعجب کریں گے کہ بپتسمہ دیتے
دیتے میرے ہاتھ تھک جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو میں
نے تمام گاؤں کو ایک ہی دن میں بپتسمہ دیا ہے۔ عقیدہ
اور باقی حقائق بار بار دہرانے نے مجھے کمزور کر دیا ہے سب
جگہ ان کا یہی دستور العمل رہا۔ وہ روانگی کے وقت ہر ایک

Scanned with CamScanner

گاؤں میں مسیحی ہدایات کی کتاب چھوڑ جاتے تھے اور کسی ہوشیار آدمی کو مقرر کرتے تھے کہ وہ ان کا ہادی ہو جو گیت گانے اور وعظ و نصیحت دینے میں نمایاں حصہ لیتا رہے۔ بپتسمہ دینا مقدس فرانسس زیویئر کا منتہائے مقصد تھا۔ انہوں نے ایک ماہ میں ایسے ایک ہزار بچوں کو بپتسمہ دیا۔ جنہیں خدا نے اپنی قربت میں بلا لیا۔ جب انہیں یہ خیال آتا تھا۔ کہ زبان نہ جاننے سے کتنی رکاوٹ ہوتی ہے تو مایوس ہو جاتے تھے لیکن بپتسموں کی تعداد کو دیکھ کر تمام مایوسی کو بھول جاتے تھے کیونکہ دو سال کے کام کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں یہاں پر بالکل اکیلا ہوں۔ میں اس کو نہایت دقت طلب محسوس کرتا ہوں کہ میں غیر مانوس اشخاص کے درمیان ہوں اور وہ بھی کسی مترجم کے بغیر، ذرا خیال کیجئے میں کس قسم کی جماعتوں کو درس دیتا ہوں۔ جو میری دی ہوئی تعلیم کا اعادہ کرنا بھی نہیں جانتے۔ لیکن تو بھی میں کام کے بغیر نہیں ہوں اور مجھے مترجم کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ میں نو پیدا بچہ کا بپتسمہ کر سکتا ہوں۔ اور اُن کا بھی جنہیں اُن کے والدین میرے پاس لاتے ہیں۔ میں بھوکوں اور ننگوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہوں۔ اور انہیں دو بہترین امور کی طرف میں اپنی توجہ کو مبذول رکھتا ہوں۔ اور اپنے وقت کو کبھی ضائع شدہ نہیں سمجھتا۔ نیز وہ اپنے مبلغوں کو تحریر فرماتے ہیں کہ ہندی مسیحیوں کی خبر گیری کرو۔ انہیں

نہ چھیڑو بلکہ اس کے خلاف اُن کی حفاظت کرو۔ اُن کی تعریف کرو۔ اور ہر موقع پر ان کی خاطر معذرت چاہو۔ اس بات کا لحاظ رکھو کہ کتنا تھوڑا عرصہ ہے کہ وہ مسیحی ہوئے اور ابھی تک وہ اپنے مذہب میں نئے ہیں۔ گو اس گردن کش قوم کے تقاضوں سے انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تو بھی وہ بالکل ہی خراب نہیں ہیں۔ اِس لئے خدا تمہیں صبر و استقلال بخشے۔ اور یہی اِس قوم کے ساتھ پیش آنے میں اوّلین درکار ہیں۔ خیال رکھیں کہ آپ اعراف میں ہیں اور اپنی بداعمالیوں کو دھو رہے ہیں۔ وہ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ میں بار بار تمہاری منت کرتا ہوں کہ اِس قوم سے شرافت سے پیش آیئے جو کہ انسانی اقوام کی آلودگیوں سے گڑھے میں پڑی ہے۔ آپ ایسا کیجئے جیسا کہ اچھے باپ اپنے بُرے بچوں سے کرتے ہیں۔ خواہ اِن بُرے بچوں کی بُرائی کتنی سنگین ہو آپ کی نگاہ میں ہرگز اِن سے نفرت پیدا نہ ہو۔

فرانسس زیویئر کے ذہن میں وسیع کھیت پیدا ہو گیا کیونکہ جیسوئٹ مشنریوں کی کافی تعداد ہند میں داخل ہو گئی تھی اور وہ ہر کہیں بنگالی مرکز پر مستحکم ہو رہے تھے۔ اور فرانسسکنوں کا کام ختم ہو رہا تھا۔ زیویئر نے ناظم اعلیٰ ہوتے ہی ہر روز کی رپورٹ مشنریوں سے طلب کی اور انہیں ہدایات دیں جو کہ موجودہ مشنریوں کے لئے بھی فائدہ بخش ہیں کہ

مقدمہ بازی کی حمایت نہ کرو۔ بلکہ اُن کی کمزوریوں کا خود ازالہ کرو۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں اِس بات پر سب سے زیادہ زور دیتا ہوں اور بار بار دہرا بھی نہیں سکتا کہ جب کبھی تمہارے قدم خدمت کے لئے اُٹھیں تو اپنے آپ کو بہترین خدمت اور نیک اوصاف سے مزین کرو اور رحمدلی اور تحمل سے تمکین ہو کر سب کا منظور نظر بن جاؤ۔ اور جب بھی ہمارے ہم خدمت بھائی جو کیپ کموان کے دیہات میں کام کرتے ہیں یا کیلون کا نکولس یا فرانس کا سپرین یا ملکیر کونز ہیز لیسین فرانس ہیرز ملاکہ یوحنا ہیرا اور اُس کے ساتھی جو مولاکس میں ہیں تمہیں لکھیں تو تمہیں تمام توجہ سے اولاً ان کا کام کرنا چاہیئے خواہ تمہیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ اگرچہ وہ کام نائب السلطنت سے متعلق ہو یا بشپ سے جس کی مدد کی ضرورت عموماً انہیں ہوتی ہے۔ یا خواہ کوئی اور روحانی یا جسمانی ضرورت ہو ان کی فوراً مدد کرو۔ لہٰذا اِس مہم ناظم کے تحت کام نے بہت ترقی کی اور اِن کے دِل کو ہند میں تسکین پیدا ہوا۔ لیکن اب جاپان جانے کا ارادہ کر لیا۔ اِس لئے یکم فروری ۱۵۴۹ء کو لکھتے ہیں کہ میرے سب دوست انگشت بدنداں ہیں کہ میں نے اتنا لمبا اور پُر خطر سفر اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے مجھے اُن کی کم اعتقادی پر افسوس ہوتا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ اُن حصوں میں شدید طوفان آتے ہیں لیکن یاد رکھیں

کہ ہمارا خداوند حکومت کرتا ہے۔ وہ چین اور جاپان کے سمندروں پر حاکم ہے۔ سمندر میں طوفانی آندھیوں کا بھی بہت خطرہ ہے۔ اور بہت چٹانیں بھی حائل ہیں جن سے بہت جہاز ٹکرا کر سمندر کی تہ میں ہمیشہ کے لئے چلے گئے ہیں لیکن یہ طوفانی آندھیاں اور حوادث مجھے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک کہ خدا کی مرضی نہ ہو۔ نیز ان حصوں میں سمندری ڈاکو بہت ہیں۔ جو نہایت تند خُو و بے رحم ہیں۔ اور جو کوئی مرد۔ خصوصاً پرتگالی اگر ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اُسے مارے بغیر نہیں چھوڑتے یہ سب باتیں تو ہیں جن سے رعشہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے خداوند کا ان تمام پر قبضہ ہے۔ میں اِن مصائب اور دیگر نادیدنی تکالیف سے نہیں گھبراتا۔ اور صرف مجھے تو اِسی بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ مبادا میرا خداوند مجھے خدمت میں بے پرواہی و سُستی برتا دیکھ کرے۔ کیونکہ میں خداوند یسُوع مسیح کے پیغام کو اُن لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہا ہوں جو اُسے نہیں جانتے ہیں۔ لیکن اِس خوش خبری کے مقابلہ میں جو مشکلات۔ خطرات اور دِقتیں میرے احباب مجھے بتاتے ہیں وہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔

سو یہ اپریل ۱۵۴۹ء میں میلاپور پہنچ گئے۔ اور وہاں سے ملاکا ہوتے ہوئے جاپان کو چلے گئے لیکن فروری ۱۵۵۲ء کو واپس گوا آ گئے۔ اور آنے پر انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی

تجاویز پر عمل نہیں کیا گیا۔ تمام کام درہم و برہم ہو گیا ہے
یہاں تک کہ فادر پال کیبرے جس کے تحت میں گوا کالج تھا
اور مشن کا قائم مقام ناظم اعلےٰ مقرر ہوا تھا۔ وہ بالکل اس
کام کے اہل ثابت نہ ہوا۔ جیسا کہ ژیوتو کی تحریر سے عیاں
ہے کہ مجھے یہ توقع تھی کہ جاپان سے واپسی پر سفر کی تھکان
اور دقتوں سے مجھے آرام ملے گا لیکن نہیں۔ میرے لئے کوئی
آرام نہیں۔ مجھے دکھ پر دکھ ہے۔ جھگڑالو طبیعت کی وجہ
سے مقدمہ بازی ہو رہی ہے۔ ہر طرف حسد تفرقہ بازی
اور جنگ ہے۔ ہائے افسوس۔ یہ وہ کام نہ تھا جو میں نے
جاپان جانے وقت سپرد کیا تھا۔ لیکن اب کیا ہے؟ گردن
کشی، نافرمانبرداری۔ اے میرے خدا تیرے ہی پاک نام
کی ہمیشہ تمجید ہو، لہذا انہوں نے دوبارہ ناظم اعلےٰ کی خدمت
کو سنبھالا۔ لائق کارگذاروں کو مستحکم کیا۔ اور جن پر سختی کی گئی
تھی واپس کام پر لگایا اور کام کو دوبارہ بارونق اور پرفضل بنا
دیا۔ لیکن اب چین جانے کا عزم کیا۔ اور اس لئے تحریر
فرماتے ہیں۔ کہ یہ نہایت دلیرانہ قدم ہے کہ میں وحشی قوم
کے پاس جاؤں اور نہایت قوی بادشاہ کے پاس اور اس کے
گناہوں کو اس پر واضح کروں اور سچائی کا پیغام اسے
پہنچاؤں لیکن خدا ہی نے جو مجھے طاقت اور یقین بخشتا ہے۔
اس بات کو میرے ذہن میں ڈالا ہے۔ اور اسی کا جلال میرے
تمام خیالات کی وسعت اور اختتام ہے۔ اسی نے مجھے ٹیک

میرٹھ کے دو برہمن مسیحی ہُوئے جن میں سے ایک تو پادری
آنند مسیح تھے جو اُس وقت شمالی ہند میں دوسرے دیسی
پادری تھے اور دُوسرے برہمن صاحب ۲۵ ویں رجمنٹ کے
سپاہی تھے جن کو مسیح ہونے پر رجمنٹ سے نکال دیا گیا
تھا تاکہ بدامنی پیدا نہ ہو۔ یہ پہلے مشنری کو ساتھی تھا۔

چرچ مشن نے ۱۸۱۶ء میں علاقہ ٹینولی کے لئے دو جرمن
لوتھرن مشنری بھیجے جن میں سے مشہور رینیس تھا کیونکہ پالم
کوٹا میں متعین چیپلن ہف نے درخواست کی تھی۔ سو درخواست
پر مشنری مرکز پالم کوٹا ہی بنایا گیا اور گردو نواح میں تبلیغ کا کام
ہونے لگا۔ ۱۸۲۹ء میں ایس۔ پی۔ جی نے کام اپنے ذمہ لیا۔ اور
وہاں ٹرنٹی چرچ تعمیر کیا اور کام ترقی کرتا گیا سو ۱۸۳۵ء میں
تعداد مسیحیان ۱۰،۰۰۰ ہزار ہو گئی لیکن رینیس لوتھرن طریق پر
چاہتا تھا کہ بعض کارگذاروں کو وہ خود ہی خادم الدین مقرر
کر دے جو سی۔ ایم۔ ایس کو منظور نہ تھا۔ کیونکہ ہند میں بشپی قیام
ہو چکا تھا۔ اس لئے رینیس کو برطرف کر دیا گیا۔ جس سے بہت
لوگ اُس کے ساتھ چلے گئے۔ ۱۸۳۷ء اور ۳۸ قحط کے ایام
میں چرچ مشن نے بہت خدمت کی کیونکہ جب سرکار انگلشیہ
نے اکبر اعظم کی روایاتی مسیحی بیوی کے مزار و مکانات سکندرہ
ان کی تحویل میں کر دیئے تو انہوں نے اُسے یتیم خانہ بنایا تاکہ
بھوکے اور بے کس لوگوں کو پناہ ملے۔ بنارس میں سمتھ اور
لیوپٹ نے اور بردوان میں وائٹ برک نے بہت خدمت

مورخہ ... ١ - ا ... (handwritten margin note)

کی۔ علاقہ بنگال میں کرشنگر کو مصیبت زدوں کا مرکز بنایا جہاں تعداد پہلے سال ۱۵۰۰ تھی۔ لیکن دوسرے سال اِس سے دُوگنی ہو گئی۔ مشنریوں نے تن دہی سے خدمت کی اور خُداوند مسیح کی گواہی دی۔

چرچ مشن کے کام و خدمت کو دیکھ کر لنڈن کے بشپ بلمنیلڈ نے رائے پیش کی کہ انگلیکانی کلیسیا اس سے گہرا تعلق رکھے کیونکہ یہ خودمختار اور آزاد کلیسیا ہے۔ لیکن واجب ہے کہ یہ لشپی ضبط و نظام میں آجائے۔ باوجودیکہ یہ اپنا کام آزادانہ اور بلا مداخلت غیرے کرتے رہیں سی۔ ایم۔ ایس نے منظور کر لیا۔ اور آرچ بشپ او کنٹربری اور دیگر بشپ صاحبان اس میں شریک کار ہو گئے۔ اب کام زیادہ بلند معیار پہ ہونے لگا۔ اِس لئے ۱۸۴۹ء سے گریجویٹ زیادہ تعداد میں بطور مشنری داخل ہونے لگے۔ آکسفورڈ۔ کیمرج۔ اور ڈبلن سے ۳۲ مشنری آئے۔ ٹی۔ دی فرنچ بھی اُن میں سے ایک تھے۔ جو بعد میں بشپ لاہور ہوئے۔ دیگر صاحبان میں سے رابرٹ کلارک۔ کرسٹوفر۔ ڈیوڈ فن اور ٹی۔ ایچ فنٹر سیٹرک قابل ذکر ہیں۔ ہند میں اِس وقت علماء اور علم کی سخت ضرورت تھی اس لئے برموقع ٹی۔ وی۔ فرنچ اور سٹوآرٹ نے سینٹ جان کالج آگرہ جاری کر دیا۔ ڈاکٹر فانڈرز کی آگرہ میں خدمت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کیونکہ یہ فارس میں خدمت کر چکے تھے اور بہترین مقرر اور مناظر تھے

۱- پادری عماد الدین لاہز صاحب ۱۸۶۸ء میں تقرّر ہوا۔ پنجاب کے بلند پایہ عالم اور مصنّف تھے +

۲- پادری جانی علی صاحب ۱۸۷۷ء میں بمبئی تقرّر ہوا۔ ۱۸۸۴ء تا ۱۸۹۴ء کلکتہ کے مسلمانوں میں خدمت کی +

۳- پادری پیارے موہن رُدھر اصاحب ۱۸۷۴ء میں تقرّر ہوا۔ کلکتہ کے بشپ کے چیپلن اور مشنری انچارج رہے +

۴- پادری منچلا رتنم صاحب۔ نوبل کالج کا پہلا برہمن مسیحی ۱۸۶۴ء میں تقرّر ہوا۔ انچارج مشنری اور چیئرمین چرچ کونسل مسولی پٹم رہے +

۵- پادری ڈبلیو۔ ٹی ستھیاندہان ۱۸۵۹ء میں تقرّر ہوا۔ کئی سال مدراس کی نیٹو چرچ کونسل کے چیئرمین رہے +

۶- کوشی کوشی سیرین مسیحی تھے۔ ۱۸۵۶ء میں تقرّر ہوا۔ آرچ ڈیکن ۱۸۸۵ء میولی کارا میں اور ڈی ڈی کی ڈگری لی +
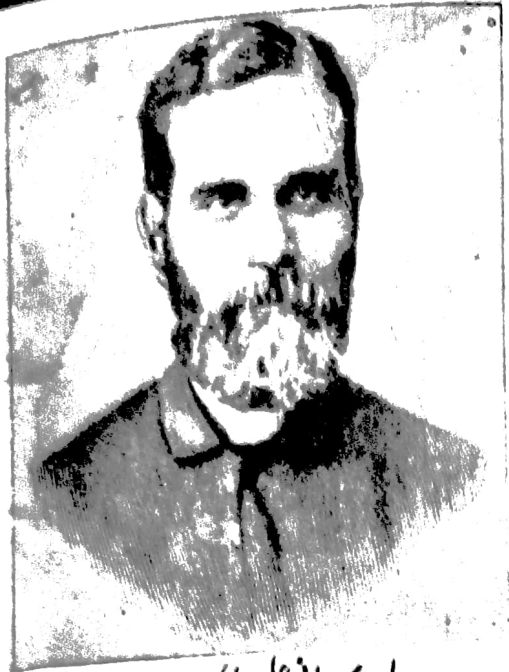
پادری عمادالدین لاہز۔ ڈی۔ ڈی

پادری جانی علی۔ ایم۔ اے

پادری پیارے موہن رُدھرا
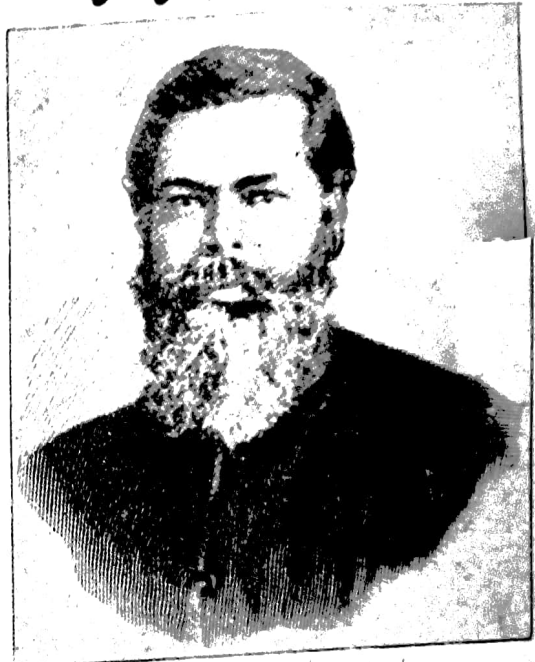
پادری منچلا رتنم

پادری ڈبلیو۔ ٹی۔ ستھیاندہان۔ بی۔ ڈی

آرچ ڈیکن کوشی کوشی۔ ڈی۔ ڈی

Scanned with CamScanner

۱۸۵۴ء میں فرنچ صاحب کی زیر سرکردگی ان کا مباحثہ مولویوں سے ہوا جس کے زیر اثر کئی سال بعد مولوی صفدر علی ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء اور مولوی عمادالدین ۲۹ اپریل ۱۸۶۶ء کو مسیحی ہو گئے۔

پنجاب میں چرچ مشن کا کام اُنیسویں (۱۹) صدی کے وسط کے بعد شروع ہوا کیونکہ پنجاب ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء میں سلطنت انگلشیہ میں شامل کیا گیا۔ لیکن اس سے تیرہ (۱۳) سال قبل بشپ ڈانیئل ولسن نے دریائے ستلج میں جہاز پر سفر کرتے ہوئے پنجاب کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا تھا "کہ میں اس ملک پر اپنے خداوند یسوع مسیح کے نام میں قابض ہوتا ہوں"۔ اس وقت سکھ سردار حکمران تھے۔ لیکن جب پنجاب تسلط میں آگیا تو اس پر دہ انگریز حاکم لگائے گئے جو فی الواقع مسیحی تھے۔ اور شمال مغربی علاقہ کے لفٹنٹ گورنر جیمس تھامس کے زیر اثر تیار کئے گئے تھے۔ کیونکہ گورنر جیمس یہ سکھاتے تھے کہ خدا سے ڈرتے رہو اور مسیحیت کو بلا دھڑک پھیلاؤ۔ مشنریوں کی مدد کرو۔ لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب میں ہنری اور جان لارنس کو بھیجا جنہوں نے اپنے ساتھ رابرٹ منٹگمری ڈونلڈ مکلائڈ۔ رچرڈ ٹمپل اور رابرٹ کسٹ کو شریکِ خدمت کر لیا۔ اور انہوں نے ایسی ہوشیاری و بہتری سے خدمت کی کہ عرصہ چھ سال میں پنجاب میں بہترین امن قائم ہو گیا۔ جب یہ سب لاہور میں اچھی طرح سے مقیم ہو گئے تو انہوں

نے امریکن پریسبٹرین مشن کو مدعو کیا اور بعد میں ۹ر فروری ۱۸۵۲ء کو پنجاب میں خدمت کے لئے سی۔ ایم۔ ایس کو دعوت دی اور ۳۰،۰۰۰ پونڈ کی گرانقدر رقم جمع کر کے رابرٹ کلارک اور ٹی ایچ فٹز پیٹرک کو بلایا جنہوں نے آکر سکھوں کے بڑے شہر امرتسر کو اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ مشن کے خزانچی کپتان مارٹن صاحب مقرر ہوئے لیکن بہت جلد انہیں اپنی رجمنٹ کے ساتھ سرحدی علاقہ میں جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے مشنری کارگذار کے لئے درخواست کی لیکن سرحدی کمشنر نے برا محسوس کرتے ہوئے یوں کہا کہ "کیا تم چاہتے ہو کہ ہم سب مرجائیں" لیکن جب یہ ڈرپوک کمشنر صاحب انتقال فرما گئے۔ تو ہربرٹ ایڈورڈز نے جو اُن کی جگہ کمشنر مقرر ہوئے یوں کہا کہ مشنری کو ضرور لاؤ۔ اس امر میں جلسہ کرو اور میں صدارت کروں گا۔ لہٰذا ۱۸۵۳ء میں مشنری ضرورت کے لئے جلسہ ہوا جس میں ۳۰،۰۰۰ پونڈ شکرانہ ہوا جسے انہوں نے سی۔ ایم۔ ایس سوسائٹی کو بھیج کر مشنری کے لئے درخواست کی اور چرچ مشن نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے فانڈرز کو آگرہ سے اور رابرٹ کلارک کو امرتسر سے بھیج دیا اور کیپٹن مارٹن نے اعزازی خدمت کرنی شروع کی سو ان کے وسیلہ سے سندھ میں چرچ مشن داخل ہوگئی اور ہر طرف اعلےٰ طبقہ کے لوگ مسیحی ہونے لگے مثلاً کراچی کا مسلم مباحثہ کرنے والا عبداللہ آتھم۔ شمعون سکھ بھائی امرتسر۔ میاں پولوس نمبردار ناروال۔ اور ۱۸۵۵ء میں دلاور خان پشاور۔ بنارس میں سیموئل

نند اور نحمیاہ نیل کنتھ ان دونوں کا تقرر خادم الدین کے لیے ہوا۔ اور نحمیاہ نیل کنتھ تو نحمیاہ گورے کے نام سے بہت مشہور ہوئے۔ بمبئی میں برہمنوں سے واجی پاند رنگ آپاجی۔ باپوجی اور شنکر بلونت مسیحی ہوئے۔ اور پارسیوں سے سہراب جی خورشید جی اور رتن جی نارو جی مسیحی ہوئے یہ سب ایماندار خادم الدین بن کر خدمت کرتے رہے۔

جنوبی ہند میں رابرٹ نوبل کے سکول سے منجلا نرسم برہمن اور اُننالا بوشانم ویلیما نے بپتسمہ لیا جس کا یہ نتیجہ ہُوا کہ سکول خالی ہوگیا لیکن بعد میں طلبا پھر داخل ہونے شروع ہو گئے اس لئے ۱۸۵۶ء میں ۳ مسلم نوجوانوں نے جن میں سے ایک جانی علی تھے اور دو برہمنوں نے مسیحیت کو قبول کیا۔ تلگو اور ٹراونکور کے علاقوں میں بھی بشارت کی گئی جہاں ہنری ہنری بیکر نے اور دیسی پادری جارج ماتھان اور کوشی کوشی نے اصلی باشندوں میں بہت خدمت کی۔

۱۸۵۵ء میں علاقہ ٹینولی میں مسیحی بشارت اور توسیع میں کافی ترقی ہوئی کیونکہ اِس علاقہ میں دونوں مشنیں ایس۔ پی جی اور سی۔ ایم۔ ایس بڑے جوش سے خدمت کر رہی تھیں۔ کولڈول ایس۔ پی۔ جی کے مشنری اور جان تھامس، جے۔ ٹی۔ ٹکر اور ای۔ سارجنٹ سی۔ ایم۔ ایس کے مشنری صاحبان تھے۔ اِن کے پاس حلقۂ خدمت میں ۳۷۵ گاؤں تھے جن میں ۲۷۰۰۰ لوگ آباد تھے اور اُن میں سے

۲ بپتسمہ یافتہ اور . . . . ۴ مستحکم شدہ تھے۔ علاقہ گڈاچا لورام میں دیسی مشنری پادری جان دیوا سگیام تامل خدمت کرتے تھے۔ نیز اور بہت سے لائق تامل جوانوں کا بھی تقرر ہوا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ڈیوڈ فن اور آر۔ ارمیڈوز نے علاقہ ٹینولی میں دیسی کارگذاروں کے ساتھ مل کر تبلیغی توسیع میں بہت حصہ لیا۔ دیسی کارگذاروں میں سے وَدیا نیاگم۔ پُرا واگوا اور ڈبلیو۔ ٹی۔ ستیا نندھن بہت مشہور ہیں۔

لنکا میں بہت ناکامیابیوں کے بعد تامل اور سنگھالی لوگوں میں بشارت کی گئی۔ کرسٹوفر اور ڈیوڈ فن نے جان توڑ کوشش کی اور ای۔ ٹی۔ ہیجن اور ڈبلیو۔ او۔ کیلے نے پچاس سال تک ایک دفعہ بھی اپنے وطن موکوف کو واپس جائے بغیر عرق ریزی سے خدمت کرتے رہے۔ اور خدا نے اُن کی محنتوں کا پھل انہیں دیکھایا۔

ہندوستانی غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی افسروں نے تبلیغی مشنریوں کی بہت مدد کی۔ غدر کی آگ ۵ مئی ۱۸۵۷ء کو جلنی شروع ہوئی اور ۱۰ مئی کو میرٹھ میں زبردست بغاوت کی صورت میں مشتعل ہوگئی۔ بہت سے دیسی مسیحی و انگریز قتل کئے گئے۔ کانپور اور لکھنؤ میں مسیحیوں کا تحفظ کرتے کرتے ہنری لارنس اور جارج ہیچسن شہید ہوئے۔ بنارس میں کمشنر ہنری کورمے ٹکر نے بہت مدد دی۔ اس لئے لیوپولٹ مشنری آتے جاتے رہے اور مسیحیوں کو تسکین دیتے

رہے۔ آگرہ کے کمشنر جان کلون نے فرنچ کے لئے قلعہ میں ٹھہرنے کا انتظام کیا لیکن اس مردِ خدا نے کہا کہ جب تک ہندوستانی مسیحی اس قلعہ میں نہ رہیں گے۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔ پنجاب جان لارنس۔ رابرٹ منٹگمری اور ہربرٹ ایڈورڈز کے وسیلہ سے خاموش رہا۔ اور انہوں نے اپنی حکمتِ عملی سے صوبہ سرحد کو بھی ہر قسم کی بغاوت سے روک دیا بلکہ ان دلیر و جانباز افسروں نے پنجاب سے دہلی کی محاصرہ بندی کے لئے تازہ بہ تازہ سپاہ بھیجتے رہے۔ غدر کے فرو ہونے کے بعد عدم مداخلت مذہب کی تجویز پیش ہونے لگی لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے بغاوت کی تھی۔ وہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جن سے انجیل کو روکا گیا تھا یعنی برہمن سپاہی۔ اور جہاں جہاں مشنیں کامیابی سے خدمت کر رہی تھیں وہاں کوئی بغاوت نہ ہوئی نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دیسی عیسائی سرکار کے وفادار رہے۔ اور دلیر مسیحیوں نے غدر کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سر جان لارنس نے غدر کے بعد اپنی یہ رائے دی کہ اگر مسیحی امور مسیحی طریقہ پر کئے جائیں تو وہ غیر مذاہب کے افراد میں اشتعال برپا نہ کریں گے۔ اشتعال تب برپا ہوتے ہیں جب کہ غیر مسیحی امور مسیحیت کے نام پر کئے جاتے ہیں اور تب ہی یہ سازش اور خطرہ پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ملکہ نے یہ حکم نافذ کیا کہ شاہی مرضی اور خوشی اس بات میں ہے کہ کسی کی طرفداری نہ کی

جائے۔ کسی کو اپنے مذہب ورسم سے بند نہ کیا جائے۔ کیونکہ قانون کے ماتحت سب بے ریا اور برابری کی خوشی میں شریک ہیں اس غدر کی آگ کے بعد زیادہ مستحکم طور پہ ایس۔ پی۔ جی نے دہلی میں اور سی۔ ایم۔ ایس نے لکھنو میں اپنے مرکز قائم کئے۔ اودھ میں مشنری خدمت کے لئے ہنری لارنس چیف کمشنر نے لکھنو میں لکھا جنہوں نے بنارس سے لیو پولٹ کو بھیج دیا۔ اور ۲۴ ستمبر ۱۸۵۸ء کو منٹگمری نے ایک جلسہ کر کے ۵۰۰۰ پونڈ جمع کر لئے اور اودھ مشن کو تقویت دی۔ سو سی۔ ایم۔ ایس کی جلتی ہوئی جھاڑی از سرِ نو سرسبز ہو کر لہلہانے لگی۔

۶۹ ــــ ۱۸۶۴ء میں جب ہنری لارنس وائسرائے مقرر ہوئے تو انہوں نے مسیحی تبلیغ کی اور وسیع کوشش کی۔ کرنل رینل ٹیلر نے بھی ۱۸۶۱ء میں دو اقساط میں ۱۰۰۰ پونڈ اور ۱۰۰ پونڈ سی۔ ایم۔ ایس کو اس غرض سے بھیجے کہ افغانستان اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقہ میں مشن جاری کریں، ٹی۔ وی۔ فرنچ نے جانا قبول کیا اور مشن جاری ہو گئی۔ ۱۸۶۵ء میں بشپ کاٹن کی تجویز پر آگرہ اور میسولیٹم میں ڈاکٹر ڈف کے اصولوں پر کالج بنائے گئے۔ عورتوں کے علیحدہ خدمت کے لئے انڈین فیمیل نارمل سکول سوسائٹی قائم کی نیز اسی سال پہلی میڈیکل مشن ورکر ڈاکٹر ایسلی نے خدمت شروع کی۔ ۱۸۷۰ء میں فرنچ اور جے۔ ڈبلیو۔ ناٹ نے لاہور آ کر لاہور ڈیونٹی سکول قائم کیا۔ ای۔ ایل۔ پکسلے

اور ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹورز نے بنگال میں سنتال مشن جاری کر دی جس سے بہت لوگ خداوند مسیح کے حلقۂ بگوش ہوئے ۱۸۶۸ء میں فرنچ صاحب واپس ولائت چلے گئے اور ان کی جگہ ڈاکٹر ڈبلیو ہُوپر نے پُر کی۔ لیکن ہُوپر صاحب نے ڈیونٹی کالج ۱۸۷۹ء میں الہ آباد میں قائم کر دیا۔ تو لاہور ڈیونٹی سکول کے انچارج ایف۔ اے۔ پی۔ شیرف صاحب مقرر ہوئے۔ جو نہائت خوش اسلوبی سے تعلیم دیتے رہے۔ ۱۸۷۶ء میں پرنس آف ویلز کی آمد کی یاد میں الگزینڈرا اکر سچن گرلز سکول امرتسر جاری ہوا۔ اور بیرنگ سکول بٹالہ اپنے بانی پادری ایف ایچ بیرنگ کے نام پر تعمیر ہوا۔ پادری بیرنگ بشپ بیرنگ کا بیٹا تھا اور لارڈ نارتھ بروک کا بھتیجا تھا۔ اِن کی وجہ سے تعلیمی کام میں بہت ترقی ہوئی اور تبلیغی اثر سے بہت کلیسائیں پنجاب میں قائم ہو گئیں اس لئے ۱۸۷۷ء میں حلقۂ پنجاب اور سندھ کو لاہور ڈایوسیسن نظام میں ڈھالا گیا۔ اور ٹی۔ وی فرنچ بشپ مقرر ہوئے۔ اور مسٹر وگرم اعزازی سیکرٹری بنائے گئے ۱۸۷۹ء میں بلوچ مشن جاری ہوئی۔ جس میں جارج مکسویل گارڈن نے پیشروی کی اور ڈیرہ اسماعیل خان میں دو مشنریوں کو مقیم کر کے خود دوسری افغان جنگ میں زخمیوں کی مدد کے لئے میدانِ جنگ میں گئے لیکن وہاں ۱۸۸۰ء میں کھیت آئے۔

۱۸۷۹ء میں ایچ۔ ڈی۔ ولیمسن نے اضلاع متحدہ

میں گونڈ مشن جاری کی اور اُن میں سے پہلے مسیحی نے ۱۸۵۴ء میں بپتسمہ لیا۔ ای۔ ایچ۔ بکرسٹیتھ نے ۱۰۰۰ پونڈ نذرانہ دیا تاکہ بھیل لوگوں میں خدمت کی جائے۔ ۱۸۸۶ء میں کوئٹہ میں میڈیکل مشن جاری ہوئی۔ پنجاب میں کام ترقی کرتا گیا۔ سی۔ ای۔ زیڈ۔ ایم۔ ایس نے تبلیغی کام میں بہت مدد دی۔ مس ٹکلے صاحبہ نے دیہاتوں میں دورہ کرنا اور دیہاتیوں میں رہنا شروع کر دیا۔ ایف۔ ایچ۔ بیرنگ نے زرِ کثیر تبلیغی خدمت کے لئے نذر کیا اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی امرتسر میں طبیہ خدمت تبلیغ میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ سوسائٹی کے ۱۰ مشنری ڈاکٹر شمال مغربی سرحدی صوبہ کی پانچ جگہوں میں مقیم تھے۔ رابرٹ کلارک (۱۸۲۵ — ۱۸۹۸ء) اعلےٰ لیڈر تھا۔ اِس وقت زیادہ مشہور ڈاکٹر تھیوڈور لٹن پینل تھا جو ۱۹۱۲ء تک زندہ رہے۔ گرچہ وہ بچپن میں بہت کمزور تھا لیکن وہ جوانی پر اِس لائق ہوئے کہ سرحدی لوگوں میں دلیرانہ تبلیغ و گواہی دے سکے۔ اُس کا جوان اور پُر رعب چہرہ سرحد کے لئے موزوں تھا۔ ۱۸۹۲ء میں وہ اپنی ماں کے ساتھ ہند میں خدمت کے لئے آئے تھے۔ اور بہت کم عرصہ میں اپنی اَن تھک محنتوں کے وسیلہ سے اسکول۔ ہسپتال قائم کرلئے اور جنگجو قبائل کو اپنا مُرید بنالیا۔

انیسویں صدی کے آخر میں خاص تحریک جو سی۔ ایم۔ ایس میں شروع ہوئی وہ پست اقوام کو مسیحی نور سے منور کرنے

دیسی پاسبان

(کھڑے بائیں سے دائیں) پادری ایس۔[1] نہال سنگھ بی۔اے (سرحدی صوبہ)

پادری احسان[3] اللہ (صوبہ پنجاب)

(بیٹھے ہوئے بائیں سے دائیں) پادری ڈبلیو[1] ستیل (سرحدی صوبہ)

پادری ڈبلیو۔[3] ڈی۔ کلارک۔ ایم۔اے (جنوبی ہند)

Scanned with CamScanner

اور انہیں مسیحی اطمینان بخشنے کی تحریک تھی گو ۱۸۸۶ء میں
اس پر غور رہا لیکن فروغ اس کو اس وقت ہوا جبکہ پادری
ای۔ این۔ تھاوٹیس۔ مارٹن ہال۔ ڈبلیو ایس بسٹینڈن۔
ایس۔ اے۔ سیلوپن اور اے۔ بی۔ رسل نے انگلستان سے اس
تحریک کو جاری رکھنے کی حمایت کی۔ اس میں فتح کا سہرہ
مسٹر واکر ٹینولی۔ مسٹر چارٹن بنگال اور پادری احسان اللہ
اور مسٹر وی۔ ڈیوڈ پنجاب کے سر پر ہے جنہوں نے پست اقوام
کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور پادری بیٹ مین
کینن ڈبلیو۔ پی۔ ہیرس نے محبت کے پنکھے سے اسے اور
ہوا دی لہٰذا یہ بڑھتی اور ترقی کرتی جاتی ہے۔

انگلیکانی کلیسیا و نظام ڈایوسیس

ہند میں انگلیکانی

کلیسیا کا آغاز ۱۶۰۷ء میں ہوا جب کہ ہندی سفیر سر تھامس رو
کے ساتھ پادری جان ہال بی۔ اے اور بعدہ پادری ایڈورڈ ٹیری
بطور چیلپن خدمت کے لئے تشریف آور ہوئے ان کے بعد سورت
میں بڑی شد و مد سے ۱۶۸۸ء تک مسٹر رونڈ۔ پادری تھامس
فرائیڈے ایم۔ اے پیٹرک کیپ نشینڈ۔ تھامس فلر بی۔ اے۔
اور جان کالنز نے خدمت کی۔ مدراس میں ۱۶۴۷ء سے
مسٹر آئنرکسن اور بعدہ پادری رابرٹ ونچسٹر۔ جوزف تھامس
ولیم ونٹ فیلڈ۔ سمٹسن سمتھ۔ ولیم تھامس پرسبٹرین۔ ایٹ
جارج بیسوسٹس اور جنتھر و برڈ اوک ۱۷۰۱ء تک پاسبانی

خدمت سرانجام دیتے رہے۔ نیز بمبئی میں ۱۶۶۲ء سے ڈاکس پراٹ ۔ فیسن ۔ ہیلٹ نے تن دہی سے خدمت کی جس کی وجہ سے ۱۷۱۸ء میں انگریزی گرجہ ہر دو اقوام کی عبادت کے لئے تعمیر ہوگیا۔ کلکتہ میں ۱۶۷۰ء سے قبل پادری جی بالیون اپنی اہلیہ کے ساتھ سلسلہ تبلیغ کے لئے آئے۔ ماسٹر سٹر لینشم نے تبلیغ کی توسیع اور کردار کے تحفظ کے قوانین دسمبر ۱۶۷۹ء میں ہُگلی کارخانہ میں پاس کر کے ہر متعلقہ جگہ نافذ کئے۔ گو سرکاری پادریوں کی تعداد محدود تھی تو بھی قابل قدر اصحاب جنوبی ۔ شمالی اور مغربی ہند میں اشاعت کرتے رہے جیسا کہ سوارٹز کرینڈار۔ ڈیوڈ براؤن ۔ کلاڈیوس بوقینن ۔ ہنری مارٹن ۔ ڈانیل کورے اور ٹی ۔ ٹی ۔ تھاماس کی خدمات سے بھی ظاہر ہے۔ لیکن تو بھی صحیح طور پر ہند میں انگلیکانی کلیسا کا منظم آغاز ۱۸۱۵ء میں ہوا جب کہ ۲۸ نومبر ۱۸۱۵ء کو اوّل بشپ ہند ڈاکٹر تھامس فانشو مڈلٹن بشپ آف کلکتہ بن کر تشریف لائے۔ دارالعوام میں ہند میں بشپ کی ضرورت پر بحث کے دوران میں کسی نے کہا کہ ہند میں اُسقفی قیام سے بغاوت پھیل جائے گی۔ لیکن ولیم ولبر فورس نے بالوضاحت اس امر کو صاف کرتے ہوئے نہ صرف اُسقفیت بلکہ آرچ ڈیکن کلکتہ ۔ بمبئی اور مدراس کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

یہ کیمرج کے تعلیم یافتہ اور ریاضی	بشپ مِڈلٹن

میں ماہر اُستاد تھے۔ خداوند مسیح کی اُلوہیت پر اُن کا خاص مطالعہ تھا۔ ہند میں آنے سے قبل یہ آرچ ڈیکن کے ممتاز عہدہ پر مامور تھے اور ایس۔ پی۔ سی۔ کے۔ کے دل سے بہی خواہ اور دلدادہ تھے۔ جب انہوں نے ہندوستان آنے کا عزم راسخ کر لیا تو اپنی ہدائت کے لئے مندرجہ ذیل سطور تحریر فرمائیں۔

روحانی مدد کرو۔ با اختیار ہو کر عام منادی کرو۔ سکول، سخاوت اور ادب میں شوق پیدا کرو۔ مایوسی میں جھنجھلاؤ نہیں۔ دوستوں سے یورپ میں گہرا تعلق رکھو۔ تکبّر کے بغیر اپنے اختیار کو قائم رکھو۔

عیدِ ولادت کے موقع پر اپنے پہلے درس میں بشپ صاحب نے سامعین سے کہا کہ وہ ہند میں بعینہٖ ایسے آئے ہیں جیسا کہ طیطس کریتے ہیں۔ تاکہ باقیماندہ باتوں کو درست کرے۔ سو انہیں پہلی ضرورت یہ محسوس ہوئی کہ سرکاری پادریوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے کیوں کہ اُس وقت صرف ۳۲ سرکاری پادری خدمت کر رہے تھے جو ۱۵ بنگال۔ ۱۲ مدراس اور ۵ بمبئی کی نسبت سے متعین تھے۔ اس کمی کی وجہ سے عموماً بیاہ شادی۔ جنازہ اور بپتسمہ عام لوگ دیتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ انہیں یہ اختیار بخشا جائے کہ وہ سرکاری پادریوں اور خادموں کو لائسنس دیں۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ

Scanned with CamScanner

آرچ بشپ کنٹربری اور بشپ آف لنڈن سرکاری پادریوں کو انگلستان سے لائسنس دے کر بھیجتے تھے۔ اور مقامی سرکار ان کی تعیناتی کرتی تھی۔ لیکن انہوں نے سپریم گورنمنٹ سے عرض کی کہ سرکاری پادریوں کے لائسنس اور جگہ کے بارے میں اختیار ان کے ہاتھ میں ہونا چاہئے لیکن لوکل گورنمنٹ نے اس پر اعتراض کر کے سابقہ دستور کو بحال رکھا جس سے بشپ صاحب کے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔

انہوں نے کلیسیائی تنظیم کے لئے کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس میں آرچ ڈیکن مقرر کئے۔ کلکتہ کے فری سکول کو بہت فروغ دیا اور اپنی انتہائی کوششوں سے ایس۔ پی۔ سی کے کو ہند میں زندہ انجمن بنا دیا۔ ۱۸۱۶ء میں انہوں نے کلیسیاؤں کا دورہ کیا جس میں انہیں پورا ایک سال لگا۔ اس سفر میں انہوں نے مدراس کے بیت اللہ سینٹ جارج کی تقدیس کی اور مدراس سے تنجور اور ٹینولی ہوتے ہوئے ٹراونکور کی طرف بڑھے اور وہاں سے بذریعہ جہاز بمبئی پہنچ گئے جہاں چار ماہ تک قیام کیا اور جولائی ۱۸۱۶ء میں سینٹ تھامس چرچ بمبئی کی تقدیس کی۔ بمبئی سے بذریعہ جہاز گوا اور لنکا کو دیکھتے ہوئے واپس کلکتہ پہنچ گئے ۱۸۱۸ء میں انہوں نے بشپ کالج کلکتہ بنانے کی تجویز پیش کی جس پر شاہ ولیم چہارم نے شاہی چٹھی عطا فرمائی۔ تاکہ انگلستان کے افراد اس کارِ خیر میں نذرانہ دے کر شریک خدمت ہوں

لوگوں نے فراخدلی سے ۵۰۰۰۰ پونڈ نذر کئے نیز سی۔ایم ایس۔ بائبل سوسائٹی اور ایس۔پی۔جی ہر ایک نے پانچ پانچ ہزار پونڈ پیش کئے۔ بشپ صاحب نے معمار مسٹر جونس کے زیر سرکردگی اور اپنی نگرانی کے ماتحت ۱۵ ار دسمبر ۱۸۲۰ء کو کالج کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان میں اپنی یاد کو مضبوطی سے نصب کر دیا۔ ان کے دل میں وسیع محبت موجزن تھی لیکن اپنے اختیار کے محدود ہونے کے باعث بے بس تھے۔ کیونکہ یہ کسی ہندوستانی کا تقرر نہ کر سکتے تھے اور چرچ مشنری سوسائٹی کے ساتھ بھی ان کا ایسا ہی رویہ تھا۔ کیونکہ وہ صرف ان کا تقرر کر سکتے تھے جن کو ڈائرکٹروں کی انتظامیہ کمیٹی ان کے پاس اس امر کے لئے بھیجتی تھی اور باقی کے تقرر پر ان کو اختیار نہ تھا۔

انہوں نے ۸ سال تک ہند میں دلیرانہ گواہی دی۔ لیکن جولائی ۱۸۲۲ء کو ہوا کی غیر موزونیت کی وجہ سے ابدی مکان کو چلے گئے۔

بشپ راجنلڈ ہیبر یہ آکسفورڈ کے گریجویٹ اور شاعری میں ماہر فن تھے۔ آکسفورڈ میں تعلیمی زمانے کے بعد ۱۸۰۶ء میں انہوں نے ملک بھر میں خوب سیر و سیاحت کی اور آخر ۲۶ برس کی عمر میں ۱۸۱۰ء کو ان کا تقرر ہوا۔ اس وقت یہ مذہبی گیت لکھتے رہے جو انگلستان میں مقبولِ عام تھے

اس پاسبانی خدمت کے دوران میں انہوں نے کوتاہ نظری
کے پردہ کو چاک کر کے برٹش اور فارن بائبل سوسائٹی۔ ایس۔
پی۔ سی۔ کے اور سی۔ ایم۔ ایس میں اتحاد کی بہت کوشش
کی اور ہر ایک سوسائٹی کی اپنے حسن قابلیت کی وجہ سے
مدد کرتے رہے اِن کی کارکردگی اور مسیحی طبیعت کی وجہ
سے اِن کا تقدس یکم جون ۱۸۲۳ء کو بمقام محل میں ہوا۔
اور ۱۶ر جون کو یہ ہندکو چل دئے ہندوستان میں کچھ عرصہ آرام
کرنے کے بعد انہوں نے اپنی ڈایوسیس کا دورہ شروع کیا۔
انہوں نے اپنی پہلی نظر شمالی ہندوستان پر اٹھائی اور
کلکتہ سے ڈھاکہ کی طرف بذریعہ کشتی چل دیئے اور وہاں
سے دریائے گنگا کے راستہ سے الہ آباد کو بھاگلپور۔ دینا
پور۔ بکسر۔ چنار اور بنارس ٹھہرتے ہوئے گئے۔ ہر جگہ مسیحی
اشاعت ہو رہی تھی۔ بھاگلپور میں ضرورت محسوس کر کے
انہوں نے ایس۔ پی۔ جی۔ کے مشنری کرسٹین کو بھیجا جو
نہائت دلیر اور ملکی زبان سیکھنے میں ذہین تھا۔ بنارس
میں ایک ہفتہ کے قیام میں انہوں نے مسیحی قبرستان کی
تخصیص کی اور جے۔ نرائن سکول کا معائنہ کیا۔ الہ آباد
میں اس وقت کوئی چیلپن نہ تھا تو بھی بینتیس اشخاص
مستحکم ہوئے اور اُسی کو عشاء ربانی دی گئی۔ اسقف صاحب
الہ آباد سے اپنے ساتھ آرچ ڈیکن کوری کو لے کر کانپور پہنچے۔
جہاں سرکاری پادری تو تھا لیکن عبادت کے لئے بیت اللہ

نہ تھا تو بھی یہاں اسی اشخاص مستحکم ہوئے اور بعد میں پاک عشاء کی رسم بھی ادا کی گئی۔ کان پور سے عزم سفر لکھنؤ کی طرف ہوا جہاں نہ گرجہ تھا نہ سرکاری پادری۔ اس لئے یہ ریاست اودھ کے ریزیڈنٹ مسٹر ریکیٹ کے ہاں ٹھہرے اور وہاں سے بریلی ہوتے ہوئے الموڑہ پہنچ گئے۔ الموڑہ سے واپسی پر انہوں نے میرٹھ کو دیکھا جہاں نہایت خوب صورت بیت اللہ تھا جس میں ۲۰۰۰ آدمیوں کی گنجائش تھی۔ یہاں پر سرکاری پادری مسٹر فشر تھے جو خوش اسلوبی سے خدمت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کی تقدیس کی اور ۲۲۵ یورپینوں اور ہندوستانیوں کو مستقیم کیا۔ میرٹھ سے دہلی کو روانہ ہو گئے جہاں مسٹر ایلیٹ ریزیڈنٹ نے ان کا خیر مقدم کیا اور مغل بادشاہ سے ملاقی ہوئے۔ اور اسے انجیل پڑھنے کے لئے پیش کی۔ بادشاہ نے بخوشی انہیں خلعت فاخرہ عطا کیا۔ یہاں سے عزم سفر متھرا کو ہوا انہوں نے کرشن پوجا کا ملاحظہ کیا۔ اور آگرہ میں تاج محل کو دیکھتے ہوئے راجپوتانہ میں داخل ہو گئے۔ جے پور کے ریزیڈنٹ نے ان کا استقبال کیا اور انہوں نے اس کے لڑکے کو بپتسمہ دیا اور نصیر آباد میں ۳۰ اشخاص کو مستحکم کیا۔ پھر بھیل علاقہ کے جنگل بیابان سے گذر کر بڑودہ پہنچے اور آرچ ڈیکن بارنز سے ملاقات کی۔ اور پھر بمبئی پہنچے جہاں تزک و احتشام سے ان کا استقبال ہوا۔ مذکورہ بالا تمام سفر میں انہوں نے تین ہزار میل طے

کیے بعض دفعہ بذریعہ کشتی یا پالکی اور عموماً گھوڑے پر سوار ہو کر بمبئی میں انہوں نے چار ماہ تک قیام کیا اور پونا کو بھی دیکھا۔ اور بمبئی سے تنجور۔ ترچنا پلی اور لنکا کو دیکھا۔ لیکن کام کی کثرت کے باعث ترچنا پلی میں ۱۸۲۶ء کو ایک سات فٹ گہرے تالاب میں غسل کرتے ہوئے ڈوب گئے۔

بشپ جیمس

یہ کلکتہ کا تیسرا بشپ تھا اور عالم اجل اور تصانیف وتحریر میں مانا ہوا استاد تھا۔ اِن سے ہندوستانی بشپ ہونے کے لئے تین دفعہ عرض کی گئی لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ آخر اگست ۱۸۲۷ء میں لیمبتھ محل کی چیپل میں اِن کا تقدیس ہوا اور جنوری ۱۸۲۸ء کو یہ کلکتہ پہنچ گئے۔ ڈاکٹر ملز پرنسپل بشپ کالج نے اِن کا استقبال کیا اور کچھ دن گورنمنٹ ہوس میں ٹھہرنے کے بعد اپنے بشپی مکان میں رہائش پذیر ہوئے۔ لیکن ہند میں اِن کی صحت نے اِن کی یاوری نہ کی اِس لئے یہ دِن بدن کمزور ہونے گئے تو بھی انہیں تبلیغی انتظام کا بہت شوق تھا اور اِن کا خیال تھا کہ تمام تبلیغی اَدارے براہ راست بشپ کے تابع ہونے چاہئیں لیکن آرچ ڈیکن کوڑے اِس بات پر زور دیتے تھے۔ کہ بشپ مشنری جلسوں میں عام مشنری کی سی حیثیت رکھتا ہے تو بھی انہوں نے نہائت قلیل عرصہ میں پاسبانی تنظیم کرنی شروع کی اور کلکتہ کے پاسبانی کام کو کیتھڈرل، قدیم گرجہ۔ سینٹ جیمز اور سینٹ پیٹر فورٹ ولیم میں تقسیم کر دیا۔

اس نے سرکار انگلشیہ سے نکاح کا لائسنس دینے کا اختیار حاصل کیا۔ اور اپنے ادبی شوق کی وجہ سے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈی۔ ڈی کی اعزازی ڈگری حاصل کی۔ تبلیغ کی دُھن اِن پر اتنی سوار تھی کہ باوجود کمزور ہونے کے انہوں نے اپنی ڈایوسیس کے دَورہ کا پروگرام بنا لیا اور جب کھاٹگلپور پہنچے تو ان کے پیٹ میں سخت درد اُٹھا۔ ڈاکٹروں نے رائے دی کہ سمندری سفر اِن کی صحت کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن خُدا کو ایسا ہی منظور تھا کہ یہ سمندری سفر کے دَوران ہی میں ۲۲ اگست ۱۸۲۵ء کو گذر گئے۔

بشپ ٹرنر بشپ ہونے سے قبل یہ لنکن میں معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ اور نہایت آرام سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اِن کی اہلیہ محترمہ نے مرتے وقت وصیّت کی کہ ”ہندوستان میں شہیدانہ روح میں جاؤ اور اپنی جان کو عزیز نہ رکھو کیونکہ ممکن ہے کہ تم اِس طریق پر اپنے نجات دہندہ کا جلال ظاہر کر کے غیر فانی اَرواح کو فائدہ پہنچا سکو جن کے لئے خُداوند نے خود جان دی“۔ اِن کی اہلیہ کی آنکھوں کے سامنے وصیّت کے وقت بشپ مڈلٹن۔ ہیبر اور جیمس کی مَوت کے واقعات تھے لیکن تو بھی اُس نے تاکید کی کہ اِن واقعات سے اُس کے دل میں لغزش پیدا نہ ہو۔ بلکہ وفادار خادم اور ایلچی خداوند یسوع کی مانند خدا کے زور میں جہاں ضرورت پڑے چلے جاؤ۔ بشپ ٹرنر اِس وصیّت

کو دل میں لئے ہوئے ۱۵ر جولائی ۱۸۲۹ء کو ہندوستان پہنچے اور کلکتہ میں آتے ہی سب کے مرغوب نظر ہو گئے۔ آرچ ڈیکن گورے اِن کے خاص مداح تھے کیونکہ اِن کی زندگی خوشی اور محنت سے پُر تھی۔ اتوار کو صبح کتھڈرل میں اور شام کو بشپ کالج کلکتہ میں وعظ دیتے تھے۔ روزوں کے دِنوں میں ہر بدھ کو سوال و جواب کے طریق پر ۱۵۰ افراد کی جماعت کو مسیحی تعلیم سکھاتے تھے۔ ہندوستانی و انگریزی مدرسوں کا معائنہ کرکے بہترین طریقۂ تعلیم و تنظیم بتاتے تھے۔ اپنے علاقہ کے مذہبی کام پر ایک نگران انجمن قائم کی اور مذہبی تحفظ کی انجمنیں بنائیں۔ یہ اِن کا ہی حسنِ سلوک تھا کہ کلکتہ کے ہائی سکول میں ہندوستانی طلبا کی کثرت ہو گئی۔ ۲۰ر جون ۱۸۳۴ء کو انہوں نے شمالی ہند کا دورہ شروع کیا اور چونار تک پہنچ کر انہیں واپس کلکتہ آنا پڑا۔ پھر ۱۵ر اکتوبر سے یہ مدراس۔ بنگلور اور بمبئی کو گئے اور وہاں سے واپسی پر کولمبو اور لنکا کو دیکھا اور ۴ر مئی ۱۸۳۱ء کو کلکتہ پہنچ گئے لیکن سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے اور گرمی کے بخار سے بیمار ہو کر ۵۴ برس کی عمر میں چل بسے۔ American

ہند کا پہلا میٹروپالٹن
دانئیل وِلسن

یہ ریشم کا کام کرنے والے ایک متموّل آدمی کے فرزند تھے۔ اِس لئے چودہ برس کی عمر میں اِسی پیشہ کے ماہر اُستاد ڈبلیو وِلسن کے شاگرد بنائے گئے۔

American

جہاں یہ ریشم کے کام میں صبح ۶ بجے سے لے کر شام کے ۸ بجے
تک کام کرتے رہتے تھے۔ لیکن کھانے کے بعد لاطینی و یونانی
کا مطالعہ کرنا بھی اُن کا معمول تھا نیز اخلاقی و انجیلی بیانات
پر مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کا مذہبی شوق دن بدن
بڑھتا گیا۔ اِس لئے ۳۱ اگست ۱۷۹۱ء کو عشاء ربانی لیتے
ہوئے اور اپنے گناہوں اور کمزوریوں کو یاد کر کے اِن کا دل
تبدیل ہو گیا۔ یہ زار زار رونے لگے۔ اور اپنے آپ کو تبلیغی خدمت
کے لئے پیش کیا لیکن اِن کے والد انہیں اِس خدمت
کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آخراً وہ پادری رچرڈ سیسل کے
اثر سے مان گئے اور انہیں آکسفورڈ میں داخل کر دیا گیا جہاں
اِنہوں نے خوب محنت کی اور اوّل درجہ میں کامیاب ہوئے
اور انعام حاصل کیا۔ پاسبانی تقرر کے بعد انہیں ایک دیہاتی
گاؤں چوبھم میں خدمت کرنے کا موقع مِلا۔ جہاں انہوں
نے خوب شوق سے محنت کی اِس لئے انہیں سینٹ ایڈ
منڈ ہال کالج میں اتالیق ہونے کے لئے بلایا گیا جہاں
درس و تبلیغ میں اِنہوں نے نام پیدا کر لیا اور اِسٹنگٹن کلیسیا
کے پاسبان بھی بن گئے۔ یہ دن بدن زیادہ محنت کی وجہ
سے خدا کی خدمت میں ترقی کرتے جاتے تھے۔ اِس لئے انہیں
ہندوستان میں اِس خدمت کے عہدے کے لائق سمجھتے
ہوئے لمبتھ محل میں ۲۹ اپریل ۱۸۳۲ء کو اِن کا تقدس
اسقفی ہوا۔ انگلستان سے وداع ہوتے وقت اِن کی

سابقہ خدمات کا احترام کیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے انہیں مدعو کیا اور لارڈ مئیر لنڈن اور اسٹنگٹن کی کلیسا نے بطور یادگاری سونے کی گھڑی۔ چاندی کی دوات اور ۱۸۰ پونڈ عطا کئے۔ یہ چھ ماہ تک ہندوستان کو آتے ہوئے جہاز پر سفر کرتے رہے۔ اور انہوں نے زیادہ وقت کتب بینی میں صرف کیا۔ کلکتہ میں ۵ نومبر ۱۸۳۲ء کو پہنچے جہاں آرچ ڈیکن کوڑے اور ڈاکٹر ملز پرنسپل بشپ کالج نے ان کا نہائت تپاک سے خیر مقدم کیا۔ کلکتہ میں آتے ہی انہوں نے بشپ کالج اور دیگر کلیسائی سکولوں کا معائنہ کیا۔ اور مدراس۔ بمبئی۔ لنکا اور آسٹریلیا کے سرکاری پادریوں کو کلیسائی ہدایات تحریر کیں۔ کچھ دیر اپنے اسقفی گھر میں ٹھہرنے کے بعد انہوں نے ۱۳ میل کلکتہ سے دور تیتاگڑھ میں ایک دیہاتی مکان کرایہ پر لیا۔ اور وہاں خوش رہنے لگے۔ ان کا معمول ہو گیا کہ ہر روز الصبح اٹھ کر کالے گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کریں اور عموماً لارڈ ولیم بنٹنک کے ساتھ سیر و تفریح کو جاتے تھے۔ اور اسی دوران میں یہ کلیسیا اور حکومت کے بارے میں گفتگو کر لیا کرتے تھے۔

بشپ کالج سے ان کو خاص اُنس تھا۔ اور عموماً ان کا وہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس لئے ایک خاص کمرہ اُن کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ان کے زمانہ میں بیگم سمرو نہائت مشہور خاتون تھیں۔ جو اپنے حسن۔ اخلاق اور دولت میں یکتا تھیں۔ اس نے اپنی شادی فرانسیسی فوجی

مرود الٹر رینہارٹ سے کرلی جس کو ہند میں سمرُو کہتے ہیں۔ اس فرانسیسوی مرد نے اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے شاہ سے ایک ریاست جو سردھنا کے نام سے مشہور ہے اور شہر میرٹھ کے قریب ہی ہے حاصل کر لی۔ لوگ اِن دونوں کو نواب و بیگم کے نام سے بُلاتے تھے۔ لیکن نواب صاحب بہت دیر خوشی کو نہ دیکھ سکے اور گذر گئے۔ اب یہ بیوہ بیگم سمرُو رومن کیتھلک ہو گئیں۔ اور ریاست کا کام اور درباری کاروبار خود کرنے لگیں۔ اِن کے سردھنا کے محل اور دربار میں سات سو جوان عورتیں اِن کے حضور میں حاضر رہتی تھیں۔ اِن کی فوج تین ہزار افراد پر مشتمل تھی اور ریاست کے محصولات ۱۲۰،۰۰۰ پونڈ سالانہ تھے۔ انہوں نے بخوشی ایک لاکھ روپیہ انگلیکانی کلسیا کو اور پچاس ہزار روپے ڈایوسیس کے غربا کے لئے میٹرو پالٹین صاحب کو بھیجے۔ شائد اِس خیرات سے اُس کا مطلب برطانوی حکّام سے مراعات حاصل کرنا تھا۔ لیکن وہ اسے حاصل نہ ہوئیں اور ۱۸۳۶ء میں اِس بیگم صاحبہ کی موت کے بعد ریاست ایسٹ اِنڈیا کمپنی کے ہاتھ آ گئی لیکن ریاست کے محاصلات اُس نے اپنے متبنیٰ بیٹے وائس سمرُو کو وصیّت کر دیئے تھے۔ سردھنا میں اُن کی یادگار سنگ مرمر کا گرجہ ہندوستان کی اعلےٰ اور عجیب عمارتوں میں سے ایک ہے جو رومن کیتھولک کی تحویل میں ہے۔

میٹرو پالٹین صاحب کے زمانہ میں پھر سوال شادی اور

طلاق کا اُٹھا کہ اگر ایک ہندو یا مسلمان بہت سی بیویوں کے ساتھ عیسائی ہوتا ہے تو چاہئے کہ اس کو ویسے ہی شامل کر لیا جائے۔ لیکن انہوں نے ایسی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسری مشکل جو انہیں درپیش رہتی وہ بشپ اور سرکاری پادری کے تعلقات کا معاملہ تھا کیونکہ لارڈ ولیم بنٹک تو سرکاری پادریوں پر بشپ صاحب کو پورا پورا اختیار دینا چاہتے تھے لیکن لوکل گورنمنٹ اپنا اختیار کم ہونے نہ دیتی تھی۔ جس سے بشپ صاحب کو بہت صدمہ پہنچا۔ آخراً اس کش مکش کے بعد انہوں نے اپنا پہلا دورہ پینانگ مولمین سنگاپور۔ مدراس اور لنکا کی طرف کیا۔ لنکا سے مدراس کے سفر میں تو ان کی کشتی ڈوبتے ڈوبتے بچی۔ ۱۸۳۵ء میں انہوں نے ٹراونکور کے مسیحیوں کو دیکھا اور مبٹرن سے ملاقات کر کے اس پر اس اشد ضرورت کو پیش کیا کہ وہ طلباء جن کا تقرر ہو وہ ضرور کسی کالج کے تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں ٹراونکور سے گوا پہنچے اور مقدس فرانسس زیوئر کے دن پر میلہ دیکھا وہاں سے بمبئی ہوتے ہوئے اور راجپوتانہ سے گذر کر احمد نگر پہنچ گئے۔ جہاں زبردست چھاؤنی تھی۔ یہاں سے اسیر گڑھ اور برہان پور کو بھی دیکھا جو مغل شاہان کے مرکز تھے۔ پھر چتوڑ کو دیکھ کر نصیر آباد اور اجمیر کو دیکھا۔ جو اکبر اعظم کی دربار گاہ رہ چکا تھا۔ اجمیر سے جے پور پہنچے اور وہاں سے مغل شاہ کے مرکزی شہر دہلی میں پہنچ گئے۔ اور مغل شاہ سے ملاقات

کلکتہ کے نومسیحی

Scanned with CamScanner
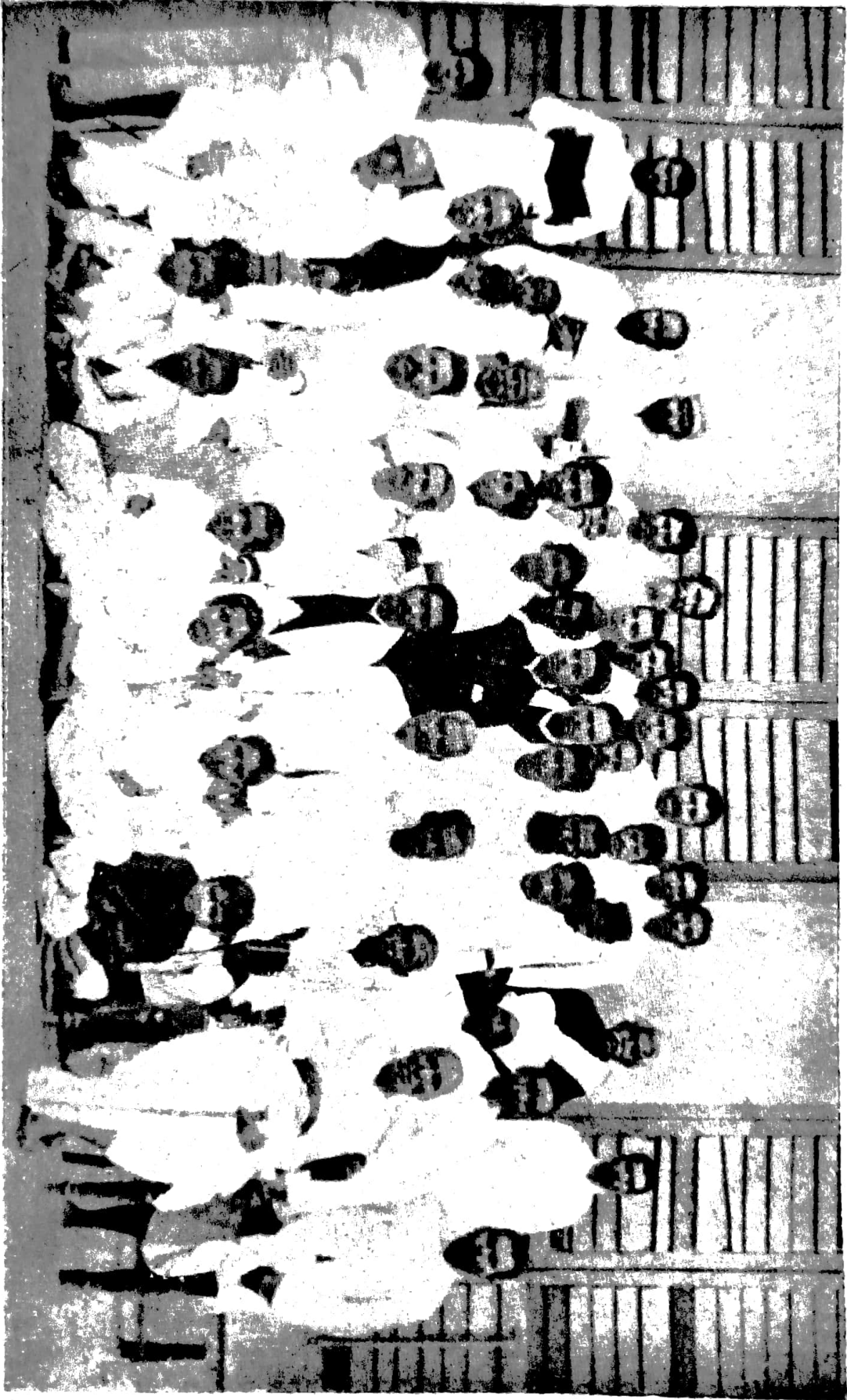
کی۔ دہلی سے میرٹھ پہنچے جہاں بیت اللہ اور کلیسیا دیکھ کر بہت خوش ہوئے پھر یہاں سے مسوری گئے جہاں انہوں نے خود بیت اللہ بنانے کے لئے سنگِ بنیاد رکھا اور وہاں سے شملہ پہنچے جہاں انہوں نے چار ماہ تک قیام کیا۔ شملہ سے انہوں نے پنجاب کے دَورہ کا عزم کیا۔ اور رَوپڑ ٹھہر کر دریائے ستلج سے بذریعہ کشتی لدھیانہ دیکھا اور جب ایسی کشتی میں سفر کرتے جا رہے تھے تو پنجاب کے خطہ کی زمین دیکھ کر ان کا دل شوق سے اُمڈ آیا۔ یہ کشتی میں کھڑے ہو گئے اور پنجاب کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا کہ میں اپنے خداوند یسوع مسیح کے نام میں اس زمین پر قابض ہوتا ہوں۔ لدھیانہ میں اب انہوں نے ایک بیت اللہ تعمیر کرایا۔ کرنال میں آنند مسیح کا تقرر کیا جو پندرہ سال سے مسیحی چلا آتا تھا۔ لدھیانہ سے پھر واپس دہلی چلے گئے اور کرنل سکنر سے ملاقات کی جن کی بیوی تاہنوز مسلمان تھی۔ دہلی سے کانپور گئے جہاں تین ہزار مسیحی تھے۔ کانپور سے لکھنؤ اور واپس لکھنؤ سے کانپور آئے اور دو معبدوں کا سنگِ بنیاد رکھ کر الہ آباد سے ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچ گئے۔

دوسرا دورہ انہوں نے آگرہ۔ گوالیار۔ جھانسی۔ ساگور اور جبل پور کا کیا۔ لیکن یہ آخری ایام میں نہایت افسردہ خاطر نظر آتے تھے کیونکہ اوّل تو ڈاکٹر ملز پرنسپل کی خدمت سے

سبکدوش ہوگئے اور اُس کے جانشین پروفیسر سٹریٹ سے
انہیں دل چسپی نہ تھی۔ جب تک کہ ڈاکٹر کیلیے نہ آئے دوم
غدر نے کلکتہ کی فضا کو خراب کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ ہم غرق
ہونے والے جہاز کے مسافر ہیں۔ آخر اسی تذبذب کی حالت
میں ۲ر جنوری ۱۸۵۸ء کو راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

مدراس ڈایوسیس ۱۸۳۵ء

مدراس ڈایوسیس کے اوّل
بشپ وائیٹیل کورسے مقرر ہوئے
لیکن یہ صرف ڈیڑھ سال تک
ہی اِس خدمت کو کرنے پائے تھے کہ آسمان پر بلائے گئے تو
بھی اِن کی یہ ڈیڑھ سالہ خدمت نہایت اہم تھی کیونکہ۔
(۱) پالم کوٹا کے معاملہ میں جو سی۔ٹی۔اِی۔ رینیس کی وجہ
سے پیدا ہوگیا تھا۔ اِنہوں نے مردانہ وار اُسقفی حق کو قائم رکھا
اور اُسے مستعفی کر دیا۔

(۲) تنجور کے مسیحیوں کی درخواست کہ عشاءِ ربانی میں
ذات پات کا خیال رکھا جائے اِنہوں نے ایک آنکھ سے
بھی اِسے نہ دیکھا بلکہ اپنی ڈائری میں یوں تحریر کیا کہ وہ بات
جس کو میں مضبوطی سے تھامے رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ
پاک عشاء میں شراکت اِس خیال کے بغیر ہونی چاہیئے
کہ اَور وہاں کون حاضر ہے۔ بلکہ ہمیں تو اُس وقت صرف
اپنے منجی کی طرف دیکھنا چاہیے....... اگر ہم عشاء پینے سے
اِس لئے انکار کریں کہ دوسروں نے ہم سے پہلے پی ہے تو ہم

ٹنجی کو نہیں دیکھتے ہیں۔

۳۔ انہوں نے غیر مذاہب کے تہواروں۔ جلسوں اور بتوں کے میلوں میں تعظیماً انگریزی افسروں کی شراکت کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے اولاً گورنر مدراس کو لکھا لیکن اس نے چنداں پرواہ نہ کی۔ پھر گورنر جنرل کو عرضی دی گئی جس نے کچھ تسلی بخش جواب دیا لیکن حکماً تعظیم بلند نہ ہوئی جب تک کہ ایک مسیحی لڑکے نے بت کے آگے ڈھولک بجانے سے انکار کیا تو اسے سزا دی گئی اس لئے یہ معاملہ انگلستان پہنچا اور وہاں سے ڈائرکٹر آف لندن نے قطعاً اس رسم کو بند کر دیا۔

بشپ ڈریوری سپنسر یہ انگلینڈ میں بکسلٹن کے ڈکر اور ڈیوک مالبرو کے پوتے تھے ان کا اسقفی تقدس قلم میں ہونے کے بعد ۸ نومبر ۱۸۳۸ء کو مدراس پہنچ گئے۔ چونکہ انگریز مبلغوں کی توقع کرنا ابھی بہت مشکل تھا۔ اس لئے انہوں نے یوریشنوں کے تقرر کی حمایت کی اور ہونہار اشخاص کو تعلیم و تربیت کے لئے بشپ کالج کلکتہ میں بھیجا اور اپنے نو سالہ اسقفی قیام میں ۲۴ تقرر کی عبادتیں کیں اور ۴۴ افراد کا تقرر کیا۔ یہ گو عموماً سنجیدہ اور خاموش رہتے تھے لیکن بے ضابطہ بپتسموں اور شادیوں کے خلاف انہوں نے آواز اٹھائی لہذا ۱۸۴۲ء میں ہر ضلع میں جائز شادی کے لئے سول رجسٹرار مقرر ہوئے۔ اور

پچھیسوں کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔

بشپ تھامس ڈیلٹری

انہیں ہندوستان میں چھبیس برس بطور سرکاری پادری خدمت کرتے گذرے تھے کہ میٹروپالیٹن ولسن نے انہیں کلکتہ میں آرچ ڈیکن کے عہدہ پر ممتاز کیا اور ان کی حسن قابلیت و خدمت کو دیکھ کر ۱۸۴۹ء میں مدراس کے بشپ بنائے گئے۔ جب یہ بشپ بنے تو ان کے سامنے یہ سوال اٹھایا گیا کہ پست اقوام کا جنازہ سرکاری پادری پڑھیں یا نہیں؟ سرکاری پادری اس امر سے درگذر کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے بزور پیش کیا کہ سرکاری پادری اس کام میں نرم مزاج اور رحم دل ہوں اور مشکلات کو دیکھ کر نہ کترائیں اور نہ ہی گھبرائیں۔ انہوں نے بشپ کالج میں تبلیغی تربیت کے لئے بہت سے اینگلو انڈین کو بھیجا اور اپنے گیارہ سال خدمت کے عرصہ میں خادمانِ دین کی ۹۷ تعداد کو ۱۵۱ تک پہنچا دیا۔ جس میں صرف ۴۵ سرکاری پادری تھے۔

بشپ گل

یہ انگلینڈ میں آرچ بشپ ٹیٹ کے سرکاری پادری تھے اور ۴۰ سال کی عمر میں مدراس کا بشپ ہونے کے لئے ان کا تقدس ہوا۔ اور ۱۸۶۱ء میں مدراس پہنچ گئے۔ یہ عمر بھر مجرد ہی رہے اس لئے زیادہ دورہ پر رہتے تھے۔ ٹینولی۔ ڈارنکل۔ ناگپور۔ ان کے علاقے میں شامل تھے۔ چونکہ ان کے پاس وسیع علاقہ تھا۔

اس لئے انہوں نے آرچ بشپ کنٹربری سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنے ڈونائب بشپ چننے اور بنانے کی اجازت بخشے لہذا اجازت ملنے پر انہوں نے سی۔ایم۔ایس کے سارجنٹ اور ایس۔پی۔جی کے کالڈول کا تقدس کیا اور یوں ہند میں ایک اور نیا دور شروع کیا۔

بشپ ہنری وائٹ ہیڈ

بشپ کالج کلکتہ کے پرنسپل تھے۔ لیکن دوران معلمی میں آکسفورڈ مشن نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے تبلیغی کام کے بھی ناظم ہوں۔ اس نظامت تبلیغ کے ایام میں انہوں نے تن دہی سے خدمت کی جس سے انگریزوں اور ہندوستانیوں میں مشہور ہوگئے۔ اس لئے مدراس میں ضرورت پڑنے پر ان کا اسقفی تقدس ہوا۔ بشپ ہونے پر ماس موومنٹ کے کام میں اتنے اُلجھ گئے کہ کلکتہ کی یاد ان کے دل میں قطعاً نہ رہی۔ ان کی زندگی کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ ڈارنکل ڈایوسیس کے قیام کی بنیاد انہوں نے ڈالی۔

مدراس ڈایوسیس تبلیغی کام میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔ اس ڈایوسیس سے ہی ٹینولی اور ڈارنکل کی ڈایوسیس بنائی گئیں ہیں۔ اس کے خاص تبلیغی مرکز مدراس۔ ترچناپلی تنجور۔ سکندرآباد۔ کڈاپور۔ بنگلور۔ میسور اور اوٹوکمند ہیں ان میں بعض میں سی۔ایم۔ایس اور بعض میں ایس۔پی۔جی

انجمنیں خدمت کر رہی ہیں۔

بمبئی ڈایوسیس

۱۸۳۷ء

بشپ تھامس کر بمبئی کے علاقہ میں مختلف اقسام کے لوگ آباد ہیں۔ مرہٹے جو غالباً سیتھین قوم سے ہیں۔ گجراتی جو نہائت مالدار ہیں۔ اور جین مت سے زیادہ متعلق ہیں۔ شمال میں راجپوت آباد ہیں۔ اور جنوب میں کنارسی جو دراوڑ قوم سے ہیں نیز بمبئی اور گجرات کے جنوبی زیریں حصہ میں پارسی بھی آباد ہیں لہذا بمبئی جاذب نظر مرکز رہا ہے۔ آرچ ڈیکن بارنز نے نہائت محنت و مستقل مزاجی سے خدمت کی۔ اور بشپی قیام کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اس لئے ۱۸۳۷ء میں آرچ ڈیکن تھامس کر کا اسقفی تقدس ہوا۔ بشپ کر نے سورت میں مقیم انگریزوں کا ہندو آنہ میلوں اور تہواروں میں شراکت کو معیوب تصور کیا اور مسیحی جوش میں کمی کی۔ احمد آباد اور بھابلشوار میں بیت اللہ تعمیر کرائے۔ تاکہ وہ بطور گواہ ہوں ۱۸۵۱ء میں یہ خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔

بشپ جان ہارڈنگ ان کے اسقفی تقدس کی رسم ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔ انہوں

نے بشپ ہوتے ہی بمقام قلابہ میں افغان میموریل چرچ تعمیر کیا جس کی اونچائی ۲۱۰ فٹ ہے اور پونا میں اینگلو انڈین کے لئے سکول جاری کیا جو اب تک بشپ سکول کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے تبلیغ میں بہت مدد کی اور سترہ سالہ خدمت کے بعد ۱۸۶۸ء میں سبکدوش ہو گئے۔

بشپ ہنری الگزینڈر ڈوگلاس یہ بشپ تبلیغ کے دلدادہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بشپ ہیبن کی معرفت درخواست کی کہ تبلیغ کے لئے کارگذار و تبلیغ بھیج کر ان کی مدد کی جائے سو ان کی عرض و دعوت پہ کوٹلی فادر بمبئی میں تشریف آور ہوئے۔ کوٹلی فادر کی انجمن کا بانی فادر بینسن تھا۔ جس کے دل میں اُمنگ اٹھی کہ وہ ہند میں بشارت دے لہذا اُس نے ۱۸۷۴ء میں فادر پیج اور بسکو کو بھیجا جن کے ساتھ بعد میں فادر اونیل بھی آشامل ہوئے یہ سنار پور کے بازار میں رہائش پذیر ہو کر خدمت کرتے رہے۔ لیکن بشپ ڈوگلاس نے فادر پیج کو سینٹ پیٹرز مزاگاں کا کام سپرد کر کے انہیں ناظم قرار دے دیا۔ اور پونا میں پنچ ہوص کی خدمات بھی انہوں نے اپنے ذمہ لے لیں۔ اور ۱۸۷۲ء کے بعد تو خصوصیت سے انہوں نے غیر مذاہب میں خدمت کی وجہ سے اپنے آپ کو جاذبِ نظر بنا لیا۔

بشپ لیوئس جارج ملن یہ بائیس ۲۲ برس بمبئی میں قیام پذیر رہے۔ نہائت

زبردست عالم اور مقرر تھے۔ مقدسہ مریم کی انجمن وانٹیج نے سسٹروں کو ان کے زمانہ میں بھیجا تاکہ وہ پونا میں خدمت کریں لیکن سینٹ اَلبنز انجمن نے اتنی ہی تعداد سسٹروں کی اور بھیج دی تاکہ وہ بمبئی شہر میں کام کریں۔ وانٹیج کی سسٹریں پونا میں تعلیمی و صنعتی کام میں مصروف ہیں اور اَلبنز کی سسٹریں بمبئی میں کیتھڈرل سکول۔ ہسپتال اور کھنڈالہ بمبئی گھاٹ پر زنانہ سکول چلا رہی ہیں۔ وانٹیج کی سسٹریں بنگلور میں سینٹ میری ہوم کو عمدگی سے چلا رہی ہیں۔ سو بشپ جارج ہلن کے ایام میں تبلیغ و خدمت میں کافی ترقی ہوئی۔

بشپ جیمیس مکارتھر

ان کا تقدس ۱۸۹۸ء میں ہوا اور ۱۹۰۳ء میں یہ خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ ان کے مستعفی ہونے کی بنا خرابیٔ صحت تھی۔ لیکن ان کے زمانۂ خدمت میں راجپوتانہ میں بھیل لوگوں اور جرائم پیشہ افراد میں خصوصیت سے خدمت کی گئی ناسک کے علاقہ میں ماس مومنٹ کام پر بھی بہت زور دیا گیا۔

سو بمبئی کے علاقہ میں سیّاحوں۔ غریبوں۔ کس مپرسان حمال بچّوں اور لڑکیوں میں نیز پست اقوام۔ جرائم پیشہ اور اعلےٰ طبقہ کے افراد میں تعلیمی و صنعتی خدمت ہوتی تھی۔

کولمبو ولنکا ڈایوسیس

۱۸۴۵ء

لنکا میں مسیحی تبلیغ اس وقت سے جاری ہے جب نسطوری مشنریوں

نے جنوبی ہند میں اشاعت کی۔ پرتگالی عہد میں سو سال تک انہیں رومن کیتھولک مشن سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن جب ڈچ لوگوں نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو کٹر پریسبٹرین ازم اس علاقہ میں یہاں تک پھیلا کہ مقبوضہ علاقوں میں ہندوؤں کو ایک بھی مندر بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اور بُت پرستی کے ٹیکے اور تلک لگانے بھی منع تھے۔ لیکن انگریزی راج کے پہلے ہی سال میں جب انہوں نے اپنی مذہبی حکمت کو واضح کیا تو ایک ہی سال میں ۳۰۰ مندر ایک ہی صوبہ میں بنائے گئے۔ اور ہر دس میں سے نو اشخاص کے ماتھوں پر تلک نظر آنے لگے۔ بشپ مڈلٹن اور ہیبر نے یہاں کے مسیحیوں کو دیکھا کہ گو مسیحی کم تھے لیکن ایمان میں مضبوط سی۔ ایم۔ ایس اور ایس۔ پی۔ جی کے افراد نے بہت کام کیا اس لئے ۱۸۳۷ء میں اسے مدراس ڈایوسیس کا حصہ بنایا گیا۔ لیکن ۹ سال کے بعد یہ علیحدہ ڈایوسیس بن گئی۔:

بشپ جیمس چاپ مین

۱۸۴۵ء میں ان کا اسقفی تقدس ہوا اور چونکہ یہ تعلیم کے زیادہ مشتاق تھے اس لئے ۱۸۵۱ء میں انہوں نے سینٹ تھامس کالج کولمبو قائم کیا اور ڈیوٹی سکول کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا۔ تاکہ سنہالی اور تامل لوگ پاک عہدوں کے لئے اس میں تعلیم و تربیت پائیں۔ ڈچ لوگوں

کی طرح ان کے دل میں بھی تعلیم۔ تبلیغ اور تنظیم کی تڑپ تھی اُن کے بیت اللہ اور خدامِ دین کی بہترین رہائش گاہیں دیکھ کر انہیں رشک آتا تھا تو بھی انہوں نے جو کیا بہت کیا۔

بشپ سٹیفن کالوری کلائٹن

کا اُسقفی تقدس ۱۸۵۹ء میں ان کا اُسقفی تقدس ہوا اور لنکا میں ۱۸۶۲ء میں گئے۔ اپنے دورہ سے قبل سینٹ تھامس کالج کی لائبریری میں خدامِ دین کا جلسہ فراہم کیا اور تبلیغ میں توسیع کی نسبت مختلف آرا کو معلوم کر کے سفر پہ چل دیئے۔ دورہ میں کنڈیاں ضلع کے سرداروں سے ملاقات کر کے انہیں مسیحیت کا پرچار کیا اور بتایا کہ مسیحیت کی قبولیت رضا و رغبت پر منحصر ہے۔ اس سے رسوم۔ دستور اور پوشاک کو بدلنا نہیں چاہیئے بلکہ کلام کے وسیلہ سے دل اور کام میں سچی تبدیلی چاہتے ہیں۔ انہوں نے دورہ میں کاشتکاروں سے بھی ملاقات کی اور کلیسیا کو سناڈیکل انتظام میں ڈھال دیا۔ ۱۸۶۶ء میں سنڈ کے جلسے سے کلیسیا میں بہت ترقی ہوئی۔ لیکن ۱۸۷۱ء میں یہ مستعفی ہو کر واپس گئے۔ اور لنڈن میں آرچ ڈیکن کی خدمات کرتے رہے۔

بشپ وَن۔ ہف۔ ڈبلیو۔ جیرمین

کا تقدس ۱۸۷۱ء میں ہوا۔ انہوں نے دورانِ خدمت میں وقت بے وقت تبلیغ کی اور زندگی کی پاکیزگی۔ خدا کی خدمت میں مشغولیت پر اور رضا کارانہ

نذرانے پر بہت زور دیتے رہے۔ اِن کی خدمات رسُولی تھیں۔
لیکن ۱۸۷۵ء میں بعارضہ پیچش انہیں مستعفی ہونا پڑا۔
اور اِن کے جانشین بشپ ریجینلڈ سٹیفن کا پلٹن تھے۔ جن
کا تقدس ۱۸۷۶ء میں ہوا اور وہ عرصہ ستائیس سال تک خدمت
کرنے کے بعد کلکتہ میں ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۱۲ء تک ہند
کے چوتھے میٹروپالیٹن کی حیثیت میں خدمات سرانجام دیتے
رہے۔ جب یہ کولمبو میں بشپ بنائے گئے۔ تو اِن کی عمر
۳۰ برس سے کم تھی۔ لیکن ذہانت کی وجہ سے بشپ بن گئے
۱۸۸۶ء میں جب سلطنت نے کلسیا کی مدد کرنے سے انکار
کیا تو بھی اِنھوں نے کام و خدمت میں کمزوری نہ آنے دی۔
۱۸۸۶ء میں سینٹ مارگریٹ گرنسٹڈ کی سسٹروں
نے ڈایوسیس میں خدمت شروع کر دی اور سی۔ ایم۔ ایس
کے بشپ کالج فار گرلز اینڈ لیڈیز اور دیگر سکولوں اور
ہوم کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ زنانہ مشنری سوسائٹی کاندی
میں ہائی سکول کے ذریعہ کندیاں سرداروں کی لڑکیوں
کو تعلیم دیتی ہے۔ اور بہروں اور اندھوں کے لئے بھی سکول
چلا رہی ہے۔
۱۸۸۰ء میں تھیا سوفسٹ فرقہ کی سرگرمیوں سے مسیحیت
پر کچھ بادل چھا گئے۔ لیکن مسیحی ضیاء پاشی کا کام جاری ہے تو
بھی خصوصیت سے ابھی ماس موومنٹ میں کام جاری
نہیں ہوا۔

بشپ کاٹن عظیم راہنمائے تعلیم

ہند کا دوسرا ابیٹر وپالٹن

۱۸۵۸ء — ۱۸۶۶ء

کاٹن صاحب انگلستان میں مالبرو کے سکول میں منتظم و معلم اعلےٰ کی خدمات ادا کر رہے تھے۔ کہ ہند سے میٹرو پالٹن وِلسن کی دفات کی خبر پہنچی۔ زمانۂ غدر تھا۔ کلیسیائیں تتر بتر ہوگئیں مقیں مسیحی خون میں نہا رہے تھے۔ لیکن تو بھی وہ مشکل وقت میں خدمات کو قبول کرتے ہوئے چل پڑے۔ اور کام کو سنبھال لیا۔ اُس وقت مسیحی تبلیغ کی نسبت لوگوں کے مختلف نظریے تھے بعض یہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ سرکار کی وفادار رعایا بنانے میں مُعاون ہے اور بعض اسے بغاوت کی وجہ خیال کرتے تھے تو بھی انہوں نے غور و خوض کے بعد یہ فرمان جاری کیا۔ کہ بازاری منادی بند کر دی جائے۔ کیونکہ عام مجمع میں بحث و سوالات پیدا ہوتے ہیں لیکن کسی بڑے کمرہ میں علیحدگی میں ضرور منادی ہونی چاہئے نیز مدرسوں میں بائبل نہ پڑھائی جائے کیونکہ میں یہ تو برداشت کرسکتا ہوں کہ بنگالی لوگ بائبل کو نہ جانیں بجائے اس کے کہ وہ ایسے مُنہ اور زبان سے اسے سُنیں جو اس کو کُفر اور دھوکا سمجھتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یہ نہائت جفاکش۔ محنتی اور عالم بشپ تھے۔ کُتب بینی کا انہیں شوق تھا۔ یہ دل سے چاہتے تھے۔ کہ علم کی بے بہا دولت سب حاصل کریں۔ اِس لئے انہوں نے جابجا اینگلو انڈین کے لئے مدرسے کھولنے کا اہتمام کیا۔ لیکن مدرسے جاری کرنے کے لئے روپے کی ضرورت تھی۔ اِس لئے ۲۹ر جولائی ۱۸۵۹ء کو انہوں نے اس ضرورت کو پیش کرنے کے لئے کلکتہ کیتھڈرل میں رومیوں ۱۲ باب کی اکیسویں آئت پر وَعظ دیا جو یوں ہے کہ "بدی سے مغلوب نہ ہو بلکہ نیکی کے ذریعہ سے بدی پر غالب آؤ" وائسرائے اور لیڈی کیننگ نے پیغام کو سُن کر گیارہ سو پونڈ نذر کئے اور کلکتہ کی ڈائوسیس نے آدھ لاکھ کے قریب روپیہ پیش کیا تاکہ تعلیمی کام ہوسکے سو انہوں نے شملہ میں جیبوٹوگ والے سکول کو موجودہ جگہ پر منتقل کیا اور پادری ایس سیلیٹر صاحب اس سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ایسے ہی سینٹ پال سکول کلکتہ کو جو بشپ کُورے کی وساطت سے قائم ہوا تھا انہوں نے تبدیل کرکے دارجیلنگ میں قائم کردیا۔ مسُوری میں مسٹر ماڈوک سے بارہ ہزار پونڈ میں ایک سکول خرید کر جاری کیا اور ناگپور اور باقی جگہوں میں بھی مدرسے کھول دیئے۔

تبلیغی کام میں بھی اِنہیں خاص دلچسپی تھی کیونکہ انہوں نے بہت کوشش کی کہ برما اور آسام میں جہاں ایس۔ پی۔ جی مشن خدمت کررہی تھی کسی موزوں جگہ پر

بشپ کا قیام ہوتا کہ برما میں زیادہ جوش سے بشارت ہوسکے اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے لئے نائب بشپ کے بہت خواہش مند تھے۔ لیکن اِن کی یہ خواہشات دل میں ہی رہ گئیں۔ کہ خدا نے انہیں نہایت عجیب طور پر اپنے پاس بُلا لیا کیونکہ جب یہ آسام کو دَورہ پر گئے تو جس دِن انہوں نے کلکتہ کو واپس آنا تھا انہوں نے ایک قبرستان کی تخصیص کی لیکن رسم کی ادائیگی کے بعد جب جہاز پر لکڑی کے تختہ پر پاؤں رکھ کر چڑھنے کو تھے۔ کہ اِن کا پاؤں پھسل گیا اور ڈوب گئے اور پھر کبھی دکھائی نہ دیئے۔

بشپ ملمین زبردست مبلّغ

ہند کا تیسرا میٹرپالیٹن

۱۸۶۷ء ——— ۱۸۷۶ء

یہ بشپ کاٹن کے جانشین تھے۔ اگر بشپ کاٹن صاحب زبردست تعلیمی ناظم تھے تو یہ زبردست مبلغ تھے۔ یہ ہر وقت دَورہ پر ہی رہتے تھے۔ ویسٹمنڈ سے تعلیم حاصل کر کے یہ آکسفورڈ کالج میں داخل ہوئے اور کالج کے ایام کے بعد اپنے والدین کے ساتھ سیر کرنے رُوما گئے۔ اور سردی کے دِن رُوما میں کاٹے۔ لیکن ۱۸۳۹ء میں اِن کا تقرر ہُوا۔ اور

برک شائر میں پاسبانی خدمت کرتے رہتے۔ یہ نہائت فیاض دل تھے شائد اس لئے خدا نے ہند میں اس عظیم خدمت کے لئے انہیں بلایا کہ وہ میٹرو پالیٹن ہوں۔ اس لئے ۲ر فروری ۱۸۶۶ء کو ان کا تقدس ہوا۔

۱۸۶۷ء میں گو پنجاب۔ اضلاع متحدہ۔ اودھ اور برما بھی کلکتہ ڈایوسیس میں شامل ہو گئے اور ان کی ذمہ داری وسیع اور کام کی کثرت ہو گئی تو بھی انہوں نے رانچی کے کول لوگوں میں اپنا تبلیغی مشن جاری کر دیا۔ رانچی کے کول میں ۱۸۴۵ء سے چھ جرمن پادری گوسنر کے زیر ہدایت خدمت کر رہے تھے اور چھوٹا ناگپور کے گرد و پیش انہوں نے بہت خدمت کی اور ایک ہزار کے قریب لوگوں کو مسیحیت میں شامل کیا۔ لیکن گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے گوسنر مشن نے کمزور ہو کر اپنا ہاتھ اٹھا لیا لیکن بشپ ملمین جس کے دل میں یہ زبردست خواہش تھی کہ تمام ہندوستان مسیح خداوند کے قدموں میں آجائے انہوں نے کام کو سنبھالتے ہوئے مارچ ۱۸ر ۱۸۶۹ء کو چھ لوتھرن مبلغوں کا تقرر کیا اور کول مسیحیوں کو مستحکم بھی کیا۔ اور مسیحیت میں بہت سی حد بندیوں کو نرم کرنے کی ٹھانی۔ کیونکہ یہ کوئی وجہ نہ سمجھتے تھے کہ کن لوگوں کو کیوں بپتسمہ نہ دیا جائے جنہوں نے ہندو یا مسلمان ہوتے ہوئے زیادہ بیویوں سے شادی کی اور اب وہ بمعہ عیال و اطفال مسیحی ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ قید پیش کرتے تھے کہ وہ بپتسمہ کے بعد کسی اور سے شادی

نہیں کر سکتے۔
تبلیغ میں سدھار اور تنظیم کے لئے انہوں نے ہندوستانی کلیسا میں ڈیکن اور ریڈر کے خدمتی عہدوں کو جاری کیا اور برما و لاہور کے لئے علیحدہ بشپ مقرر ہونے کی تجویز کو انہوں نے پیش کیا لیکن یہ اس تجویز کو عمل پیرا ہوتے نہ دیکھ سکے کیونکہ ۱۸۷۷ء میں انہوں نے پشاور دیکھنے کا عزم کیا اور سفر میں ایک رات انہیں دریائے جہلم میں کشتی پر بسر کرنی پڑی۔ جس سے ان کی صحت میں خرابی پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر بھی پشاور میں مریضانہ اور کمزوری سے خدمت و بشارت کرتے رہے اس لئے یہ بستر مرگ پر پڑ گئے۔ ۵ مارچ ۱۸۷۶ء میں تمام گرجوں میں ان کے لئے دعا کی گئی۔ جس سے انہیں کچھ افاقہ ہوا اور تندرست ہونے لگے۔ اور راولپنڈی منتقل کر دیئے گئے تاکہ شائد وہ ان کی صحت کے لئے زیادہ موزوں جگہ ہو لیکن دفعتاً ۱۵ مارچ ۱۸۷۶ء کو "خدا کے فرزندوں کی جلالی آزادی" کہتے ہوئے ابدی مکان کو سدھار گئے۔ ان کا جسم راولپنڈی کے قبرستان میں دفن ہے۔:-

لاہور ڈایوسیس

بشپ ملمین کی خواہش پر اور اس کی یاد میں ۱۸۷۷ء کو لاہور ڈایوسیس قائم کی گئی۔ اس ڈایوسیس میں تمام صوبہ

پنجاب بمعہ سرحدی صوبہ شامل ہیں اِس لئے اِس سے قبل کہ ہم ڈایوسیس کے نظام کی نسبت تحریر کریں یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اِن علاقوں میں سی۔ایم۔ایس مِشن نے کیسے کام کیا؟ اِس کلیسیا سے قبل پرسبٹیرین مشن کام کرتی رہی ہے۔ جن کا مسیحی بشارت میں بہت حصہ ہے۔ لیکن سر جان لارنس کے دعوت نامہ پر پادری رابرٹ کلارک نے امرتسر مشن مرکز قائم کیا۔ اور خدمت کے لئے ان علاقوں کو چنا جو پرسبٹیرین مشن کے میدان خدمت سے باہر تھے یعنی امرتسر۔ کلارک آباد۔ نرنتارن۔بٹالہ شملہ وکوٹ گڑھ۔ کانگڑہ۔ کشمیر۔ پشاور۔ درہ جات۔ سندھ اور بلوچستان۔ ان کے علاوہ دیگر جگہوں میں چھوٹے چھوٹے مراکز قائم کئے تاکہ بشارتی خدمت درست طریق پر ہو سکے ۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۰ء صوبہ پنجاب میں کم ازکم ڈیڑھ سو مشنریوں نے خدمت کی ہے جن میں سے روبینڈ بیٹسن۔ گارڈن۔ سارہ۔سی۔ٹکر (اے۔ایل۔او۔ای) ڈاکٹر امبیرلی۔ ڈاکٹر نیو ڈاکٹر سٹار۔ ٹنڈیل بسکو۔ فٹز پیٹرک۔ پینل۔ لیفرائے اور کلارکسن زیادہ نمایاں تھے۔ ہم مشن کی خدمت پر بالترتیب غور کرینگے۔

امرتسر:- یہ سی۔ایم۔ایس مِشن کا صوبہ پنجاب میں ابتدائی مرکزی شہر ہے جس میں اِس مِشن نے تعلیمی۔ تبلیغی اور طبی طور پر بہت خدمت کی۔

تعلیمی:- اِس شہر میں ایک مدرسہ کھولا گیا۔ جس کے تعلیمی ذریعہ سے مولوی قدرت اللہ۔ منصف شیر سنگھ۔ بابو نرائن

داس۔ شوبھا رام اور ڈاکٹر میران بخش مسیحی ہو گئے لیکن اس تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ زبردست شخصیت مسٹر رلیا رام مسیحی پلیڈر کی تھی۔ جس کے کردار و اقوال نے مسیحیت کو اعلےٰ طبقہ میں مؤثر بنا دیا تھا۔ لڑکیوں کے لئے ایک یتیم خانہ بنایا گیا۔ جس میں مسز کین۔ مسز کلارک۔ مسز اَمزلی۔ مسز رُدھفر اور مس۔ ایم سمتھ نے خدمت کی بعدہ مسٹر وِیڈ نے اِس کام کو سنبھالا۔ لیکن ۱۸۷۲ء میں جب ڈاکٹر اَمزلی گذر گئے تو مسز اَمزلی نے اِس یتیم خانہ کا ذمہ لے لیا اور کہا کہ "اِن بچّوں کو میرے سپرد کردو۔ جن کی کوئی فکر نہیں کرتا"۔ اِس یتیم خانہ کا اثر ہندو۔ مسلمان۔ اور خصوصاً سکھوں پر بہت تھا۔

الیگزینڈرا ہائی سکول جس پر امرت سر کو ناز ہے اِس کی تعمیر کے لئے پہلا نذرانہ ۱۲ پونڈ ۱ شلنگ تھا لیکن انگلستان میں سی۔ ایم۔ ایس کے برادران نے جلد ہی سکول کے تمام خرچ کو ۱۸۷۸ء میں پُورا کر دیا۔ اِس سکول کا مقصد یہ تھا کہ متموّل مسیحی افراد کی لڑکیاں اپنی ملکی زبان میں تعلیم و تربیّت حاصل کر کے نیز مغربی علوم و فنون سے بھی واقف ہو کر اپنے حلقہ میں مسیحی مشنری ہوں تاکہ اِن کے وسیلہ سے ہند میں مسیحی نور چمکے۔ ۱۸۸۸ء میں وائسرائے مارکیوس رِپن اِس سکول کا معائنہ کر کے بہت خوش ہوئے اور بہی خواہ ہونے کا ثبوت دیا۔ دیگر چھوٹے مدرسے لیڈی ہنری لارنس کی یاد میں سکھوں ہندؤں اور مسلمان لڑکیوں کے لئے شہر میں کھولے گئے۔

زنانہ مشن نے مدرسوں اور طبی مرکزوں کے وسیلہ سے شہر امرتسر اور اُس کے گرد و نواح میں بہت خدمت کی۔ مس ہیولٹ نے زنانہ طبی مشن اور مس کلّے نے زنانہ دیہاتی مشن کو جاری کیا جس کے ذریعہ جنڈیالہ۔ اجنالہ اور نارووال میں مشن مرکز قائم ہو گئے۔ ۱۸۸۲ء میں جب ڈاکٹر کلارک امرتسر میں طبی مشن کے منتظم ہوئے تو جنڈیالہ۔ کلارک آباد۔ ویروال اور سلطان پنڈ میں طبی شاخیں کھول دی گئیں اور یوں کام گرد و نواح میں ترقی کرنے لگا۔

کلارک آباد:- ۱۸۶۷-۶۸ء میں غریب مسیحیوں نے درخواست کی کہ ہم کو زمین عنائت کی جائے۔ تاکہ وہ بیرونی دباؤ سے آزاد ہو جائیں۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بصد مشکل اس درخواست کو ۱۸۶۹ء میں قبول کیا۔ اور بہت سے غریب مسیحیوں کو کاشتکاری اصول پر زمین دی گئی لیکن ۱۸۷۲ء میں وہ آباد مسیحی جگہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آخرا پادری ریولینڈ بیٹ من نے اس تمام زمین کو اپنی تحویل میں کر کے اس مسیحی بستی کو بربادی سے بچایا۔ اور مسیحیوں کے لئے بیت اللہ مشن ہاؤس۔ لڑکوں کا یتیم خانہ۔ لڑکوں کا سکول۔ لڑکیوں کا سکول۔ ڈسپنسری۔ دیسی ڈاکٹر کا گھر۔ مناد کا گھر۔ زمینداروں کے مکانات۔ تین دوکانیں۔ گاؤں کے گرد دیوار۔ پکا تالاب۔ کچا بڑا تالاب۔ خراس۔ کنواں۔ قبرستان کے گرد دیوار و چھ گودام۔ مسافر خانہ۔ ڈاک خانہ۔ کراچھا بنوایا

اور پادری اور مسز نوبل اور پادری داؤد سنگھ اس میں بہت دیر تک خدمت کرتے رہے جس سے تبلیغی کام میں بہت ترقی ہوئی اور خداوند کا جلال اس مسیحی گاؤں سے ظاہر ہونے لگا۔

ترن تارن:- امرت سر مشن نے جب دیہات کی طرف توجہ دی تو پادری بُرڈسل۔ لیٹن۔ ایم، براؤن۔ کین اور بیٹ مین صاحبان دیہاتوں میں تبلیغی خدمت کرنے لگے لیکن کوئی مشن مرکز دیہات میں ابھی نہ بنایا گیا لیکن مس کلے نے جنڈیالہ اور اجنالہ میں مشن ہاؤس تعمیر کئے جس کو دیکھ کر سی ایم۔ ایس نے بھی ترن تارن میں مشن مرکز بنایا اور پادری ای۔ گلفرڈ صاحب خدمت کرنے لگے جس نے کسر نفسی کی اعلےٰ خدمات کے صلہ میں سرکار انگلشیہ سے قیصر ہند کا تمغہ حاصل کیا۔

بٹالہ:- ۱۸۶۶ء عیسوی میں بابو یوحنا نے جو ڈاکٹر فانڈرز کی دساطت سے مسیحی ہوئے تھے۔ یہاں خدمت کی اُن کے بعد مسٹر جان صاحب اور پادری میاں صادق صاحب تبلیغی خدمت کرتے رہے سو یہ علاقہ اس قابل ہو گیا کہ اس میں مشن مرکز قائم کیا جائے لہٰذا ۱۸۷۷ء میں مس ٹکر (اے۔ ایل۔ او۔ ای) نے اپنا مرکز یہاں قائم کیا۔ اور خدمت کرنے لگیں۔ لیکن ۱۸۷۸ء میں پادری ایف۔ ایچ بیرنگ نے بورڈنگ ہاؤس بنا کر علاقہ میں زیادہ شوق پیدا کر دیا۔ اور تمام بٹالہ تحصیل کو بشارتی علاقہ بنا لیا لیکن ۱۸۸۲ء

میں بیرنگ صاحب کی درخواست پر سی۔ ایم۔ ایس نے سکول و تبلیغی علاقہ اُسے سونپ دیا۔ سو یہ اُن کا اپنا ذاتی کام ہو گیا لیکن ۱۸۸۴ء کو جب بوجہ بیماری انہیں واپس انگلستان جانا پڑا تو ۳۵۰ پونڈ سالانہ عطیہ کے ساتھ دونوں شعبہ جات سی ایم۔ ایس مشن کی تحویل میں کر دیئے۔ بیرنگ صاحب کے ولائت جانے سے قبل ۱۸۸۲ء میں لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچیسن بٹالہ تشریف آور ہوئے اور بصد مسرت بیت اللہ کے سنگ بنیاد کو رکھا۔

شملہ و کوٹ گڑھ:۔ ۱۸۴۰ء میں ڈپٹی کارٹن کی زیر سرکردگی تبلیغی مشن کے انعقاد کی مجلس ہوئی۔ جس میں کیپٹن جیکسن۔ گریہم۔ رینے اور میجر بوائلو شامل تھے سو انہوں نے غیر پادریوں کو مقرر کیا کہ وہ تبلیغ کریں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں ۱۵۰۰۰ روپیہ کی رقم تبلیغی مشن کے لئے فراہم ہوئی۔ ڈپٹی کارٹن نے یکصد روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کیا نیز ۱۸۴۴ء میں بستر مرگ پر ۲۲۰۰۰ روپیہ تبلیغی مشن کے نام پر وصیت کر دیئے جو کارٹن فنڈ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس لئے سی۔ ایم۔ ایس نے شملہ و کوٹ گڑھ میں مرکز بنائے اور عالی ہمت مشنری یعنی پادری رُوڈلف۔ ایم۔ ولکنس۔ پراکناٹ۔ جے۔ این مرک۔ ڈبلیو۔ کین۔ بُوئیل۔ لے۔ وی۔ ریبک اور کوٹ گڑھ میں خصوصاً پادری لے۔ بیلی اور دیسی پادری ٹی۔ ایڈورڈ خدمت کرتے رہے۔

لوگ کوٹ گڑھ کو گرُو کوٹ بھی کہتے ہیں کیونکہ گرُو کی قبر گاؤں کے عین وسط میں ہے۔ یہ شملہ سے ۴۵ میل دُور اور سطح سمندر سے ۶۷۰۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ آدمی سادہ طبیعت ہیں لیکن تواہم پرست۔ وہ اپنے دیوتاؤں کے حضور آدمیوں کو قربان کرتے رہے۔ ایک غار میں کسی دیوتا کے سامنے وہ ہر سال ایک حسین لڑکی کو قربان کرتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ انہیں ذلالت سے دُور کر کے تواہم پرستی کے بند سے چھڑایا جاتا نیز کوٹ گڑھ میں چین کے تاتاری لوگ بھی آسکتے تھے۔ اور لاما کی خانقاہ دُور نہ تھی اس لئے جب مدرسہ کھولا گیا تو ہر اطراف سے بچوں کو داخل کیا گیا ۱۸۷۳ء میں بیت اللہ بھی تعمیر ہو گیا۔ جس میں اہلِ ہنود نے بخوشی یک صد روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ نے ۲۵۰ روپے اور ڈپٹی کمشنر شملہ نے لکڑی عنایت کی۔ تب سے مشن کا کام ہر دو علاقوں میں کامیابی سے ہو رہا ہے۔

کانگڑہ :- یہ پہاڑی علاقہ ہے جس میں بعض ایسے پہاڑ ہیں جو ۱۶،۰۰۰ فٹ بلند ہیں اور کانگڑہ بذات خود سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ بلند ہے۔ ہندوستانی تاریخ میں کانگڑہ کا راجہ گیارہ ریاستوں یعنی کلو۔ منڈی سکیت چنبہ۔ ہرُدوار۔ بلاسپور اور گورپور وغیرہ پر حکمران رہ چکا ہے۔ لیکن گیارھویں صدی میں عنانِ حکومت مسلمان شاہان کے ہاتھ آگئی اور محمود غزنوی۔ فیروز شاہ۔ اکبر اعظم اور جہانگیر

اس پر قابض رہے لیکن ۱۸۰۶ء میں راجہ سنسار چند نے سلطنت قائم کر لی جس کو ۱۸۲۸ء میں راجہ رنجیت سنگھ نے اپنے قابو میں لے لیا۔ لیکن جب یہ سرکار انگلشیہ کے نظام میں آگیا تو سر ڈانلڈ مکلاڈ نے تبلیغی مشن کے قیام کی درخواست کی جس پر پادری مرک صاحب کو ۱۸۵۴ء میں بھیجا گیا اور جنرل کیپ ڈپٹی کمشنر کانگڑہ نے ان کے لئے رہائشی مکان تعمیر کروایا۔ ۱۸۵۴-۱۸۶۲ء تک وہاں خدمت کرتے رہے۔ ان کے بعد پادری سی۔ رُوشدر نے کام کو سنبھالا لیکن ۱۸۸۲ء میں پادری روشدر کی موت کے بعد مسز روشدر انچارج مشن کی حیثیت میں خدمت کرتی رہیں۔

عوام افراد کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لئے مسٹر بینرجی کے زیر انتظام لڑکوں کا سکول اور مس ایڈا روشدر کے ماتحت گرلز پردہ سکول کھولا گیا۔ دھرم سالہ میں بچوں کا سکول مسٹر مرفس کی زیر نگرانی تھا لہٰذا ان مدرسوں کے وسیلہ سے ہندو و مسلمان بچوں کو تعلیم دی گئی۔ تاکہ وہ مسیح خداوند کے نورانی علم کو پہچان سکیں۔

سیموئیل فتو نے ۲۵ برس کانگڑہ میں کامیابی سے خدمت کی جس کی وجہ سے نور پور جو نور جہاں کے نام پر آباد ہوا اور پالم پور میں مشن مراکز قائم ہو گئے۔ کانگڑہ کے لوگ دن بدن تعلیم یافتہ ہو رہے ہیں اور امید واثق ہے کہ وہ بتوں۔ بندروں اور برہمنوں کی پوجا چھوڑ کر واحد منجی کو پہچانیں گے۔ کیونکہ

۱۸۸۵ء میں کانگڑہ اور دھرم سالہ میں ۴۳ افراد کا بپتسمہ ہوا جن میں ۱۲ آدمی ۸ مستورات اور ۲۴ بچے تھے۔ خدا کا کلام کبھی بے سُود واپس نہیں لوٹتا۔

کشمیر شاہ کنیشک کے زمانہ میں کشمیر بدھ مت کا دارالاشاعت رہ چکا ہے۔ اس لئے موزوں سمجھا گیا کہ اس کو مسیحی مرکز بنایا جائے۔ ۱۸۵۴ء میں کرنل مارٹن اور پادری رابرٹ کلارک تبلیغی کام کے ممکنات کی دیکھ بھال کے لئے کشمیر چلے گئے اور مہاراجہ گلاب سنگھ والئے ریاست کشمیر سے ملاقات کر کے اجازت حاصل کر لی۔ کرنل مارٹن کی وساطت سے موریوین مشنریوں نے لاہول تبت میں کام شروع کر دیا۔ ۱۸۶۲ء میں سر منٹگمری۔ سر ڈانلڈ مکلاؤڈ۔ سر ہربرٹ ایڈورڈز۔ جنرل کیپ۔ سر ڈوگلاس۔ جنرل فرانسس اور جنرل آر۔ مکلیگن کی درخواست پر کشمیر میں تبلیغی اور طبّی مشن پادری ڈبلیو۔ سمتھ بنارس اور پادری آر۔ کلارک پشاور کی زیر سرکردگی شروع ہو گیا۔ تبلیغ سر عام ہونے لگی۔ مسٹر کلارک نے طبّی کام کو سنبھال لیا۔

ایک سکول کھولا گیا تاکہ اُس کے وسیلہ تعلیم دی جائے لیکن مہاراجہ صاحب کشمیر اس مدرسہ اور ہسپتال کی مخالفت کرنے لگے۔ اور خود ہندو ہسپتال تعمیر کرایا۔ وہ اب تبلیغ کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اس لئے ۱۸۸۵ء تک سرینگر میں انہیں گرجہ بنانے کی اجازت نہ ملی۔

لیکن باوجود ایسی کشش کے ڈاکٹر ایمبز لی ۱۸۶۵ء سے برسر پیکار رہے لیکن ۱۸۷۲ء میں ان مشکلات کو مدِنظر رکھتے ہوئے حکومتِ انگلشیہ نے انہیں کشمیر چھوڑ دینے کا حکم صادر کیا لیکن سفر کی مشکلات سے راستہ ہی میں دم دے دیا۔ مسز ایمز لی نیمجان گجرات پہنچی اور پادری ہرکن کے ہاں قیام کیا لیکن ۱۷۔ نومبر ۱۸۷۲ء کو وہ بھی چل بسیں۔

۱۸۷۳ء میں پھر پادری ٹی۔ وی۔ فرنچ اور پادری آر۔ کلارک نے کشمیر کا دورہ کیا اور منادی کی۔ اب کہ سری نگر اور گردو نواح میں تبلیغ کے خلاف امتناعی احکام نہیں تھے لہذا ۱۸۷۴ء میں ڈاکٹر تھیوڈور میکسویل مقرر ہوئے لیکن صحت کے خراب ہوجانے سے جلد واپس انگلستان چلے گئے ۱۸۷۶ء میں پادری ٹی۔ آر۔ وایڈے نے کام کو سنبھالا اور ڈاکٹر ڈو نمز ان کے ساتھ خدمت کرتے رہے لیکن بعدہٗ پادری جے۔ ایچ نوشیلز نے تن دہی سے خدمت کی اور عہدِ عتیق کا کشمیری زبان میں ترجمہ کر کے مہاراجہ کشمیر کو عام دربار میں ۱۹۰۰ء میں پیش کیا۔ کشمیر میں اگرچہ تبلیغی دقتیں ہیں لیکن تو بھی خدا کا کلام اثر پذیر ہو رہا ہے۔

پشاور — تند مزاج اور بہادر قوم افغان کا گھر ہے۔ ۱۸۵۳ء میں سر ہربرٹ ایڈورڈز نے بمضا کیپٹن جیمس۔ میجر ڈبلیو۔ جے۔ مارٹن۔ ڈاکٹر ہیڈل۔ میر منزی مارٹن۔ کرنل فیرز وغیرہ پادری رابرٹ کلارک کو تبلیغی

مشن کھولنے کے لئے مدعو کیا۔ سو پادری رابرٹ کلارک، ڈاکٹر فانڈرز آگرہ اور میجر مارٹن یہاں تبلیغی خدمت میں مشغول ہوئے انہوں نے مشن ہوس گورکھاتری میں قائم کیا یہ جگہ شاہ بابر اور رنجیت سنگھ کے وقت میں جائے مہم رہی تھی۔ پادری کلارک صاحب نے پشاور سکول کی بنیاد رکھی اور میجر مارٹن نے مزید کمروں کا اضافہ کر دیا اور ایک چیپل بھی تعمیر کرایا جو مارٹن چیپل کے نام سے مشہور ہے۔ اور سکول بھی جو ایڈورڈز میموریل سکول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں اعلےٰ طبقہ کے بچے تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔ پادری جیوکس نے نظام سکول کو بہترین بنا دیا۔ اور مسٹر ڈنا دگھوش صاحبان نے طلباء کی زندگیوں کو اخلاقی معیار میں ڈھالنے کی بہت کوشش کی۔

کلیسیا کے پادری امام شاہ تھے جو نہایت سنجیدہ و وفادار خادم تھے۔ ان کی تگ و دو سے نئے گرجہ کی بنیاد پڑی اور پادری عماد الدین نے لوقا ۱۱ : ۲۰ پر افتتاحی درس دیا۔ پادری بی۔ آر۔ غوری نے بھی یہاں خدمت کی۔ ان تمام بہترین زندگیوں کا یہ اثر ہوا کہ حاجی یحییٰ باقر۔ فضل حق سپاہی اور صوبے دار دلاور خان مسیحی ہو گئے۔ کافرستان میں کئی بار تبلیغی مہم کو جاری کیا گیا۔ کیونکہ وہ لوگ بالکل لاخدا ہیں۔ اور شائد سکندر اعظم کی پس ماندہ فوج کی نسل سے ہیں ان میں تبلیغ کرنے میں بہت خطرات درپیش تھے۔ تو بھی ان

ہیں سے ڈاکٹر نذیر اللہ ہیں جو ایک دفعہ اُن میں بشارت کے لئے گئے۔ ممکن ہے کہ خدا اُس دروازہ کو بھی کھولے گا۔
۱۸۵۳ء میں زنانہ مشنری سوسائٹی نے پشاور میں خدمت شروع کر دی اس لئے ہنوز ہر مرد و زن میں مسیحی اثر کے باعث بالکل فرق پیدا ہو گیا ہے۔

درہ جات :۔ اِس سے مُراد ڈیرہ اسماعیل خان۔ بنوں اور ٹانک ہے کیونکہ یہ وہ دُرّے ہیں۔ جن سے بیرونی حملہ آور پنجاب پر حملہ کرتے رہے ہیں ان علاقوں میں کابل۔ غزنی۔ قندھار۔ ہرات۔ بلخ اور بخارا کے تاجر آتے رہتے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ ان کو مرکز بنا کر مسیحی نُور کی شعاعیں ان تاجروں کے سامنے پیش کی جائیں تاکہ وہ واپسی پر اپنے ملک میں مسیحی خوشخبری لے جاتے۔ اِن علاقوں میں بشارتی کام گورنر پنجاب منٹگمری اور سر ہربرٹ ایڈورڈز کے وسیلہ سے جاری کیا گیا اور پادری ٹی۔ وی۔ فرنچ صاحب نے سر ڈانلڈ مکلائڈ اور جنرل رینل ٹیلر کے ساتھ جن کو عموماً لوگ "فرشتے" کے لقب سے ملقب کرتے تھے خدمت کی۔

بنّوں :۔ یہ شہر فصیل سے محیط ہونے کی وجہ سے محفوظ جگہ ہے۔ تو بھی مشنری دیر تک ڈیرہ اسماعیل خان سے یہاں خدمت کے لئے آتے رہے ۱۸۶۵ء میں پادری ٹی۔ جے۔ ایل۔ میئر مقیم ہوئے اور

خداوند مسیح کی خاطر پٹھانوں سے ذِلت و رُسوائی برداشت کرکے راہ تیار کر دیا۔ ایک بڑا اسکول اور دو برانچ سکول کھولے گئے جن میں کانگڑہ کے مسیحی مسٹر بنجمن صاحب بطور ہیڈ ماسٹر اور ماسٹر مسیح دیال خدمت کرتے رہے۔ بنوں سے عیسیٰ خیل میں بھی تبلیغ ہوئی جہاں سے دو نوجوان پٹھان مسیحی ہوگئے پادری میئر صاحب نے محنتِ شاقہ سے عہدِ عتیق و جدید کے بہت حصّوں اور دیگر ضروری کتب کا پشتو زبان میں ترجمہ کر دیا لیکن جب ڈاکٹر تھیوڈور پینل جنہوں نے اپنی قابلیت سے ایم۔ بی اور ایم۔ ڈی میں سنہری تمغہ جات حاصل کئے تھے۔ بنّوں میں تشریف آور ہوئے تو طبّی اور تبلیغی کام میں بہت اضافہ ہوگیا۔ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے اپنی والدہ کے ساتھ بنوں کی غیر محفوظ جگہ میں رہائش کرکے بہت خدمت کی۔ پٹھانوں کو اپنا مُرید بنالیا اور ثابت کر دیا کہ افغان قوم مسیح خداوند کی محبت بے ریا سے مغلوب ہوسکتی ہے۔ بنوں وال شائد ان کی شخصیت کو کبھی نہ بھولیں گے۔ خصوصاً وہ ہسپتال اور سکول جو ان کی یاد میں قائم ہیں نہایت ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان:۔ یہاں لوگ زیادہ مہذّب اور مسافر پرور ہیں ۱۸۶۲ء میں پادری ٹی۔ وی۔ فرنچ اور پادری۔ آر۔ بروس نے اس جگہ کو مشن مرکز بنایا اور دلیرانہ خدمت کی لیکن ۱۸۶۷ء میں پادری ڈی۔ وی۔ برو ڈی اور بعدہٗ کچھ عرصہ کے لئے پادری

بیٹ من صاحب تبلیغ کرتے رہے ۱۸۷۶ء کے بعد پادری ڈبلیو. ہچنسن نے اس علاقہ میں نئی روشنی اور نئی امید پیدا کردی۔ مڈل سکول جاری ہوا جس پر اسی سکول کا متعلم افرائیم ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ دوسرا طالب علم ہنری مبشر بنا۔ ماسٹر تھیم چند جو یہاں ہی حلقہ بگوش مسیحیت ہوئے تھے بنوں سکول کے ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ اور بعد میں اسلنگٹن کالج لندن میں مشنری تربیت کے لئے بھیج دیئے گئے۔ مسٹر کرسٹوفر جو امرتسر میں نارمل سکول میں متعلم تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے سکول سے ہی متاثر ہوئے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں پادری ہچنسن کی جدوجہد سے بیت اللہ تعمیر ہو گیا۔ اور کلیسیا پادری علاؤ الدین کی زیر نگرانی ترقی کرنے لگی۔ مسز ہچنسن نے مستورات میں روحانی بیداری پیدا کر کے زنانہ مشن کے لئے راہ تیار کردی۔

ٹانک ڈیرہ اسماعیل خان سے ۴۲ بیالیس میل دور ہے۔ لیفٹننٹ گرے صاحب ڈپٹی کمشنر ڈیرہ نے اپنے صرفہ سے یہاں ڈسپنسری قائم کی اور دیسی ڈاکٹر کے لئے مشن سے درخواست کی۔ جس پر پادری ڈاکٹر جان ولیم صاحب بھیجے گئے۔ جنہوں نے دلیرانہ خوش اسلوبی سے خدمت کی اور تمام ممنوعہ و وحشت ناک علاقوں میں بلا حفاظت بندوق و بندوقچی جاتے رہے۔ عموماً روزانہ ۷۰ مریض ہسپتال میں آتے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں ان کے محبت بھرے اثر کا یہ عالم تھا کہ جب وزیریوں نے ٹانک پر حملہ کیا اور گاؤں کو آگ

لگاری تو مشن مرکز کو نقصان نہ پہنچا یا سو یہ نہائت ضروری معلوم دیتا ہے کہ پہاڑی علاقوں میں مشنری ڈاکٹر زیادہ موثر اشاعت کر سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر جہان خان کرک جیسی کٹھن جگہ میں موزوں خادم ہیں۔

سندھ مشن

اِس سے مُراد کراچی اور حیدر آباد کا علاقہ ہے۔ اِن علاقوں میں کرنل پریڈے کی کوشش سے ۱۸۵۲ء میں کام شروع کیا گیا۔ تب سے نہائت قابلِ قدر مشنری صاحبان پے در پے خدمت کرتے رہے ہیں جن میں سے پادری اے۔ میتھٹ۔ جے شیلڈن۔ اے برن۔ سی ڈبلیو آئبزنگ۔ اے سی کورنیلی۔ جے ڈبلیو برائنڈ سلے۔ جے شرٹ۔ جے بمبرج۔ اے ای بال جے ایڈمن۔ اے جی ریڈمین اور ڈے۔ جونز قابلِ تحسین ہیں۔

کراچی:- یہ ایک بندرگاہ ہے جس میں فارس۔ بغداد ہرات اور دیگر ممالک کے تجارتی لوگ بستے ہیں۔ گو اِس شہر میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ تو بھی ہندوستانی عام زبان ہے۔ پادری بھولا ناتھ گھوش نے جو امرت سر سے بھیجے گئے بہت خدمت کی اور کلیسیائی نظام و خدمت میں رُوح پیدا کر دی۔ پادری۔ اے۔ ای۔ بال نے شہر کی فضا میں حیرت انگیز مسیحی اِنقلاب پیدا کر دیا۔ کیونکہ وہ سندھی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ پادری جے بمبرج نے کراچی کے گرد و پیش دیہات میں تبلیغ شروع کی اور

عام جلسوں میں مسیح خداوند کی صداقت۔ بے گناہی۔ مظہر اللہ اور تجسم پر درس دیئے نیز ویدمت۔ برہمن مت اور موجودہ ہندو مت کے توہمات کو منکشف کر کے اس پر مسیحی اخلاقیات کا شادیانہ بجایا۔ ہندوستانی عموماً انہیں سے زیادہ مانوس تھے طبقۂ اعلےٰ کے بچوں کے لئے ہائی سکول قائم کیا گیا اور دیگر ورنیکلر اور سندھی سکول جاری کئے گئے تاکہ مسیحی نور کو ان وسائل سے پیش کیا جائے۔ کوئٹہ و سبی کے درمیان ریلوے لائن کے قیام نے سکھر اور شکار پور میں مشن مرکز کے امکان کو پیدا کیا۔ ۱۸۸۱ء میں پادری شرٹ صاحب کوئٹہ کو دیکھ کر لوٹے اور براہیو کی طرف تبلیغی مشن کی توجہ کو مبذول کیا اس لئے ۱۸۸۳ء میں سندھ کی چرچ کونسل میں غیر مسیحیوں میں تبلیغی توسیع پر اور مزید کارگذاروں کے مقرر کرنے کے اہتمام پر غور کیا گیا۔ کرنل والکٹ اور چیپلن۔ ایف۔ بی۔ سینڈبرگ نے توسیع تبلیغ میں انتہائی امداد کی۔

حیدر آباد:- یہ اپنی ذات میں بڑا مرکز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں کی عام زبان سندھی ہے۔ ایک سکول لڑکیوں کے لئے جاری کیا گیا ہے ۱۸۶۲ء میں جنرل ہیک نے اس بات پر زور دیا کہ سکولوں کو تبلیغ کا ذریعہ بنایا جائے اور مسیحی مدرسوں میں مسیحی اُستاد لگائے جائیں۔ اس لئے لڑکوں کا سکول بھی جاری ہوا جن میں اردگرد کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے تو بھی ۱۸۶۶ء میں حیدر آباد

کے گردوپیش مسیحیت کی مخالفت ہوئی جو ۱۸۷۸ء میں سکولوں کے اثر سے دب گئی۔ اور سکھر، سیہوانی اور لاڑکانہ میں بشارت کی گئی۔ ۱۸۷۹ء میں پادری شرٹ صاحب نے گدو بندر اور کوٹڑی میں منادی کی اور کئی ایک کتب کا سندھی زبان میں ترجمہ کر دیا جو ان کی محنت اور عرق ریزی کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔

بلوچ مشن اس مشن کی ابتداء پادری جی۔ ایم گارڈن نے دس ہزار روپیہ نذرانہ دے کر کی اس لئے ۱۸۷۸ء میں پادری اے۔ لیوس اور اور ڈاکٹر جوکس بلوچستان میں خدمت پر متعین کئے گئے۔ مشن نے ڈیرہ غازی خان اور فورٹ منرو میں طبی مرکز قائم کئے۔ پادری اے۔ لیوس نے ڈیرہ غازی خان میں سکول جاری کیا اور پادری اسحاق جو ۱۸۸۳ء میں ڈیکن کے عہدہ پر تعین ہوئے تھے ان کے ساتھ خدمت کرنے لگے اور ان علاقوں کو آب حیات سے سیراب کرتے رہے۔ پادری ایچ۔ جی گرے، پادری ایس۔ ڈبلیو۔ سٹن کے وسیلے سے کوئٹہ میں بھی تبلیغی خدمت کی گئی۔

ملتان:۔ ۱۸۵۶ء میں سر ڈانلڈ مکلاؤڈ کی تجویز پر سی ایم۔ ایس نے کام شروع کیا۔ پادری ٹی۔ ایچ۔ فٹزپٹرک یہاں بھیجے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں جب غدر کی وجہ سے عام منادی کرنا بند ہو گیا تو بھی پادری فٹزپٹرک

مسیحی جوش میں اتنے بھرپور تھے کہ سرِعام تبلیغ کرتے رہے ۱۸۶۳ء میں یہ واپس امرتسر بلا لئے گئے جہاں سے خرابی صحت کی وجہ سے انگلستان جاکر ۱۸۶۶ء کو انتقال کر گئے۔
پادری جارج ہنٹس اور ہرکسن نے ان کی جگہ کو پورا کیا۔ ۱۸۸۰ء میں پادری ٹی ایوز بمفورڈ نے کام کو سنبھالا جن سے کلیسیا میں نمایاں ترقی ہوئی۔ ان کے وسیلہ سے اوّل مرتبہ سکول کا ایک طالب علم مسیحی ہوا۔ اور انہوں نے بہاولپور، شجاع آباد اور مظفرگڑھ میں تبلیغی مرکز قائم کئے اور یوں زنانہ مشن کے لئے بھی دروازہ کھول دیا۔
ملتان کے لوگ اپنے آپ کو ملتانی پٹھان کہتے ہیں۔ یہ عموماً مسلمان ہیں۔ شمس تبریز اور بہاول حق کے مزاروں پر چین اور عرب تک سے زائر آتے رہتے ہیں۔ ملتان لفظ مالی تھان سے بنا ہے۔ اور مالی وہ قبیلہ ہے جس کے سامنے سکندر اعظم کو بھی منہ کی کھانی پڑی تھی۔ لیکن اب تو مسیح خداوند کے نام کا جھنڈا ان قبائل پر لہرا رہا ہے۔ اور اُمید واثق ہے۔ کہ وہ غالب ہوگا۔

لاہور:۔ لاہور کا یہاں بیان کرنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی اہمیت اسقفی قیام سے ہے۔ گو لاہور اپنی ذات میں پنجاب کا صدر مقام ہے اور مغلیہ شاہان۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہان یہاں رونق افروز رہے ہیں جیسوئٹ مشنریوں نے اکبر اعظم کو مرغوب کرلیا

تھا اور انجیل شریف کا ترجمہ کرکے اُسے پیش کیا تھا جس کا ورد وہ ہر روز سنتا تھا۔ ابوالفضل بیان کرتے ہیں کہ شاہ اکبر مسلمانوں سے زیادہ مسیحیوں کو چاہتا تھا۔ جہانگیر نے لاہور میں جیسوئٹ مشنریوں کو گرجہ بنانے کی اجازت دے دی اور دارا جس کا وزیر میاں میر تھا مسیحی اثر سے دُور نہ تھا۔ لیکن اورنگ زیب نے اسلامی رُوح کے جوش میں دارا کو قتل کیا اور گرجہ کو گرا دیا گو ۱۶۶۵ء تک بیت اللہ کے نشانات باقی رہے۔ سو لاہور کا رتبہ مسیحیت کی دیرینہ قیام گاہ ہونے سے بھی ہے ۱۸۶۷ء میں امریکن پریسبٹرین بورڈ نے یہاں دوبارہ سُوکھی ہڈیوں میں رُوح پھونکنے کی کوشش کی اور سی۔ ایم۔ ایس مشن نے پادری جیمس کڈشو کو جو کوٹ گڑھ کے باشندے تھے امرتسر سے منتقل کرکے لاہور میں خدمت کے لئے بھیج دیا۔ ۱۸۷۵ء کو انہیں شملہ جانا پڑا لیکن اُس وقت لاہوری کلیسیا میں ۲۷۵ افراد مسیحی تھے۔ پادری یعقوب علی نہایت جوش سے کلیسیا میں خدمت کرتے رہے اور پادری وظبرک کے اثر سے نہائت خوبصورت گرجہ انارکلی میں تعمیر ہوگیا۔

۱۸۶۹ء میں پادری ٹی۔ وی۔ فرنچ کی وساطت سے اور پادری جے۔ ڈبلیو۔ ناٹ کی مدد سے سینٹ جان ڈیوینٹی سکول قائم ہوا۔ ۱۸۷۲ء میں چونکہ پادری فرنچ صاحب کی صحت بوجہ گرمی خراب ہوگئی اس لئے ڈیوینٹی سکول ایام

گیا میں ایبٹ آباد منتقل کیا گیا تو بھی ڈیونٹی کے ایام مدیت
میں فرنچ صاحب ملتان۔ خان پور۔ کشمیر لاہور ۱۸۸۰ء تک مبلغ
خدمت کرتے رہے۔ ان کے بعد پادری ڈبلیو جوکس۔ پادری ایچ
اے۔ بہا شیرف اور پادری ایچ۔ یو۔ ویٹبرک بالترتیب پرنسپل
رہے اور نائب پادری آٹ۔ گارڈن۔ کلارک۔ ویڈرے۔ بیٹن
لیوس اور ویناتھ بالترتیب تھے۔ پادری گارڈن صاحب نے
پنڈی داد خان میں بشارتی خدمت کو سنبھالا جہاں بعد
پادری تھامس ہاول بہت دیر تک خدمت کرتے رہے۔ چونکہ
لاہور کو ہر لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی اس لئے
۲۱، دسمبر ۱۸۷۷ء کو لاہور کے لئے جس بشپ صاحب کا
تقدس ہوا وہ ہیں :-

بشپ تھامس والپی فرنچ

پادری پیٹر فرنچ صاحب کے فرزند ارجمند تھے جو ۱۸۲۵ء کو نورو ز میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی انہیں مذہبی تقاریر سننے کا شوق تھا اور غیر مذاہب میں تبلیغ کا اشتیاق اپنے دل میں لئے ہوئے تھے آکسفورڈ کالج میں نمایاں طور پر اپنی قابلیت کو ظاہر کیا اور بشپ ولبر فورس کی تقریر سے متاثر ہو کر ستمبر ۱۸۵۰ء کو ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۱۸۵۱ء میں آگرہ شہر میں خدمت کر کے سینٹ جان کالج آگرہ کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ یہ اردو و فارسی کے عالم تھے اس لئے مسلمانوں سے کتب مقدسہ

کے مسائل پر بحث مباحثہ کرتے رہے۔ ۱۸۶۱ء میں افغانستان کی طرف رُخ کیا اور دلیرانہ خدمت کی لیکن بیماری کی وجہ سے انہیں انگلستان جانا پڑا۔ ۱۸۶۹ء میں واپس آکر سینٹ جان ڈوینٹی کالج لاہور کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۷۵ء میں پھر واپس انگلستان گئے اور ۱۸۷۷ء میں لاہور کے اوّل بشپ مقرر ہوئے۔ ۲۱ دسمبر مقدّس توما رسول کے دن ویسٹ منسٹر ایبے میں ان کی رسم تقدیس عمل میں آئی۔ اور ۱۶ جنوری ۱۸۷۸ء کو اسقف لاہور کی حیثیت سے چل دیئے۔ لاہور کا کیتھیڈرل جس کی تقدیس ۲۵ جنوری ۱۸۸۷ء کو ہوئی ان کی یادگار کو ہمیشہ تازہ رکھے گا۔ مسیح خداوند کی بادشاہت کو پھیلانے کے لئے ۱۸۸۳ء کو مسقط پہنچے اور شیراز و اصفہان میں خدمت کی اور واپس آگئے لیکن ۱۸۸۶ء میں ان کے خیالات میں تبلیغ عامہ کا شوق اُمڈ آیا سو ۲۲ دسمبر ۱۸۸۷ء میں مستعفی ہو کر وہ ٹیونس و مسقط کی تبلیغ کے لئے چل دیئے تاکہ عربی لوگوں کو خوشخبری دیں اور وہاں تن تنہا خدمت کرتے رہے اور آخرکار ۱۴ مئی ۱۸۹۱ء کو ابدی آرام میں داخل ہو گئے۔

بشپ ہنری جیمس میتھیو انہوں نے سرکاری پادری ہونے کی حیثیت میں ہند میں بہت خدمت کی اور شملہ میں آرچ ڈیکن بھی رہے لیکن ان کی استعداد و محنت کو مدِنظر رکھ کر بنر

بشپ فرنچ نے اپنی علالت اور تبلیغی شوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا نام اسقفی تقدیس کے لئے آرچ بشپ کنٹربری اور وزیر ہند لارڈ کراس کے سامنے پیش کیا اور خود ۱۸۸۷ء میں مستعفی ہو گئے۔ لہذا آرچ ڈیکن نے بہت سوچ کے بعد اس بھاری ذمہ داری کو قبول کیا اور ان کا اسقفی تقدس ۱۸۸۸ء میں ہوا۔ یہ اپنے استاد بشپ فرنچ صاحب کے قدم پر چلتے رہے اور دس سال تک اسقفی عہدہ کو سنبھالے رہے۔ لیکن یہ بھی ۱۸۹۸ء کو اسقفی عہدہ سے دست بردار ہو گئے۔ اور ان کی جگہ کو پادری الفریڈ لیفرائے نے ۱۸۹۹ء کو پورا کیا۔

بشپ جارج ایلفرڈ لیفرائے

آئرلینڈ کے پادری جیفری لیفرائے کے فرزند تھے جو ۱۱ اگست ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ نے بچپن سے تبلیغی خدمت کے لیے ان کی تربیت کی۔ انجیل کی بشارت کا شوق ڈالا اور ان کو تبلیغی خدمت کے لئے مخصوص و وقف کر دیا۔ اس لئے کالج کی تعلیم کے بعد کیمبرج میں عبرانی اور فارسی کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۸۷۹ء میں کیمبرج مشن کی وساطت سے ہند پہنچے اور بشپ فرنچ صاحب سے پریسٹ کا تقرر پا کر ۱۸۸۰ء میں دہلی کے ایک قصبہ مہرولی کے اندر مکان کرایہ لیکر بازاری منادی کرتے رہے۔ اسی اثناء میں انہوں نے عربی اور

Scanned with CamScanner

اُردو میں کافی مہارت پیدا کرلی۔ مسلمانوں سے بحث کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے دہلی کا نابینا مولوی احمد مسیح خدا کے پاس کھنچا چلا آیا۔ اِن کی محنت۔ جاں نثاری اور حقیقی تبلیغی شوق کو دیکھ کر جس کے لارڈ کچنر اور لارڈ کرزن تک مداح تھے۔ انہیں ۱۸۹۹ء کو لاہور کا آسقف مقرر کیا گیا۔ بشپ ہوتے ہی انہوں نے اپنے انگریز بھائیوں پر اس بات کو واضح کردیا کہ خداوند نے ہندوستان کو بطور امانت ہمارے سپرد کیا ہے۔ اِس لئے تن دہی سے ہمیں خدمت کرنا لازم ہے۔ ورنہ خداوند اِس امانت کا حساب ضرور لیگا۔ ہندوستانی کلیسیا کے سچے دوست اور بہی خواہ تھے۔ اِس لئے ۱۹۰۹ء میں ہندوستانی کلیسیا سے پادری احسان اللہ کو آرچ ڈیکن مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں جوڑوں میں سخت درد کی وجہ سے اُنہیں انگلستان جانا پڑا لیکن جب واپس ہندوستان آئے تو ۱۹۱۳-۱۹۱۹ء تک میٹرو پالیٹن کا پکسٹن کے بعد کلکتہ میں میٹرو پالیٹن کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو انتقال کر گئے اور اپنی محنتوں سے آرام پایا۔

رنگون ڈایوسیس

۱۸۷۷ء

برمی لوگ ہندوستانیوں سے شکل و شباہت میں اختلاف

رکھتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ تر منگول نسل سے ہیں۔ یہ عموماً بدھ مت کے پیروکار ہوتے ہیں لیکن بھوت پریت کا ڈر اِس قدر اِن میں گھر کر چکا ہے کہ گو یہ لوگ تعلیم یافتہ بھی ہیں تو بھی بھوت کا خوف اِن کے سر پر سوار رہتا ہے۔ برما میں دیگر نسلوں یعنی چین۔ کوچین۔ کاریں اور زشان کے لوگ بھی کثرت سے ہیں۔ لیکن کسی کی شکل وشباہت اور بول چال میں فرق نہیں۔ یہ عموماً خوش مزاج نظر آتے ہیں۔ اور اپنے مذہبی جلوس تزک و احتشام سے نکالنے کے عادی ہیں۔

برما میں تبلیغی خدمت کے لئے ڈاکٹر ولیم کیری اور اُس کے برادر مشنریوں نے جو بپٹسٹ مشن سے متعلق تھے راہ ورسم پیدا کیں اور آوا۔ پیگو اور اراکان کے تاجروں سے زبان و دستورات کا علم حاصل کیا۔ ۱۸۰۶ء کو مارڈن اور چارٹر صاحبان کو تبلیغی مہم پر بھیجا گیا۔ اور وہ ۲۴ر جنوری ۱۸۰۷ء کو رنگون پہنچ گئے۔ لیکن کچھ ماہ وہاں رہ کر علاقہ کی کیفیت کہہ سنائی کہ لوگ ذہین اور پڑھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور شاہِ ملک بھی خواہش مند ہے کہ اس ملک میں انجیل کا پیغام سنایا جائے۔ اس پر فیلکس کیری جو ڈاکٹر کیری کے بڑے صاحبزادے تھے برما پہنچے۔ لیکن اتفاقاً برما میں چیچک کا مرض بہت پھیلا لیکن چونکہ انہیں چیچک کا ٹیکہ لگانے میں کافی دسترس حاصل تھی۔ اس لئے

انہوں نے ٹیکہ لگا کر لوگوں کو موت کے پنجے سے رہائی دی۔
اسی ٹیکہ کی وجہ سے اِن کی رسائی شاہی خاندان تک
بھی ہوئی۔ راجہ نے اِن کو بہت پسند کیا۔ انہیں اپنا فرزند
بنا لیا اور خاص مراعات عطا کر کے بطور شاہی سفیر کلکتہ میں
سرکار انگلشیہ کے پاس بھیجا لیکن ڈاکٹر کیری اپنے بیٹے کے
اس نازیبانہ رویہ سے ملول ہوا۔ اِس لئے آخرکار ۱۸۱۳ء
میں مسٹر جڈسن صاحب بطور مشنری وہاں کام کرنے لگے۔
۱۸۱۶ء میں جارج۔ ایچ ہف صاحب بھی اِن کے شریک
کار ہوئے اور ان مشنری صاحبان نے جاوا تک بشارت دی۔
اولڈ جان کمپنی نے جنوبی برما میں تجارت کی غرض
سے کارخانہ قائم کیا تھا جس کی بدولت انگریزوں نے
برمیوں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا۔ برمیوں کی خارجی
حکمت عملی میں دفعتاً تبدیلی پیدا ہوئی۔ جس سے انہوں
نے آسام پر حملہ کر دیا لیکن پسپا ہو گئے۔ یہ شکست خانہ
جنگی کا باعث ہوئی۔ اِس لئے انگریزوں نے موقع کو پہچانتے
ہوئے ۱۸۵۳ء میں ٹانگو تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن
شاہ منڈان شمالی برما پر بدستور حاکم رہا۔ جب شاہ منڈان
مر گیا تو اُس کے فرزند تھیباؤ نے اپنی بیوی کے زیر اثر
شاہی خاندان کے ۷۱ افراد کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ تو
بھی باقی خاندان مشنریوں کی تدبیر سے بچ گیا اور غلاموں
کے بھیس میں انگریزوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ اِس بے رحمانہ

کارروائی اور ملکی بربادی کو مدِنظر رکھتے ہوئے شمالی برما پر بھی انگریز قابض ہو گئے اور اُسے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ معزول ہونے کے بعد شاہ تھیباؤ ۱۸۸۵ء کو انتقال کر گیا۔

اِس کشمکش کے زمانہ میں بپٹسٹ۔ رومن کیتھلک اور انگلیکانی مشنیں متواتر بشارت دیتی رہیں ۱۸۶۰ء میں ایس۔ پی۔ جی نے مولمین میں سکول مسٹر جے۔ ای مارکس کے زیرِ نگرانی جاری کیا۔ اِنہیں برما میں بہت کامیابی حاصل ہوئی اس لئے بشارتی خدمت کے لئے بشپ کاٹن نے ۱۸۶۳ء میں اِن کا تقرر کیا۔ تب انہوں نے برما میں سینٹ جان کالجیئیٹ سکول کھولا اور دوسال کے بعد لڑکیوں کے لئے سینٹ میری سکول شروع کیا۔ مسٹر مارکس کی بے انتہا جدوجہد اور بے انداز قابلیت سے متاثر ہو کر آرچ بشپ نے کینٹربری کی اعزازی ڈی۔ ڈی کی ڈگری اِنہیں عطا فرمائی۔ شاہ مندان ڈاکٹر مارکس سے بہت خوش تھا۔ اور اپنے بچوں کو ان کے سکول میں بھیجتا رہا۔ شاہِ مندان نے ڈاکٹر مارکس کو دعوت دی کہ وہ مانڈلے چلا آئے اور وہاں شاہ خود گرجہ۔ پادری کا گھر۔ اور سکول بنا دے گا۔ اِس عظیم عمل میں پوشیدہ اثر گو مشنریوں کی اعلےٰ زندگیوں کا بھی تھا لیکن زیادہ مصلحت انگریزوں سے دوستی رکھنا تھا۔

بشپ کاٹن اور ملمین نے خصوصیت سے برما کی طرف
توجہ دی اور پست اقوام کو سایۂ مسیحیت میں آتے دیکھ
کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بشپ ملمین کے دل میں
خواہش تھی کہ برما کی علیحدہ ڈائیوسیس بنائی جائے لیکن
زندگی نے وفا نہ کی اس لئے اُن کی یاد میں لاہور کی طرح
رنگون ڈائیوسیس ۱۸۷۷ء میں قائم کی گئی اور ان کے
بشپ ٹٹکوئنب کی تقدیس ہوئی۔ انہوں نے ایس۔ پی
جی کے یتیم خانہ و سکول کو ڈائیوسیس کے نظام میں ڈھال
لیا اور خود پرورکلیسیا کے قیام میں سعئی بلیغ کی لیکن ۱۸۸۱ء
میں مستعفی ہوگئے کیونکہ جب یہ کارین مسیحیوں میں دورہ
کر رہے تھے تو ایک پہاڑی سے اِن کا پاؤں پھسل گیا
جس سے بیس فٹ نیچے گڑھے میں گرے اور کمر کی ہڈی
ٹوٹ گئی اس لئے کام کرنے کے لائق نہ رہے۔ ۱۸۸۲ء
میں بشپ جان ملر سٹرا جن ایم۔ ڈی۔ بغرض خدمت
برما میں تشریف آور ہوئے۔ یہ بہت عرصہ تک مدراس علاقہ
میں مشنری خدمت کر چکے تھے اس لئے انہوں نے برما
کے تبلیغی کام و نظام میں اضافہ کیا اور اسقفی گرجہ کو مکمل
کر دیا لیکن ۱۹۰۲ء کو مستعفی ہوگئے اور بشپ آرتھر
میںسک نائٹ اِن کے جانشین ہوئے جن کے بعد ۱۹۰۹ء
میں بشپ آر۔ ایس۔ فیف جو مانڈلے میں وِنچسٹر برادر
ہوڈ کے ناظم تھے منتخب ہوئے اور بشارتی کام ترقی کرتا

گیا۔ اِن کے عملہ میں چھپن خدامِ دین تھے جن میں گیارہ سرکاری پادری سات اے۔سی۔ ایس پندرہ یورپین مشنری اور بائیس برمی پادری۔ ایک تعلیمی نظام کا ناظم چوبیس زنانہ مشنری تھے اِن کے علاقہ کے بہترین مدرسے رنگون۔ مانڈلے اور مُومین ہیں جن میں تقریباً چودہ سو بچے زیرِ تعلیم ہیں۔

بُدھ مت کے افراد میں مشنریوں کی رسائی مشکل ہے کیونکہ اُن میں ظاہریت بہت ہے اور اُن کے مذہبی مندروں میں اِنہیں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں لیکن برمی پست اقوام میں اور تامل افراد میں تعلیمی و تبلیغی خدمت جاری ہے اور بائبل کے حصص کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ زمانہ میں برمی خداوند مسیح کے زیادہ قریب ہوں گے۔

ٹراونکور و کوچین ڈایوسیس

۱۸۷۹ء

ٹراونکور و کوچین جنوبی ہند کی دو ریاستیں ہیں جو مل کر ایک ڈایوسیس کے نام سے کہلاتی ہیں۔ اِن کا مقام خوش منظر سماں دِکھاتا ہے۔ کیونکہ اِن میں پہاڑیوں کا ایک سلسلہ سا بندھا ہے۔ سمندر کے ساحلی پہاڑوں اور دیگر پہاڑیوں کے درمیان بسیط زرخیز میدان ہے۔ ساحلی پہاڑوں کے دامن میں مُوپلہ لوگ آباد ہیں۔ جن کے آباء اجداد عربی بتائے جاتے ہیں

اور عرصہ دراز تک یہ جنگ جو خوفناک مسلم اہل ہنود کے لئے دہشت کا باعث رہے ہیں۔

ان ریاستوں میں ذات پات کا کڑا بندھن ہے۔ کسی پست قوم کے فرد کی مجال نہیں کہ وہ برہمن یا اعلےٰ ذات کے پاس تک بھی جائے۔ راجہ کے چناؤ کا سلسلہ عجیب ہے۔ کیونکہ وہ خاندان والدہ سے ہوتا ہے۔ ان ریاستوں میں عام خیال ہے کہ مقدس توما نے انہیں بشارت دی۔ اور زاں بعد اشوری اور گلدی میسوپوتمایہ کی کلسیائیں ان پر اپنا ہاتھ رکھے رہیں۔ جو اغلباً درست معلوم ہوتا ہے۔ پرتگال کے رومن کیتھولک اور ہالینڈ کے پراٹسٹنٹ مشنری عرصہ دراز سے خدمت کرتے رہے ہیں لیکن کلیسیائے انگلستان کا اس علاقہ میں پہلا مشنری تھامس نارٹن ۱۸۱۵ء میں سی ایم ۔ ایس نے ٹراونکور بھیجا لیکن یہ بھی کرنل منرو ریزیڈنٹ کوٹا سیم کے ایماء پر تشریف آور ہوئے تھے کیونکہ کرنل منرو کا خیال تھا کہ وہ سیرین مسیحیوں کو اپنی حفاظت میں لے کر انہیں روحانی و دنیوی فائدہ پہنچائیے۔ بدیں وجہ اس نے مشنری تھامس نارٹن کو ایلپے میں منصف بھی بنایا۔ اور سیاسی حکمت عملی میں ان مشنریوں کے وسیلہ سے اپنے لطف و کرم کی بوچھاڑ سیرین مسیحیوں پر کی۔ کوٹایم میں کالج بنانے کے لئے جگہ کا بندوبست کیا کوچین اور ٹراونکور کے علاقوں میں سکول قائم کئے تاکہ سیرین مسیحیوں کی محبت

کی ڈوری میں تعلیم و تربیت کرے لیکن محنت کارگر ثابت نہ ہوئی۔

تھامس نارٹن نے سیرین مسیحیوں میں بہت محنت کی۔ اور ان کے دوش بدوش بنجمن بیلی چونتیس برس۔ ہنری بیکر سینتالیس برس اور جوزف پیٹ بتیس برس تک انتھک محنت کرتے رہے لیکن سُوریانی آرچ بشپ کی آمد سے دفعتاً انقلاب پیدا ہوا اور کشیدگی بڑھ گئی۔ کیونکہ اس نے اِس بات پر زور دیا کہ قدیم ایمان و دستورات میں سیرین مسیحیوں کو سرِ مُو فرق نہ آنے دینا چاہئے۔ بشپ ڈانیل وِلسن نے اس ابتری میں اتحاد کی کوشش کی اور چند اصلاحات بھی پیش کیں لیکن بے سُود۔ بلکہ باہمی رقابت کی وجہ سے مُاوِلکرا کی سِنڈ میں انگریز مشنریوں سے قطع تعلقی کا حلف اٹھالیا۔ اب مشنریوں نے بے بس ہوکر غیر اقوام اور پست اقوام کے افراد کی طرف مُنہ اٹھایا۔ ٹراونکور میں خدمت کی اور کوچین کے راجہ کا بیٹا مسیحی ہوگیا۔ ۱۸۷۰ء میں مسیحیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ مدراس کے اُسقف کو اِن کی خدمت کرنا مشکل تھا اِس لیئے یہ ڈایوسیس علیحدہ بن گئی اور ۱۸۷۹ء کو جان مارٹن ڈیل سپچیلے کا اُسقفی تقدّس ہُوا۔ اِنہوں نے تعلیمی نظام کو بہترین بنادیا۔ دس سال کے بعد پادری ایڈورڈ نوئیل مقرر ہوئے۔ جن کا تقدّس ۱۸۹۰ء کو ہوا لیکن چارسال کی خدمت کے بعد شمالی ہند کا مبلغ

مشنری چارلس ہوپ گل ۱۹۰۵ء میں اُسقف بنا۔ جس نے بیرین سیحیوں اور چرچ مشنری سوسائٹی میں خوش گوار تعلقات پیدا کردے اور اتحاد کی بنا ڈال دی۔ اس لئے بعد کا نظام تعلیمی یعنی کیمرج نکلسن انسٹی ٹیوٹ۔ کوٹایم میں مشن کالج۔ کونن کولام میں ہائی سکول۔ تریچور وتریوولا کے بورڈنگ سکولوں میں اتحادی فضا قائم ہے اور یونین کرسچن کالج اتحاد کا اکمل نمونہ ہے۔ خدا کرے کہ تمام ہندوستان میں زندہ اتحاد جلد قائم ہوجائے تاکہ کلیسا میں خود پرور ہوں اور ہندوستان مسیح خداوند کے قدموں میں لایا جائے۔

چھوٹا ناگپور ڈایوسیس

۱۸۹۰ء

چھوٹا ناگپور میں قدیم کول باشندوں۔ منڈا۔ اورن۔ لڑکاہوس اور سنتال کی کثرت ہے۔ جن میں بلحاظ قومیت امتیاز قائم ہے۔ چار مشہور جرمن مشنری عجیب طور سے اس علاقہ میں داخل ہوئے تاکہ بشارت دیں کیونکہ اُن کے راہنما جہانیز گاسنر نے جرمن سے تبت علاقہ میں خدمت کی غرض سے انہیں بھیجا تھا لیکن وہ کلکتہ میں تو تھا وہ وہاں سے راہ دریافت کر رہے تھے۔ تو اُن کا واسطہ کول افراد سے پڑا جنھوں نے انہیں اپنے علاقہ میں آنے کی

دعوت دی۔ جس پر یہ مشنری صاحبان پندرہ دن پاپیادہ سفر کرکے کول علاقہ میں پہنچ گئے اور رانچی کو اپنا مرکز بنا لیا۔ آہستہ آہستہ لوگوں میں تبلیغ کرنے لگے جس سے ۱۸۵۰ء میں سات سو کول مسیح خداوند کے قدموں میں آگئے ۱۸۵۷ء کے غدر نے ان کے ایمان و ہمت میں لغزش نہ آنے دی۔ کیونکہ گرجہ گرجہ پر گولیاں برسائی گئیں جن کے نشانات مینار پر اب تک قائم ہیں تو بھی کلیسیا زیادہ مضبوط ہوتی گئی۔ اس لئے ۱۸۶۰ء میں تقریباً دس ہزار کی تعداد میں کول مسیحی ہوگئے لیکن اب بانیٔ جرمن مشن جہانیز گاسنر نے سی ایم ایس۔ لنڈن میں خط لکھا کہ چونکہ وہ پچاسی برس کی عمر کے تقاضا کے باعث کمزور ہیں اور انہیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو اس مشن کو ان کے بعد چلا سکے لہٰذا وہ بہتر سمجھتے ہیں کہ سی۔ ایم۔ ایس اس علاقہ میں خدمت کی ذمہ دار ہو جائے لیکن ادھر تو لندن میں اس درخواست پر زیادہ توجہ نہ دی گئی اور ادھر جرمن مشنری مشن کے تبادلہ میں رضامند نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گاسنر کی موت کے بعد انتظام کیوڑا ٹوریم کمیٹی کے ہاتھ آیا جو گاسنر کی نرم دلی کے خلاف تھے۔ اس لئے مشنریوں میں جھگڑے اور انگشت نمائی ہونے لگی۔ قدیم مشنریوں کو برطرف کر دیا گیا جس سے فضا اور بھی مکدر ہو گئی۔ بشپ ملین صاحب نے انتہائی کوشش کی کہ دونوں فریقین میں مصالحت ہو لیکن بے سود

سو آخر کار کشمکش و جدوجہد کے بعد کول مسیحیوں کی درخواست پر بشپ ملمین نے انہیں اپنی کلیسیا میں شریک کیا۔ ۱۷ اپریل ۱۸۶۹ء کو کئی سو کول افراد کو منسلک کیا اور ان کے چار پاسبان ایف باسک۔ ایچ باسک۔ ایف بوہن اور کارگذار ولیم لوتھر داؤد سنگھ راجپوت کا تقرر کیا۔ ۶۵۰ افراد پاک عشاء میں شریک ہوئے۔ اس خدمت کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایس۔ پی۔ جی نے پادری جے۔ سی وائٹلی کو بھیجا جو ایلڈر ور یڈر منتخب کر کے قدیم نظام کے موجب خدمت کرنے رہے جس سے خدمت پر بہت برکت ہوئی۔ پنتیس گاؤں میں گرجے تعمیر ہو گئے۔ ۱۸۷۰ء میں مدرسہ علم الہیات بھی قائم ہو گیا۔ ۱۸۷۲-۷۳ء میں ایک بڑا گرجہ مرکز میں تعمیر ہو گیا جس میں بارہ سو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ جب بشپ ملمین نے اِس گرجہ کی تقدیس کی تو اُس کے بعد پانچ دیسی کارگذاروں کا تعین ڈیکن کے لئے کیا تاکہ وہ علاقہ میں پانچ اچھے مرکزوں پر پاسبانی خدمت سرانجام دیں۔ اِن کارگذاروں کی تنخواہ بطور ڈیکن پندرہ روپے اور بطور پریسٹ بیس روپے ماہوار تھی۔ جس کا کچھ حصہ مقامی کلیسیا اور کچھ کلکتہ پاسٹریٹ فنڈ سے دیا جاتا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں کلیسیا میں ہر جگہ گرجے نظر آنے لگے۔ سکول قائم ہو گئے اور کیتھڈرل بن گیا لیکن اُدھر رومن کیتھولک جیسوئٹ مشنریوں نے غریب مسیحیوں کو زمین کا لالچ دینا شروع کیا۔ عام مسیحی اِن کی طرف متوجہ

ہو گئے اس لئے فادر لیوسٹنس نے چودہ ہزار کول کو دوبارہ بپتسمہ دیا لیکن باوجود اس رکاوٹ کے کام ترقی کرتا تھا۔ کیونکہ ۱۸۸۵ء میں بشپ کی ضرورت پر جو درخواست بشپ ملمین کے حضور پیش کی گئی اس میں مرقوم تھا۔ کہ ہم تیرہ ہزار مسیحی ہیں جن میں بائیس پادری وڈیکن ہیں۔ ہمارا علاقہ کلکتہ سے علیحدہ اور ہماری زبان میں فرق ہے۔ اس لئے لیفرائے صاحب دہلی اور بشپ جانسن صاحب ہماری اس درخواست پر غور فرمائیں۔

۱۸۹۰ء کو پادری جے۔ سی۔ وائٹلی کا تقدس ہوا۔ ڈبلن یونیورسٹی نے کیمبرج مشن دہلی کی طرح پانچ مشنریوں اور ایک لیڈی نرس سے مدد دینی شروع کر دی انہوں نے ہزارہ باغ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں ہائی سکول۔ کالج اور ہسپتال قائم کئے۔ ۱۹۰۴ء میں بشپ وائٹلی صاحب گذر گئے لیکن ان کے بعد چودہ سال تک پادری فاس وسکٹ خدمت کرتے رہے۔ جس کے بعد کلکتہ کے میٹروپالٹین بن گئے :۔

لکھنؤ ڈائیوسیس

۱۸۹۳ء

لکھنؤ ڈائیوسیس میں ہندوستان کے مشہور شہر بنارس

آگرہ۔ بریلی۔ میرٹھ۔ کان پور۔ علی گڑھ اور الٰہ آباد پائے جاتے ہیں۔ اِس میں چار مشہور یُونی ورسٹیاں الٰہ آباد۔ لکھنؤ۔ بنارس اور علی گڑھ ہیں۔ ہندؤں کی مشہور زیارت گاہیں بنارس اور ہردوار بھی اِن میں ہیں اور ہندؤں کا متبرک دریائے گنگا اِس کی زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اِس لئے یہ قابل توجہ علاقہ تھا۔ چنانچہ بشپ جانسن صاحب نے اِس علاقہ کے لئے ضرورت بشپ محسوس کرتے ہُوئے ڈایوسیس کے لئے عملی تجویزات بنانی شروع کیں۔ بشپ وِلکنسن کی وساطت سے آسقف کی تنخواہ کے لئے مستقل سرمایہ جمع ہوگیا اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے الٰہ آباد کو اپنے بہترین سرکاری پادری بھیجنے شروع کئے یعنی برُوک ڈیڈیر۔ آسکرڈی اور ٹیکنیس جنہوں نے اُسقفی قیام کو ممکن بنادیا اور لکھنؤ کے آرچ ڈیکن بھی مقرر ہوئے تھے۔

ڈایوسیس کی تجویزات کی تکمیل سے قبل کینگٹن کی چرچ کمیٹی نے الٰہ آباد میں خوب صورت گرجہ زیرِ نگرانی مشہور معمار سر ڈبلیو۔ ایمرسن بنانا شروع کیا۔ لیکن جُوں جُوں ڈایوسیس کے نظام کی تجویزات مکمل ہوتی گئیں۔ اِس گرجہ کو کیتھڈرل کی صورت دی جانے لگی۔ ایک متمول امریکن مسٹر اے۔ سی۔ پی۔ ڈاج کے زرِ کثیر نذرانہ کا نصف حصہ اِس کیتھڈرل کی تعمیر میں صرف ہوا۔ مسٹر ڈاج اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ہندوستان میں سیر و سیاحت کی

غرض سے آئے تھے لیکن الہ آباد میں اِن کی اہلیہ بعارضہ چیچک بیمار ہو کر مرگئیں۔ اِس کس مپرسی و غم کی حالت میں سرکاری پادری ڈبلیو۔ ایچ۔ برینس اُن کی مدد اور تسلی کا باعث رہے جس سے مسٹر ڈاج کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ اور امریکہ پہنچ کر اپنی اہلیہ کی یادگاری میں زرکثیر بشپ جانسن کے نام بھیجا۔ جس کا نصف تو کیتھڈرل فنڈ میں جمع ہوا۔ ودیگر نصف دو دیسی پادریوں کی تنخواہ کے لئے بطورِ سرمایہ رکھا گیا۔ یہ کیتھڈرل تاہنوز زیرِ تعمیر ہے اور ہندوستان میں خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتا ہے اُس کے گردو پیش کلیسیائی عہدیداروں بشپ۔ آرچ ڈیکن۔ زنانہ کارگذاروں کی رہائش گاہیں اِس عمارت کو اور بھی زیب دیتی ہیں۔ یہ یاد رہے کہ اِس ڈایوسیس کو لکھنؤ کے نام سے اِس لئے پکارا جاتا ہے کہ الہ آباد اُس وقت کلکتہ ڈایوسیس میں شامل تھا چنانچہ نئی ڈایوسیس کے لئے ایسے ہی شہر کی ضرورت تھی جو اُس حدود سے باہر ہو لہٰذا لکھنؤ جو شمالی اودھ کا تواریخی شہر اور دارالخلافہ تھا۔ اس کا نام اِس نئی ڈایوسیس کو دیا گیا سو ۲۵؍ جنوری ۱۸۹۳ء کو اوّل بشپ پادری الفریڈ کلفرڈ کا تقدّس سینٹ پال کیتھڈرل کلکتہ میں ہوا۔

اُسقفی نظام سے قبل اِنگلیکانی کلیسیا نے اضلاعِ متحدہ میں بہت خدمت و محنت کی۔ پادری فشر نے میرٹھ۔ پادری

Scanned with CamScanner

ہنری مارٹن نے کان پور۔ پادری کورے نے آگرہ و بنارس میں ۱۸۱۲ء میں ڈانیل کورے آگرہ کے بازار کی گلیوں میں متعصب مسلمانوں کے درمیان پاک کتاب کو ہاتھ میں لئے تبلیغ کرتے رہے۔ اس وقت عبدالمسیح صاحب بھی آگرہ میں مقیم تھے کیونکہ ۱۸۱۱ء میں پادری ڈی۔ براؤن نے کلکتہ سے بپتسمہ دے کر واپس آگرہ بھیج دیا تھا۔ عبدالمسیح کی تبلیغ میں جوش و ولولہ کا یہ عالم تھا۔ کہ جب کبھی وہ قلعہ کے باہر منادی کرتے تو مسلمانوں کا ہجوم لگ جاتا۔ ۱۸۱۸ء میں وہ دہلی پہنچے اور مغل بادشاہ نے ان کی خبر پاکر بلایا۔ اور عربی میں انجیل کی درخواست کی۔ ۱۸۲۶ء میں ان کا تقرر ہوا اور اُن کی تقریر اتنی دل کش ہوتی تھی کہ یورپین آرمینین۔ رومن کیتھولک سننے آتے تھے۔ اِن کے بعد دو جرمن لوتھرن پادری ٹی۔ ہارنلے اور پادری جی۔ فانڈرز نے خدمت کی۔ فانڈرز صاحب باسل مشن کے شریک کار تھے جو فارس میں خدمت کرتے تھے۔ لیکن آرمینیا اور روسی پادری اِن سے حسد کرنے لگے جس سے یہ سی۔ ایم۔ ایس میں شریک ہو کر آگرہ خدمت کرنے لگے۔ اِن کی کتاب میزان الحق اِن کی ذہانت و تبلیغی تحقیق پر شاہد ہے۔ اِن کے بعد پادری تھامس والپی فرنچ کے زیر اہتمام آگرہ میں سینٹ جان کالج تعمیر ہوا۔ اور مددگار پادری ای۔ سی۔ سٹوارٹ تھے۔ جو واٹیو کے بشپ مقرر ہوئے اِن کے بعد مسٹر ہیتھارنتھ

ویٹ عرصہ دراز تک پرنسپل رہے جن کے جانشین پادری سی ایچ۔ بی۔ ڈوریٹ ہوئے جو بعد میں لاہور کے اسقف ہو کر لاہور آئے۔ تب پادری کینن اے۔ ڈبلیو۔ ڈیویز نے کالج کے نظام کو سنبھالا۔

بنارس:۔ ڈائیں کورے بنارس میں مؤثر ثابت ہوئے۔ اِن کے زیرِ اثر مہاراجہ جے۔ نرائن گھوسل نے ہندوستانی بچوں کے لئے مدرسہ جاری کیا۔ جو سی۔ ایم۔ ایس کی تحویل میں کر دیا گیا۔ اس سکول نے مسٹر ڈبلیو۔ پی۔ ڈی بل کے زیرِ نظام کافی ترقی کی۔

میرٹھ:۔ یہاں سرکاری پادری فشر کا کام نمایاں ہے۔ کیپٹن اور مسز شیرووڈ نے اعلیٰ خدمت کی وجہ سے چرچ مشن کے لئے راستہ تیار کر دیا۔ میرٹھ کے قریب سردھنا اور گرد و پیش میں ماس موومنٹ کی خدمت جاری ہے نیز میرٹھ۔ بلند شہر۔ مُرادآباد۔ کٹھولی اور جٹی میں چماروں کے بیچ کام رُو بہ ترقی ہے۔

کان پور:۔ ہنری مارٹن کی خدمت کے بعد ۱۸۳۳ء میں ایس۔ پی۔ جی مشن نے پادری ڈبلیو۔ ایچ۔ ہیکاک کو کانپور خدمت کے لئے متعین کیا لیکن ہیکاک صاحب ایک ہزار یورپین مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ ۱۸۵۷ء میں ناناصاحب کے حکم سے مارے گئے جن کے بعد پادری راجر دت بنگالی نے اٹھارہ

سال متواتر خدمت کی اور میٹرو پالٹین کلکتہ اور لکھنؤ اسقف یعنی دونوں بھائیوں فاس وسکاٹ اور جارج ہربرٹ وسکاٹ نے تبلیغی تحریکات کو فروغ دیا۔ کان پور برادر ہڈ قائم کی۔ صنعتی مرکز تعمیر کئے۔ کالج بنوایا۔ اور زنانہ مشنیں طبی خدمت کرنے لگیں۔ بشپ جارج ہربرٹ وسکاٹ کے زمانہ میں کل پادریوں کی تعداد ۹۰ تھی۔ جن میں ۲۶ سرکاری پادری۔ ۴۹ مشنری تبلیغی اور ۱۵ ایس۔ پی۔ جی کے پادری تھے۔ اس لئے کام سُرعت سے ترقی کرتا گیا۔

ٹنیولی ڈایوسیس

۱۸۹۶ء

ٹنیولی ڈایوسیس میں تین ضلعے ٹنیولی۔ رامند اور مدُورا پائے جاتے ہیں۔ جو ٹراونکور و کوچین ریاستوں کے متصل ہیں۔ لیکن سلسلۂ کوہ ان کا حدِ فاصل ہے۔ جس قدیم پانڈو خاندان کا ذکر روائت اُمّا بھارت میں ہے وہ اِن اضلاع میں آباد تھے۔ اور حکمران طبقہ تھا کیونکہ اگر کسی نے عالی شان ہندو مندر دیکھنا ہو تو وہ شمالی ہند کو چھوڑ کر جنوبی ہند کے اِن علاقوں میں گشت لگائے۔ تامل لوگ اِن اضلاع میں کثرت سے آباد ہیں لیکن تلگو بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں فرانسس زیویر

نے مشرقی ساحل کے دامن میں کئی ہزار اشخاص کو بپتسمہ دیا جو نسل در نسل مسیحی چلے آتے ہیں باوجودیکہ انہیں دنیوی حوادث و انقلابات کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن تو بھی وہ مسیحی ایمان سے جنبش نہیں کھاتے۔ اس علاقہ میں ایس۔پی۔جی مشن کی تحویل میں ڈینش مشنری رہینس نے خدمت کی جس کے علاوہ ٹکر۔ سکاٹر۔ پٹیٹ۔ رِنگ لینڈ۔ سارجنٹ۔ کولڈ ویل اور پوپ بھی کام کرتے رہے ۱۸۷۸ء میں عظیم قحط کی بدولت لوگ کثرت سے اس کلیسیا میں شامل ہو گئے۔ سی۔ایم۔ایس یہاں علاقہ بندی و کلیسیائی نظام کی صورت میں خدمت کر رہی ہے۔ ٹینولی میں خود پرور اور خود منتظم کلیسیائی اصولوں پہ شدومد سے زور دیا جاتا ہے۔ ٹینولی سے اتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہندوستانی تو ے پادریوں کی تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ اور دیگر چھوٹے چھوٹے شعبوں اور گرجوں میں کلیسیا اپنا روپیہ صرف کرتی ہے۔ ۱۸۹۶ء میں ٹینولی کے پہلے بشپ پادری سیموئیل مورلی کا تقدس ہوا۔ جو سرکاری پادری تھے۔ اور کچھ عرصہ بشپ گل مدراس کے زیرِ اثر خدمت کر چکے تھے۔ ان کی رسمِ تقدیس سے پیشتر ڈایوسیس کا نظام مکمل ہو چکا تھا۔ بشپ جانسن نے دو دیگر مشنریوں کی رسمِ تقدس ادا کی یعنی سارجنٹ اور کارڈویل جو بالترتیب سی۔ایم۔ایس اور ایس۔پی۔جی سے متعلق تھے تاکہ وہ معاون ہوں نیز بہترین خدمت گذار مشنری مارگیسیس۔ شارک۔ تھامس واکر تبلیغی خدمت کرتے رہے۔ اور

دیسی پادری راؤ پال۔ جی سیمئین اور کینن گنانکس نے ان تھک محنت کی۔ یہ ڈائیوسیس خود پرور اور خود منتظم ہے۔ جس میں سارہ ٹکر کالج پالم کوٹا۔ ہائی سکول ناصرت اور دیگر شعبہ جات تبلیغی منظم طریق پر پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اندھوں۔ بہرے اور ہکلوں کے لئے سکول قائم ہیں۔ اور صنعتی کام پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ یہ ڈائیوسیس ڈارنکل کو اپنا ایک مشنری بھیجتی ہے اور تقریباً اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ مدد دیتی ہے۔ اس ڈائیوسیس پر بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ خداوند اسے برکت بخشے۔

سکاچ مشن

۱۸۲۹ء میں سکاٹ لینڈ کا نمائندہ الگزینڈر ڈف صاحب جو سینٹ اینڈروز کالج کے گریجوئیٹ اور علم میں ماہر استاد تھے بطور تعلیمی مشنری ہند میں تشریف آور ہوئے۔ یہ ایسے ماحول میں تربیت پا چکے تھے۔ جس پر سیمئین کا اثر تھا سینٹ اینڈروز کالج میں تبلیغی مشنری تھامس چامرز نے ان کے خیالات کو متحرک کیا لیکن جان انگلس کے گروہ میں شمولیت کی وجہ سے ان کے خیالات نے دفعتاً پلٹا کھایا اور مدرسوں کے تعلیمی نظام سے مسیحی تعلیم کو پیش کرنے کے حامی اور پیش رو ہوئے۔

پھر ہندوستان میں تبلیغی مشنوں پر کافی اعتراضات کئے

Scanned with CamScanner

جاتے تھے۔ لوگ شاذونادر ہی مسیحی ہوتے تھے اس لئے ڈف صاحب کی ذہنی تحریک نے یقین کی صورت اختیار کی۔ وُہ مدرسوں کی حمائت کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مغربی سائنس وعلم ادب نکتہ چینی کو بند کردے گا۔ لوگ تعلیم سے ہندومت کی کمزوریوں سے واقف ہوجائیں گے۔ اور انگریزی زبان میں مسیحیت کو درس وتدریس کے سلسلہ میں انہوں نے رام موہن رائے سے دوستی پیدا کی اور ۱۴ر جولائی ۱۸۳۰ء کو پہلی دفعہ اِس موضوع پر تبادلۂ خیالات کیا۔ رام موہن رائے ڈف صاحب کے خیالات سے محظوظ ہوکر لوگوں کے دِلوں سے مذہبی وذاتی تعصبات دُور کرنے اور انہیں تعلیم پر آمادہ کرنے میں مستغرق ہوگئے۔ سو نتیجہ یہ ہوا کہ بچے اِس نئے سکول میں داخل ہونے لگے جو بہت جلد مشہور ہوگیا۔ لیکن چونکہ ڈف صاحب نے اپنی قادر کلامی سے بحث مباحثہ کے سلسلہ کو بھی جاری رکھا جس کے زیر اثر ہیش چندر گھوش دہریہ و مادہ پرست۔ کرشن موہن بینرجی اور گوپی ناتھ نندی مسیحی ہوگئے۔ اِس لئے سکول کے کام میں تعطّل پیدا ہونے لگا۔ لیکن ہوشمند شخصیت نے اِس گتھی کو سلجھا لیا۔ مدرسہ میں مسیحی تعلیم دی جاتی تھی جس نے خمیر کی مانند آہستہ آہستہ اثر کرنا شروع کیا۔ ۱۸۳۳ء میں مسیحت سے متاثر ہوکر سکول کے طالب علم آنند وچند نے خاندانی مخالفت پر قابو پاتے ہوئے دلیرانہ بپتسمہ لیا۔

Scanned with CamScanner

یہ وہ وقت تھا کہ سرکارِ انگلشیہ دس ہزار پونڈ ہندوستانیوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کے سوال پر غور کر رہی تھی لیکن ڈف صاحب کا نظریہ اور عمل اُن کے نزدیک قابلِ تقلید ٹھہرا۔ ۱۸۴۳ء میں فری چرچ سکاٹ لینڈ قائم ہوا۔ جس میں ڈف صاحب بھی شریک ہو گئے اور اپنی کوششوں کو دوبالا کر دیا۔ ڈف صاحب اپنی نظیر آپ تھے۔ کلکتہ ریویو کے بانی رہے۔ طبّی سکولوں اور ہسپتالوں میں اظہارِ شوق فرمایا۔ سرکارِ انگلشیہ کو قومی و مذہبی سکولوں کو گرانٹ دینے پر آمادہ کیا۔ تبلیغِ عامہ میں کوشاں رہے۔ ۱۸۵۷ء میں اضلاعِ متحدہ میں پہنچ کر اتحادی مشن پر زور دیا۔ ۱۸۶۳ء میں بیماری کی تعطیل پر وطن گئے تو آرام نہ کیا بلکہ ادھر ادھر گھومتے اور سرمایہ جمع کرتے رہے۔ سو اِن کے دم سے ہی سکاٹ لینڈ مشن نے نیا نظام اور نیا دورِ تبلیغ شروع کیا جو دیگر مشنوں اور سرکارِ انگلشیہ کے لئے قابلِ تقلید امر ٹھہرا۔

ڈاکٹر جان وِلسن نے ۱۸۲۹ء کو بمبئی کا رُخ کیا تاکہ تعلیمی مشنری ہوں۔ یہ نہائت عالم تھے۔ بہت جلد زبان سیکھ لی۔ ہندوؤں، مسلمانوں، پارسیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور حبشیوں سے جو بمبئی میں مقیم تھے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے پریسبیٹرین کلیسیائیں قائم کیں۔ تبلیغ میں اِن کا زاویہ نظر عرب تک وسیع تھا۔ انہوں نے ابتدائی مدرسوں میں مُلکی زبان اور ہائی سکولوں میں انگریزی زبان کو رائج کیا۔

اور زنانہ تعلیم پر بہت زور دیتے رہے۔ بمبئی یونیورسٹی کی تشکیل میں حد درجہ کوشاں رہے۔ اِن کے تعلیمی و تبلیغی اثر کا یہ عالم تھا کہ پونا تک عوام ان کے مداح تھے۔ بمبئی کا وِلسن کالج اِن کی یاد کو تازہ رکھے گا۔

جان اینڈرسن ۱۸۳۷ء میں پہنچے اور اعلےٰ طبقہ کے مسیحیوں کے لئے سکول جاری کیا جس میں ہندو مسلم طلباء کثرت سے داخل ہوئے لیکن ۱۸۴۱ء میں بعض طلباء نے مسیحیت کی تعلیم سے متاثر ہو کر دلیرانہ بپتسمہ لے لیا۔ جس سے سکول میں ہلچل مچ گئی۔ والدین بچوں کو منع کرنے لگے۔ کہ وہ انگریزی نہ پڑھیں کیونکہ انگریزی پڑھنے سے ہی وہ مسیحی ہو جاتے ہیں۔ یہ تلاطم جو اپنی پوری جوانی میں اُٹھا تھا مسیحیت کی محبت بھری تعلیم سے ساکن ہو گیا۔ طلبا کی تعداد میں اضافہ ہوا اور سکول کی نظامت ولیم ملر کے ہاتھ آئی جو وائی کنگ اعلےٰ خاندان سے متعلق تھے۔ انہوں نے اِس سکول کو کالج کی صورت میں ڈھالا اور اعلےٰ پیمانہ پر پہنچا دیا۔ یہ کالج "مدراس کرسچن کالج" کے نام سے مشہور ہے۔ ولیم ملر کی بصارت نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ اِس لئے ۱۹۰۷ء کو بوجہ اندھاپن وہ اِس عظیم خدمت سے دست بردار ہو گئے۔

سٹیفن ہسلاپ ۱۸۴۴ء میں ناگپور مقیم ہوئے یہ وہ علاقہ ہے جہاں پر سیرام پور اور انگلیکانی برادران خدمت کر چکے تھے نیز گوسنر جرمن مشنری بھی عمل پیرا تھے۔ تو

بھی انہوں نے ناگپور میں کالج قائم کر کے تامل۔ مرہٹہ اور تلگو لوگوں کو مسیحی کیا۔ انہوں نے گردو پیش میں گونڈ افراد میں بھی تبلیغ کی اور ان کی پس ماندہ حالت پر سرکار انگلشیہ کی توجہ کو راجع کیا۔ ان کی سعئ بلیغ سے گردو پیش میں کلیسائیں قائم ہو کر لہرانے لگیں۔

ان تعلیمی مشنریوں کی سعئ بلیغ کو دیکھ کر ۱۸۴۱ء میں آئرش پرسبٹیرین کلیسیا نے جان ولسن کی ہدایات سے کاٹھیاواڑ کا کام سکاچ مشن کے ذمہ کر دیا اور ایل ایم ایس مشن کی درخواست پر سورت کا تبلیغی کام بھی ان کی تحویل میں آگیا۔ ۱۸۵۷ء کو ہندوستانی و گھریلو معاملات کے باعث مشن کو کافی زک پہنچا تو بھی بڑے بڑے ادارے قائم رکھے گئے اور پونا کو مرکز بنا کر دیہات میں بشارتی خدمت جاری کر دی۔ ۱۸۵۶ء میں فوجی افسروں کی درخواست پر سکاچ مشن نے پنجاب کا رخ کیا جہاں دس سال کے اندر سیالکوٹ کو مرکز بنا کر گردو نواح کے پچاس میل دائرہ کے شہروں اور قصبوں میں سکول، یتیم خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر دیں۔ اور گردو پیش کے گاؤں میں تبلیغ کی جانے لگی۔ وزیر آباد سمبڑیال اور ڈسکہ ان کے بہترین مرکز بن گئے۔ سیالکوٹ میں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے سکول کھولے گئے اور مرے کالج کے وسیلہ سے تعلیمی نظریہ کو تقویت دی گئی۔ لیکن ان سب کارہائے عظما کی پشت پر ٹامس ہنٹر کا تبلیغی جوش اور

Pastelie Specimen.

شہادت کا خون ہے۔ جو جلاد حُرمت خان کے وسیلہ سے ۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو بر شارع عام بہایا گیا۔ سکاچ مشن خون کی ندیوں سے نہ گھبرائی بلکہ اپنے تبلیغی حلقہ کو وسیع کرتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۱ء میں دارجیلنگ کو نیا مرکز بنا کر ہمالیہ کے کاشتکاروں میں بھی تبلیغی سلسلہ جاری کر دیا گیا جو اس وقت تک کام کر رہا ہے۔

امریکن مشن

(اے۔ پی و یو۔ پی)

امریکن بورڈ آف کمشنز فار فارن مشن نے ۱۸۳۲ء میں سرکارِ انگلشیہ کے ۱۸۱۳ء کے تبلیغی اجازت نامہ کے اعلان کی رُو سے احمد نگر۔ مدورا اور مدراس میں خدمت بشارت کی جس کو دیکھ کر دیگر امریکن تبلیغی انجمنیں میدان عمل میں کود پڑیں۔ لیکن وہ بالرضا بورڈ فارن مشن میں پیوست ہو گئیں سو متحدہ نظام میں لدھیانہ میں پادری جان نیوٹن ۱۸۳۵ء پادری جان۔ سی۔ لاری ۱۸۳۴ء اور فورمن ۱۸۴۸ء میں خدمت کرتے رہے۔ لیکن پادری جان نیوٹن کے وسیلہ سے لدھیانہ میں بیت اللہ اور چھاپہ خانہ تعمیر ہو گیا۔ جن کو ۱۸۵۷ء میں غدر کی مکدر فضا نے سپرد آگ کر دیا تو بھی مبلغ نہ گھبرائے بلکہ اس کو تعلیمی و طبی مرکز اعلےٰ میں تبدیل کر دیا۔ پادری گو نتھال اور بارز کی کوششوں سے لدھیانہ

کے گردو پیش میں کلسیائیں قائم ہو گئیں۔ پادری نیوٹن کے فرزند اصغر ڈاکٹر جان نیوٹن نے پالم پور میں کوڑھی خانہ کو قائم کیا۔ لدھیانہ کو مرکز بنا کر مبشرین جالندھر شہر میں تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے رہے۔ آخر کار پادری پور کرا اور پادری گولک ناتھ نے جالندھر میں زمین خرید کر مرکز تبلیغ کی بنا ڈالی۔ گو سہارن پور اپنی تبلیغی مساعی میں پیش پیش تھا۔ تو بھی ۱۸۸۳ء میں ڈاکٹر ویری اور یوئنگ کی جدوجہد سے جب مدرسہ علم الٰہیات قائم ہو گیا تو اس مرکز کی ممتاز حیثیت ہو گئی۔ ۱۸۶۴ء میں فورمن کرسچن کالج لاہور میں تعمیر ہوا جس سے امریکن بورڈ مشن لاہور اور اس کے گردو پیش میں مستحکم ہو گیا۔ لیکن اس کالج کی تعمیر و تدبیر کی نسبت جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مناسب جانا کہ پنجابی انگریزی زبان سے واقف ہوں تاکہ وہ سلطنت انگلشیہ کی حکمت عملی سے اُسے آگاہ کرتے رہیں۔ اس لئے راجہ نے لدھیانہ میں پادری لاری سے درخواست کی کہ وہ اس امر کے لئے لاہور تشریف لائے۔ پادری لاری ہاتھی پر فلور سے لاہور لائے گئے۔ لیکن دورانِ تصفیہ پادری لاری کی طرف سے یہ شرط قرار پائی کہ وہ انجیل مقدس کی تعلیم ضرور دے گا جو راجہ رنجیت سنگھ نے منظور نہ کی۔ اور یہ معاملہ جوں کا توں رہ گیا لیکن ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب سلطنت انگلشیہ

میں ملحق ہوا تو پادری نیوٹن اور ڈاکٹر فورمن اس تعلیمی ادارہ کو چلانے کے لئے لاہور تشریف لائے۔

پادری چارلس ولیم فورمن صاحب۔ ڈی۔ ڈی،

یہ آزاد و متموّل گھرانہ سے شہر واشنگٹن کے قریب ۳ مارچ ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ سنٹرل کالج اور پرنسٹن سمنری میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۴۸ء کو ڈاکٹر ڈف کے ہاں کلکتہ پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے رموز تعلیم و تبلیغ پر تبادلہ خیالات کیا اور مصمّم ارادہ کر لیا کہ وہ ڈاکٹر ڈف کے طرز طریق کا پیرو کار ہوگا۔ ۱۸۴۸ء میں پادری نیوٹن کے ہاں لدھیانہ آئے جہاں سے یہ دونوں ۱۸۴۹ء کو لاہور پہنچے۔ پادری نیوٹن نے نو وزیر سچیت سنگھ کی حویلی میں اور ڈاکٹر فورمن نے املا لوی سپہ سالار کے مکان میں رہائش اختیار کی۔ ان دونوں کی ان تھک محنت و خدمت سے ۱۸۵۰ء میں مشن سکول قائم ہوا۔ جس پر بنگال کے لائق معلّم گورداس مہتر ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ لیکن ۱۸۵۳ء میں سکول رنگ محل میں منتقل کر دیا گیا۔ ان دونوں پادری صاحبان کے اثر کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۵۶ء میں طلبا کی تعداد ساڑھے سات سو ہوگئی۔ ڈاکٹر فورمن تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ تبلیغی امور میں کوشش کرتے رہے۔ دہلی دروازہ۔ رنگ محل اور ہیرا منڈی ان کے تبلیغی مرکز تھے جن میں وہ گھومتے اور تبلیغ

Scanned with CamScanner

کرتے نظر آتے تھے۔ گو لوگ ان کا مذاق اڑاتے لیکن تحمّل و صبر سے برداشت کر لیتے تھے۔ لاہوری بچے ان سے مانوس تھے جب کبھی یہ انہیں نظر آتے تو وہ "بابا فورمن" "بابا فورمن" کہہ کر ان کا کوٹ پکڑ لیتے تھے اور وہ انہیں آگے بڑھنے نہ دیتے تھے جب تک کہ یہ انہیں تصویر یا ٹریکٹ نہ دیں۔ ان کی تعلیمی حسن قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۶۴ء میں کالج تعمیر کر دیا لیکن بوجہ پیری ۱۸۸۸ء میں کالج کی نظامت سے مستعفی ہونا پڑا تو بھی انہوں نے آرام نہ لیا بلکہ کسولی پہنچ کر تبلیغی مساعی کو زیادہ تحریک دی اور بشارت دینے لگے۔ سو خداوند کو منظور ہوا کہ انہیں آرام بخشے اس لئے ۲۸ اگست ۱۸۹۴ء کو اپنے پاس بلا لیا۔ ان کا جسم کسولی سے لاہور لایا گیا اور نہایت تعظیم و ادب سے دفن کیا گیا۔ جب یہ مستعفی ہو کر کسولی گئے تھے تو ڈاکٹر یوئنگ نے اس عظیم نظامت و خدمت کو ۱۸۸۸ء میں سنبھالا تھا۔

پادری جے۔ سی۔ آر۔ یوئنگ ڈی ایل ٹی سی آئی ای

یہ ایک غریب کاشتکار کے فرزند تھے جو ۲۳ جون ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ مفلسی کی وجہ سے بصد مشکل انہوں نے کالج ڈگری حاصل کی۔ لیکن ڈاکٹر کیلاگ نے ان کی ذہانت کو بھانپ لیا جن کے وسیلہ سے شمالی ہند کے مشنری کی

حیثیت میں ۱۸۷۵ء میں ہندوارد ہوئے۔ انہوں نے فتح گڑھ الہ آباد اور سہارن پور میں خدمت کی جہاں سے ۱۸۸۶ء میں کالج کی نظامت کے لئے لاہور تشریف لائے۔ اِن کی آمد سے کالج کی عمارتوں میں انہوں نے کینیڈی ہال اور بعد میں "نیوٹن ہال" سے کالج کو وسعت دی۔ اِن کی قابلیت کے عوام مداح تھے۔ تبلیغی مساعی میں وہ کسی پاسبان سے پیچھے نہ تھے۔ لاہور کی ہیرامنڈی کے اچھوت افراد میں بلا جھجک تبلیغ کرتے رہے۔ تبلیغی توسیع کے اصولات کے بارے میں انہیں سے دریافت کیا جاتا تھا۔ اس لئے لاہور میں پرسبیٹرین جنرل اسمبلی کے ماڈریٹر بھی رہے۔ اور آخراً تبلیغی دِل چسپی وخدمت کی وجہ سے ۱۹۲۴ء کو امریکہ میں فارن مشن بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ اِن کی ذہانت وخدمت کا اندازہ ان خطابات سے لگایا جاسکتا ہے جو امریکہ۔ پنجاب اور انگلستان نے اعزازی طور پر انہیں عطا کئے۔ یہ عظیم ہستی ۱۹۲۵ء کو بوجہ علالت قلب اِس جہانِ فانی سے اُٹھ گئی لیکن فورمن کالج اِن کی جدوجہد کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔

امریکن مشن کی خدمت میں ایک نیا دَور شروع ہوا جب کہ آسوشیئٹ سنڈ کی وساطت سے امریکہ کا زبردست بے پناہ مبلغ اینڈریو گارڈن۔ ڈی ڈی ۱۸۵۵ء میں ہند میں تشریف آور ہوئے جو ۱۸۲۸ء کو نیویارک کے قریب

Scanned with CamScanner

پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ اپنی اہلیہ محترمہ ربقہ کیمبل سمیتھ
اور ہمشیرہ الزبتھ کے ساتھ کلکتہ۔ الہ آباد اور سہارن پور ہوتے
ہوئے سیالکوٹ آپہنچے اور گرد و نواح کے دیہاتوں ڈہیروں
میں ساٹھ میل کے دائرہ میں پا پیادہ خدمت کرنے لگے۔
جہلم اور ظفروال ان کے دل پسند مرکز بن گئے۔ غدر کی
تاریک گھٹائیں ان کے سر پر اُمڈ آئیں جس سے بشارتی
مساعی میں تعطل پیدا ہوا لیکن ایام غدر کے بعد تبلیغی
سرگرمیاں دو چند بڑھ گئیں۔ ہندوؤں۔ مسلمانوں میگھوں
اور چوہڑوں میں خدمت کرنی شروع کی جس سے متاثر
ہو کر ۱۸۵۷ء میں تعلیم یافتہ ہندو رام بھجن اور چوہڑہ
بنام جوہری اور جیتو مسیحی ہوئے۔ چوہڑوں کے مسیحی
کرنے پر کہرام مچ گیا۔ گارڈن صاحب پر انگشت نمائی
ہونے لگی لیکن اس نے تجربہ معلوم کر لیا تھا کہ خداوند
مسیح اس لئے آئے تاکہ وہ غریبوں کو خوشخبری دیں۔
قیدیوں کو رہائی۔ اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سنائیں
اور کچلے ہوؤں کو آزاد کریں۔ اس لئے انہوں نے ظفروال
کے قریب نواں پنڈ میں میگھ لوگوں میں بشارتی مہم
جاری کر دی۔ سو میگھوں سے بھجن اور کھیا خداوند مسیح
کی محبت کی ڈوری میں آ منسلک ہوئے۔ ۱۸۷۱ء میں کھیا
کی بیوی بھی مسیحی ہو گئی اور اس کے لڑکے لہنا اور گنڈا
بشارتی خادم بنے ۱۸۶۴ء میں گارڈن صاحب نے جرائم

پیشہ کے نوجوان نثار علی کو بپتسمہ دیا جو ۱۸۸۵ء میں خادم الدین بن گیا۔ گارڈن صاحب نے اپنی توجہ کو علاقہ گورداسپور کی طرف مبذول کر دیا جہاں پادری امام الدین شہباز " مصنف کتاب زبور " پنجابی نظم " خدمت کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے ۱۸۷۶ء کو گورداسپور مرکز کو مستحکم کر کے تبلیغی توسیع سے دینانگر کو بھی بشارتی مرکز بنا لیا اور عزیز الحق کو وہاں متعین کیا۔ مسیحیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہونے کے باعث پٹھان کوٹ علاقہ کو علیحدہ کر کے ۱۸۸۳ء میں پادری کولڈویل کے سپرد کیا گیا۔ پادری گارڈن صاحب کو ۱۸۸۵ء میں بوجہ کمزوری امریکہ جانا پڑا جہاں وہ ۱۳؍ اگست ۱۸۸۶ء کو ابدی آرام میں داخل ہو گئے۔ ان کے فرزند اصغر ڈیوڈ ریڈ گارڈن نے گورداسپور کے کام کو سنبھالا اور ڈیوڈ گارڈن کا بیٹا ڈاکٹر گارڈن جو ہر دل عزیز تھا جہلم علاقہ میں خدمت کرنے لگا۔

۱۸۶۳ء میں گارڈن بزرگ نے اپنی توجہ کو گوجرانوالہ کی طرف بھی لگایا۔ اور وہاں ڈاکٹر سکاٹ اور پادری بار کو بھیجا۔ اور لڑکوں کے یتیم خانہ کو بھی وہاں منتقل کر دیا۔ ڈاکٹر سکاٹ نے گرد و نواح میں بشارت دے کر پست ماندہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا سو یہ مرکز یہاں تک رو بہ ترقی ہوا کہ صنعتی سکول یہاں قائم کیا گیا۔ اور تھیولاجیکل سمنری جہلم سے منتقل کر کے یہاں قائم ہوئی۔ جس کو پادری رابرٹ سٹوارٹ۔ ڈی ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی ڈاکٹر ٹی۔ ایل سکاٹ ڈی۔ ڈی اور ڈاکٹر

بھول صاحب ڈی۔ ڈی جیسے بیدار مغز و ماہر علم الٰہیات پہ ناز ہے۔

اس مشن کی تمام کارکردگی کی پشت پر ڈاکٹر گارڈن اور اُس کے خاندان کی محبت و محنت کا جذبہ عیاں ہے۔ پس ماندہ قوم کی بہتری میں انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ گارڈن کالج اِن کے اعلیٰ و بلند نظریہ کا آئینہ دار ہے۔ یہ ان کے دم سے تھا کہ اس مشن نے کافی ترقی کی اور اسوشیئیٹ سنڈ مشن کو یونائیٹڈ پریسبٹرین مشن (یو۔ پی) میں تبدیل کر کے ایک علیحدہ مستحکم مشن ۱۸۵۸ء ہی میں بنا دیا۔

امریکن بورڈ نے ۱۸۱۹ء میں ڈاکٹر جان سکڈر کی سرکردگی میں لنکا میں خدمت کی لیکن ۱۸۵۳ء میں اِن کے دو لڑکوں نے اپنے والد کی زیر ہدایت آرا کاٹ اور مدراس کے جنوب مغرب میں بشارتی مرکز قائم کر لئے۔ ۱۸۵۷ء میں جب ریفارمڈ چرچ امریکہ نے اپنا بورڈ بنایا تو آرا کاٹ کا علاقہ انہیں سونپ دیا گیا۔ ڈاکٹر سکڈر صاحب کا خاندان تین پشتوں تک متواتر بشارتی خدمت میں مُردہ رُوحوں کو زندہ چشمہ پر لاتا رہا۔ اور پادری سر ولیم مکر نے اِن علاقوں میں انتہائی محنت سے بذریعہ تعلیم و خدمت تقویت دی۔

علاقہ تلگو ۱۸۳۰ء میں امریکن لوتھرن مشن نے کام شروع کیا گو اوائل ۱۸۳۰ء میں انہوں نے جرمن لوتھرن مشنری رینس کی مدد کی جو سی۔ ایم۔ ایس

کے زیرِ تحت خدمت کر رہا تھا۔ لیکن جب اُسے اینگلیکانی نظام اسقفی کو قبول کرنے کے لئے کہا گیا تو اُس نے صاف انکار کرتے ہُوئے سی. ایم. ایس سے علیحدہ ہو کر اس علاقہ میں حسبِ دستور خدمت کرتا رہا۔ ۱۸۴۲ء میں امریکن بورڈ کی ہدائت سے پادری سی. ایف. ہیبرکو تلنگو علاقہ میں بھیجا گیا۔ لیکن جب اُسے جنرل سنڈ کے تابع ہونے کو کہا گیا تو اُس نے بھی قبول نہ کیا اور پنسلوینیا منسٹریم سوسائٹی کے ماتحت ہو گیا جو امریکن لوتھرن سوسائٹی تھی۔ پھر جنرل سنڈ نے گنٹور کو مرکز بنا کر ۱۸۴۳ء میں پادری والٹر گنٹو کو بھیجا لیکن کچھ دیر بعد ان انجمنوں میں سمجھوتہ کی صورت نکل آئی۔ اور اخراجات کو جنرل سنڈ کی فارن سوسائٹی نے برداشت کرتے ہوئے بشارت کو تیز کر دیا۔

بمبئی:- امریکن مشن بورڈ کی وساطت سے پادری جارج باون ۱۸۴۸ء میں بمبئی پہنچے اور بشارتی جدوجہد سے بمبئی کی فضا میں مسرت پیدا کر دی لیکن ۱۸۵۰ء میں احمد نگر کو مرکز بنا کر مرہٹہ لوگوں میں بشارت دی گئی جس سے شہری و دیہاتی کلیسیائیں قائم ہو گئیں۔ غدر کے ایام میں گو فضا ہر طرف مکدر تھی تو بھی علاقہ احمد نگر میں تعدادِ مسیحیان میں چار گنا اضافہ ہو گیا۔ اس علاقہ میں ہیوم خاندان نے بہت خدمت کی۔ انہوں نے ادبی کتب تیار کیں۔ گیت و بائبل مقدس کے ترجمے شائع کئے۔ نارمل

اور علم الٰہیات کے مدرسے جاری کئے۔ ۱۸۹۷ء تا ۱۹۰۲ء میں قحط کے مفلس بچوں کے لئے بورڈنگ اسکول کھولا اور یوں انیسویں صدی کے آخر تک اس علاقہ میں ۱۳۹۷۲ افراد مسیحی ہوگئے۔

مدورا میں امریکن بورڈ نے ۱۸۳۵ء میں کام شروع کیا جس سے ۱۸۳۶ء میں پہلی کلیسیا قائم ہوئی۔ لیکن کارگذاروں کی محنت کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۵۰ء میں مدورا علاقہ کے ایک سو گاؤں سے لوگ مسیحی ہو گئے اور ۷۰۰ طلبا مدرسوں میں داخل ہوئے۔ تامل گیت جو سوارٹز نے بنائے تھے مشتہر کئے گئے۔ نارمل سکول۔ ہائی سکول اور صنعتی سکول قائم کرکے مسیحیوں کی توجہ تعلیمی و صنعتی امور کی طرف راغب کی گئی تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں نیز کالج اور سیمنری قائم کرکے مسیحیوں کو اعلےٰ معیار پر پہنچا دیا تاکہ وہ خود اپنے ملک میں مبشّر و معلم ہوں۔

گوا کی دیسی ریاست کلھارپوری میں امریکن بورڈ نے پادری رائل جی والڈر کو خدمت کے لئے بھیجا لیکن زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ پادری رائل نے امریکن بورڈ سے اپنے تعلقات توڑ لئے اور خود مختارانہ اس علاقہ میں بشارتی خدمت کرنے لگے لیکن ۱۸۷۰ء میں یہ علاقہ پریسبٹیرین چرچ بورڈ کی تحویل میں آگیا۔ اس لئے مزید مرکز قائم کئے گئے اور ۱۸۸۹ء سے پادری ولیم وان لس نے عرصہ دس سال میں

میرج ہسپتال۔ جذام خانہ اور طبی سکول قائم کر کے اس مرکز کو مستحکم کر دیا۔ اور یوں امریکن مشن شمالی اور جنوبی ہندوستان میں قائم و مستحکم ہو گئی ::

امریکن میتھوڈسٹ مشن

ولیم بٹلر نے ۱۸۵۶ء میں شمالی ہند کے اضلاع متحدہ آگرہ و آودھ اور روہیلکھنڈ کے شہروں و دیہاتوں میں پے در پے محنت و کوشش سے نو شہروں میں مرکز قائم کر کے گرجے سکول۔ چھاپہ خانہ۔ یتیم خانہ اور زراعتی مرکز قائم کر دیئے۔ ان علاقوں میں لوگ زیادہ مذہبی سکھوں سے مسیحی ہوئے اور ان پر دیسی مبشر بھی متعین کر دیئے گئے۔ اس لئے ۱۸۷۵ء کی سالانہ کانفرنس میں یہ اصول قائم ہوا کہ دیسی پادری کا رتبہ اور حق امریکن پادری کے رتبہ اور حق کے برابر ہے۔ ولیم بٹلر محسوس کرنے لگے کہ جس کام کے لئے وہ ہند تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا۔ اس لئے ۱۸۶۵ء میں امریکہ لوٹ گئے لیکن جب ۱۸۸۳ء میں پھر واپس آئے تو کام میں ترقی و ضرورت کو دیکھ کر متحیر ہوئے۔ یہ نمایاں کامیابی جیمس ایل تھبورن اور ولیم ٹیلر کے زیر تحت عمل میں آئی تھی۔ برٹش کمشنر کی درخواست پر علاقہ گڑھوال میں جو روہیل کھنڈ کے شمال میں پہاڑی خطہ ہے۔ جیمس تھبورن نے

بشارت دی۔ یہ آئرش میتھوڈسٹ کے ہاں اُدبوبن ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے ۱۸۵۹ء میں یہ ہند پہنچے اور ۱۸۷۰ء میں اُودھ کے مشنری کی حیثیت میں کانپور اور لکھنؤ میں انہوں نے کام شروع کیا۔ ان کی بہن ازہیلا تھبورن وومن فارن مشنری نمائندگی میں بشارت دیتی رہی۔ اس بہن اور بھائی نے تعلیم پر زور دیتے ہوئے لکھنؤ کالج کی بنیاد ڈالی مس ازہیلا کو جب رخصت پر امریکہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں سے کلیرا اسارہ کو لائیں تاکہ وہ طبی کام میں ہندوستان کی خدمت کریں:-

جیمس تھبورن کی درخواست پر ولیم ٹیلر جو کیلیفورنیا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ میں خدمت کر چکے تھے ۱۸۷۰ء کو لکھنؤ پہنچے جہاں سے انہوں نے بمبئی، پونا، کلکتہ مدراس، بنگلور اور دیگر مراکز کا دورہ کیا اور اینگلو انڈین، پارسیوں اور ہندوستانیوں کو انگریزی میں اور جہاں ممکن ہوا بذریعہ ترجمان درس دیتے رہے جس سے روحانی بیداری و تازگی پیدا ہوئی اور بمبئی و کلکتہ میں میتھوڈسٹ کلیسیائیں قائم ہوگئیں۔ اس کامیابی کو دیکھ کر ولیم ٹیلر کا نظریہ بشارت وسیع ہونے لگا اس لئے جیمس تھبورن نے بھی ۱۸۷۶ء میں جنوبی ہند کی کانفرنس پر بلند آواز سے کہا کہ سارا ہند ہمارے سامنے کھلا ہے۔ ہمیں اپنی بشارتی مساعی کو تیز کرنا چاہئے سو تھبورن نے سنگاپور، ملایا اور فلپائن میں بشارتی

خدمت شروع کر دی۔ مشنری خدمت میں اتنے منہمک ہو گئے کہ ۱۸۷۳ء میں میتھوڈسٹ سوسائٹی سے ایمان کے بھروسہ پر تنخواہ لینی بند کر دی۔ انہیں ہندوستان کی ایک ایک روح کو جیتنے کی فکر تھی۔ سو یہ مناسب ہوا کہ ۱۸۸۸ء کی جنرل کونسل نے انہیں اپنا بشپ قبول کیا۔ لیکن اس خدمت کے لئے بہت محنت کی ضرورت تھی۔ اس لئے زیادہ کام وخدمت کی وجہ سے ۱۹۰۰ء میں ان کی صحت نے انہیں جواب دے دیا۔ اور اُن کی جگہ دو مشنری بشپ مقرر کئے گئے تو بھی ۱۹۰۸ء تک یہ بدستور خدمت کرتے رہے۔ اور ۸۷ برس کی عمر میں ۱۹۲۲ء کو ابدی آرام میں داخل ہوئے۔
میتھوڈسٹ مشن نے ۱۸۸۸ء میں زیادہ توجہ سے ماس موومنٹ (گروہ بہ گروہ) کا کام شروع کیا جس سے پست اقوام کے لوگ مسیح خداوند کے قدموں میں اطمینان و پناہ کے لئے آنے لگے۔ مشنریوں نے بخوشی پست اقوام کو قبول کرنے میں خیر مقدم کیا۔ بعض حالتوں میں تو جب تک تمام گاؤں کا پس ماندہ گروہ بپتسمہ کے لئے تیار نہ ہو جاتا تھا۔ کسی ایک کو بپتسمہ نہ دیا جاتا تھا۔ اس امر میں چوہدریوں نے جن کی خاص تربیت کی جاتی تھی بہت مدد دی۔ کیونکہ پس ماندہ اقوام کے گروہ اپنے چوہدری کی ماننے اور پیروی کرنے کو تیار تھے۔
میری ریڈ جو دومن فارن مشن کی سرپرستی میں ۱۸۸۴ء

میں ہندوستان پہنچیں تھیں اور بشارت دیتی پھریں لیکن جب وہ ۱۸۹۰ء کو واپس امریکہ گئیں تو تفتیش سے انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ مرض جذام میں مبتلا ہیں۔ اس لئے وہ ہند میں دوبارہ آگئیں تاکہ وہ اُن ہندی لوگوں میں خدمت کریں جو اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ سو یہ ہمالیہ کے دامن میں مشن کے کوڑھی خانہ میں خدمت کرتی رہیں۔ اور رنجیدہ رُوحوں کو بشارت دی۔

سو امریکن میتھوڈسٹ نے ہائی سکول۔ پرائمری سکول کالج۔ یتیم خانہ۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں جن کے وسیلے سے انہوں نے بشارتی کام کو جاری رکھا۔ دیسی پادریوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بریلی میں مدرسۂ علم الٰہیات بنایا۔ صنعتی سکول جاری کئے۔ مسیحی ادبیات کی اشاعت کا انتظام کیا سنڈے سکولوں کو فروغ دیا۔ بائبل مطالعہ کے لئے سمر سکول کی تجویز کی اور گاؤں بہ گاؤں جاکر منادی و ملاقات سے مُردہ رُوحوں میں تازگی پیدا کردی ہے۔

امریکن بپٹسٹ مشن

ڈاکٹر ولیم کیری بپٹسٹ پادری برطانوی کے ساتھ اس مشن نے کافی ترقی کی اور بنگال اور اس کے متصل بہار و اڑلیسہ میں سکول۔ ہسپتال اور تبلیغی بشارت سے غور اس

سنتال اور گونڈ لوگوں میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے اپنے مرکز آگرہ۔ دہلی اور شملہ میں بھی قائم کئے اور اینگلو انڈین دونوں میں خدمت کرتے رہے۔ برٹش بپٹسٹ جس کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس نے ۱۸۹۳ء میں لوشائی پہاڑی لوگوں میں بشارتی خدمت کی جہاں ویلش کولسٹک میتھوڈسٹ اِن سے قبل خدمت کر چکے تھے اور آسام فرنٹیر پونیئر مشن سے منسلک ہو کر تیرہ سال کے عرصہ میں کئی سو افراد کو مسیحی بنا دیا۔ امریکن بپٹسٹ مشن کی خدمت محدود رہی اس لئے انیسویں صدی میں انہوں نے زیادہ ترقی نہ کی۔

اس مشن کے علاوہ دیگر چھوٹی چھوٹی امریکن مشنیں ہند میں وارد ہوئیں لیکن وہ اپنے محدود نظریہ کے باعث محدود ہی رہیں۔ وہ یہ ہیں۔ پنتیکوسٹل بینڈ۔ بائبل فیتھ مشن۔ اسوشئیٹ ریفارمڈ پریسبیٹرین چرچ۔ ریفارمڈ ایپسکوپل چرچ۔ چرچ آف گاڈ۔ برننگ بش مشن۔ فری میتھوڈسٹ چرچ۔ پنتیکوسٹل چرچ آف نامزرین اور سینیچر مشن۔

لندن مشنری سوسائٹی

اِس انجمن نے اٹھارویں صدی کے شروع میں بنگال۔ بہار

اور مدراس کے اردگرد نیز ٹراونکور کی دیسی ریاستوں میں کلکتہ اور مدراس کو اہم مرکز بنا کر خدمت کی۔ کلکتہ میں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اعلےٰ تعلیمی سکول جاری کئے گئے۔ اور گردو پیش کے دیہات میں سنتال و دیگر لوگوں میں بشارت کی جانے لگی۔ انہوں نے کلکتہ سے کچھ میل دور ایک مسیحی گاؤں بسایا جس میں بیت اللہ تعمیر ہوا۔ ۱۸۲۰ء میں یہ بنارس کی طرف بڑھے اور اسے تبلیغی مرکز بنا لیا اور یہاں سے جنوبی ہند کی طرف ان کی نگاہیں اٹھیں۔ سو مدراس قسمت اور اس کے متصل دیسی ریاست میسور میں انہوں نے اپنی تبلیغی مساعی تیز کر دیں جس سے تامل۔ کنارسی اور تلگو لوگ مسیح خداوند کے قدموں میں آ گئے ۱۸۶۰ء میں ماس موومنٹ کا کام جاری کیا گیا جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مالیگا اور دیگر افراد ۲۵۰۰۰ کی تعداد میں مسیحی ہو گئے۔ ۱۸۹۰ء میں ایمرود میں کامیابی سے ماس موومنٹ کا کام ہوا اور لوگ گروہ بہ گروہ مسیح خداوند کی پناہ میں آ جمع ہونے۔

ٹراونکور میں لندن مشنری سوسائٹی کا نمائندہ ریجنل ٹیوب تھا جو ۱۸۰۶ء میں ہند تشریف لایا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے قدموں کو ٹراونکور میں کیولان کے قریب مستحکم کر لیا۔ اور پست اقوام کے افراد شنار کو نہایت ہی جانفشانی سے انتھک کوششوں

سے بشارت دی۔ جس سے ۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۷ء میں نو ہزار افراد مسیحی ہو گئے۔ جن کو تعلیم دینے کے لئے آنو اسکاٹ کرسچن کالج اور مدرسہ علم الٰہیات قائم کیا گیا۔ غریب و نادار خاندانوں کو پیس وفیتہ بنانے کا کام سکھایا گیا تاکہ وہ خود اپنے روزینہ کا بندوبست کر سکیں۔ سوا اس حفاظت تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۰۷ء میں ٹراونکور کے علاقہ میں ۹،۷۶۴ کلیسائیں قائم ہو گئیں جن میں ۷۰،۰۸۰ مسیحی تھے۔ لندن مشنری سوسائٹی عرصہ دراز تک اعلےٰ طبقہ کے ہندو لوگوں کو مسیحی بنانے میں جدوجہد کرتی رہی لیکن اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی جتنی کہ پست اقوام میں۔

سلویشن آرمی مشن

جارج۔ ڈی۔ ٹوئسٹر ٹکر کے وسیلہ سے سلویشن آرمی مشن ہند میں داخل ہوئی۔ ٹکر صاحب نہائت معزز و اعلےٰ خاندان سے متعلق تھے کیونکہ ان کا دادا ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر رہ چکا تھا۔ باپ آئی۔ سی۔ ایس تھا اور خود بھی اس مشغلہ کی تیاری میں مصروف تھے کہ ڈاکٹر موڈی کے مؤثر درسوں اور نئے طریق زندگی نے انہیں بالکل بدل دیا۔ ادھر سلویشن آرمی ایسا عملہ تھا جس میں خدمت و بشارت کے لئے ہر وقت جگہ تھی۔ اس لئے یہ اس مشن میں بھرتی

ہوکر ان تھک محنت کرنے لگے جس سے جنرل بُوتھ ناظم مشن نے مرعوب ہوکر اپنی چہیتی بیٹی کی شادی ان سے کی جس کے بعد ان کا نام "بُوتھ ٹکر" ہوگیا۔ اب انہوں نے ہندوستان میں تبلیغ کرنے کا عزم راسخ کر لیا اور ۱۸۸۲ء کو ہند میں تشریف آور ہوئے۔ انہوں نے اس بات کو مناسب سمجھتے ہوئے کہ تبلیغ مُلکی ماحول۔ طرز اور دستور میں ہی زیادہ موزوں ہوسکتی ہے۔ اپنا نام دیسی رکھا۔ دیسی پوشاک پہن لی۔ سبزی کھانے اور ننگے پاؤں رہنے لگے اور دیسی مہنتوں کی طرح ہاتھ میں کاسۂ گدائی لئے ہوئے گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر بشارت دیتے پھرے۔ لیکن ہندوستان میں اِن کی اہلیہ محترمہ کی صحت خراب ہوگئی جس سے بحالت مجبوری انہیں واپس انگلستان جانا پڑا جہاں یہ بطور فارن سیکرٹری خدمت کرتے رہے۔ انہوں نے امریکہ کا دورہ کیا لیکن ان کی بیوی امریکہ میں ریل کے حادثہ میں چل بسیں۔ اب یہ دوبارہ ہند میں تشریف لائے اور پے در پے مشنریوں کو بشارتی خدمت کیلئے لاتے رہے۔

آئرش پریسبٹرین چرچ گجرات نے انہیں معاون خدمتِ جماعت سمجھتے ہوئے درخواست کی کہ یہ گجرات علاقہ میں اُن کی مدد کریں۔ انہوں نے بخوشی قبول کرتے ہوئے "دھیڑ" لوگوں میں جو گجرات کے جولاہے تھے اور جرائم پیشہ افراد ہیں خدمت کی جس سے وہ گروہ بہ گروہ

اِن کے جھنڈے تلے آ گئے۔ سو یہ عظیم کامیابی دیکھ کر علیحدہ منظّم انجمن بن گئی اور دیگر کلیساؤں کے لئے خطرہ کا باعث ہوئی۔ اِس لئے ۱۸۸۶ء میں بشپ فرنچ صاحب نے لکھا کہ یہ ہماری آزمائش کا وقت ہے کیونکہ مکتی فوج ہمارے بہترین مسیحیوں کو بھی علیحدہ کرنے کی گھات میں لگی بیٹھی ہے۔ کیونکہ یہ بیٹ من صاحب کے بپتسمہ یافتہ مسیحی کو مکتی فوج میں شامل کر کے لندن لے گئے تھے اور وہاں اُسے ہاتھی پہ سوار کر کے اپنی کامیابیوں کا مظاہرہ کیا تھا۔

مدراس میں انہوں نے تامل لوگوں کی مدد سے خدمت شروع کی اور قدیم مشن مرکز پالم کوٹا میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ لیکن ایک سال کے بعد جب انہیں کچھ کامیابی نظر نہ آئی تو لندن مشنری سوسائٹی کے تامل علاقہ تراونکور میں کام شروع کیا جس کے باعث ایل ایم ایس کے بہت سے مسیحی اِن کے جھنڈے تلے آ گئے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مکتی فوج بطور معاون و مددگار کلیسیا نہایت ضروری و مفید جماعت ہے کیونکہ یہ وہ جماعت ہے جس نے ہندوستان کے عرض و بلد میں جرائم پیشہ لوگوں میں خدمت کر کے اُن میں انسانیت اور مسیحی خیالات کو پیدا کیا ہے اور جرائم پیشہ و پست اقوام کی توجہ کو چوری و عیاری سے یک طرفہ کر کے بافندگی۔

ریشم بنانا۔ چٹائی کی صنعت وحرفت انہیں سکھائی ہے اور مدرسوں کے وسیلہ سے تعلیم بھی دیتے ہیں لیکن بپتسمہ وعِشاءِ ربانی سے مکتی فوج کی غفلت شدید خطرہ کا باعث ہے۔ خدا کرے کہ یہ کلیسائی اتحاد میں متحد ہو کر خود ہی اس مشکل کا حل پیدا کرلے:۔

پانچواں باب

مسیحیت کا غیر مذاہب پر اثر

پروٹسٹنٹ مشنوں کے وسیلہ سے مسیحیت غیر مذاہب پر اثر کئے بغیر نہ رہی گرچہ مذاہب کے عُلمائے نے پورے طور پر مسیحیت کی مخالفت کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھا تو بھی ان کو اِس کی اعلیٰ تعلیم و اخلاق کے سامنے جُھکنا ہی پڑا۔ اِس لئے ہندومت میں جو پہلا فرقہ مسیحیت کے اثر سے پیدا ہوا اور جس نے ہندوازم کو نئے سرے پر تشکیل دینے کی کوشش کی وہ برہمو سماج تھا۔

اِس سماج کا بانی راجہ رام موہن رائے تھا۔

برہمو سماج:- جس نے سیرام پور کے مشنریوں سے یونانی و عبرانی سیکھ کر ہندومت کا مسیحی اصولات و تعلیمات موازنہ کر کے دیکھ لیا کہ خداوند یسوع مسیح کے اخلاقی اصول ہی اطمینان اور تسلی کے لئے راہنما ہو سکتے ہیں۔ سو انہوں نے خدا کی واحدیت کا معتقد ہو کر کثرت اللہ و مسئلہ تناسخ سے انکار کر دیا۔ راہبندر

ناتھ ٹیگور نے اِس سماج میں شراکت کے لئے "تین لازمی اُصول ٹھہرائے کہ ہر شریکِ سماج بت پرستی نہ کرے۔ خدا سے محبت رکھے اور وہ کام کرے جو خُدا کو پسندیدہ ہوں۔ اِنہوں نے 'دُعا' کے عنصر کو سماج میں شامل کر کے رُوحانی بیداری پیدا کر دی۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں جب اِس سماج کی باگ ڈور کیشپ چندر سین کے ہاتھ آئی تو اُس نے ہندو سنسکاروں کو وہم پرستی بتاتے ہوئے مسیحی حسبِ الخلائق کی پیروی کی سو بپتسمہ و عشاء ربانی کو جاری کیا۔ لڑکیوں کی تعلیم۔ مستورات کی آزادی۔ بچپن کی شادی کی ممانعت اور بیوہ عورتوں کے نکاح پر زور دینے لگا۔ آخری اوقاتِ زندگی میں ایسی تصویر بنائی جس میں تمام مذاہب کے راہنما ایک صف میں کھڑے ہیں یہ غالباً سوامی رام کرشن کے اثر کا نتیجہ تھا لیکن تو بھی مسیحیت کا اثر غالب تھا کیونکہ وہ دُعا۔ توبہ اور شفاعت کی تعلیم دینے لگا اور مسیحی زاویۂ نگاہ کے بارے میں یوں کہا کہ "ایک چوتھائی صدی سے میں مسیح کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ وہ خُدا انسان ہے۔ وہ ہر روز اِس وسیع جزیرہ نما کی سیر کرتا ہے۔ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک کروڑ ہا باشندوں کو منور و مقدس کرتا ہے۔ وہ تواریخِ ہند میں ایک حقیقت ہے اور ہمارے راستہ میں زندہ محرک رُوح۔ ہم اس کے دیدار اور شراکت سے مستفید ہوتے ہیں۔ وہ ہماری سماج میں ایک زبردست قوت بن کر سما گیا ہے۔ وہ ہماری روزانہ

زندگی میں بسا ہوا ہے"۔ سو برہمو سماج فرقہ مسیح خداوند کو عزت دینے میں پیش پیش ہے۔ خدا کرے کہ وہ جلد اپنے دل کے واحد حاکم و بادشاہ کو قبول کریں۔

آریہ سماج:۔ اس سماج کا بانی سوامی دیانند سرسوتی تھے جنھوں نے مسیحیت کی اثر پذیر تعلیم کے خلاف قدیم ہندو مت کی تعلیم و اصولات کو برسر عام لانے کی ٹھانی اور نعرہ لگایا کہ "ویدوں کی طرف لوٹو" اور سنسکرت میں پنڈتوں سے مناظرہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ویدوں میں بت پرستی نہیں ہے۔ لیکن جب انہوں نے ۱۸۷۵ء میں آریہ سماج کی بنیاد ڈالی تو بہت سے خیالات برہمو سماج اور بمبئی کی پرارتھنا سماج کے شامل کر لئے۔ ۱۸۸۰ء میں تھیوسوفسٹ سوسائٹی کے دو مشہور لیڈروں کرنل آلکاٹ اور میڈم بلواٹسکی کے زیر اثر رہے تو بھی ہندو مت میں اصلاحات تو کیں لیکن ہندو قدیم اعتقادات کے کٹھن بند سے نہ چھوٹے بلکہ کرم اور تناسخ کے چکر میں ہی پھنسے رہے لیکن عبادتی طرز مسیحانہ رکھا۔ گیت و وعظ کو جاری کیا۔ عبادت میں مستورات کو شامل ہونے کی آزادی دی اور انجمنیں قائم ہو گئیں مثلاً استری سماج۔ ٹریکٹ سوسائٹی۔ آریہ کمار سبھا۔ یتیم خانے گورکل مہاودیالہ۔ کنیا پاٹھ شالہ اور سلوشن آرمی جن سے مسیحی اثر صاف نظر آتا ہے

احمدیہ جماعت:- اس جماعت کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو ۱۸ر جون ۱۸۳۹ء کو قصبہ قادیان (اسلام پور) میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی مذہبی تحریک ہر مذہب کی تمنا کو پورا کرنے کے لئے ۱۸۸۹ء میں شروع کی لیکن مسیحیت کی خاطر کبھی تو انہوں نے قرآنی عیسے کبھی مسیح انجیل اور کبھی مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا لیکن کسی کو پورا نہ کر سکا۔ قرآن شریف کے بیان کے خلاف انہوں نے کہا کہ عیسے مرگیا اور اس کی قبر محلہ یار خان سرینگر میں ہے۔ اور انجیلی مسیح کی تمام صفات و کردار کا خود جبہ پہن لیا اور ان کی تکذیب کرکے اپنے آپ کو برتر پیش کرنا شروع کیا۔ مسیح موعود کے دعوے کے ثبوت میں بے بس تھے کبھی عیسائیوں سے اُلجھے اور کبھی مسلمانوں سے لیکن کسی کو گرویدہ نہ کر سکے۔ انجیل مقدس و قرآن کے بیانات کو خلط ملط کرکے انہوں نے جس طریق پر اپنے بیٹے بشیر کی ولادت پر بطور پیشن گوئی چسپاں کیا ملاحظہ فرمائیں۔

"کہ تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عمانوئیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے۔ اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔"

بعض لوگ احمدیہ بیعت میں آچکے ہیں اور اس فرقہ نے

تبلیغی مساعی کے مرکز انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ۔ آسٹریلیا اور جاپان میں بنالئے ہیں۔ اور مسیحیت کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔

لیکن مسیحیت وہ طریق عمل ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ پر اثر کیا ہے۔ تحریک علیگڈھ کی پشت پر اس کا رنگ غالب ہے تاکہ مسلمان اپنی قدامت پسندی سے نکل کر میدانِ عمل میں حصّہ دار ہوں۔ عورتوں نے کثرت ازدواجی اور آسان طلاق کے خلاف آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس میں صدائے احتجاج بلند کرنی شروع کی ہے وہ اب اسلامی "کھیت" نہیں بلکہ دان بدن آزاد ہوکر مردوں کے دوش بدوش خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ مسیحیت نے مساویانہ حقوق کا علم انہیں بخشا ہے اور ترکی تو ان امور میں زیادہ متاثر ہوچکا ہے۔ اگر اُسے مخالفتِ اسلام بھی کہہ دیں تو بجا ہوگا۔

سو ظاہر ہے کہ مسیحیت ہر مذہب پر اثر انداز ہے اور اس نے اُن میں تحقیق کا مادہ پیدا کر دیا ہے۔ بعض مذہب گو ضد اور تنگ نظری کی وجہ سے اُس کے خلاف اپنی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں تاہم انہیں مسیحی چٹان کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کا بھی احساس ہو رہا ہے۔ خدا کرے کہ یہ لوگ جلد سیدھے راستہ پر آجائیں۔

چھٹا باب

مسیحیت کا پست اقوام و سیاستِ ہند پر اثر

اور ہمارا آئندہ فرض

ہندوستان میں کئی لاکھ محنت کش اور مظلوم لوگ ہیں۔ جن کی نمائندگی بہت کم نظامِ سیاست میں ہوتی ہے۔ وہ پست اقوام کے لقب سے ملقب کئے جاتے ہیں اور زیادہ تعداد میں یہ لوگ ہندو مذہب سے ملحق ہیں اور اس اتحاد سے ہندو نمائندگی کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان کی قومیت علیحدہ تصور نہیں کی گئی۔ انہیں اپنے ہندو نمائندوں سے خاص مراعات و فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ جیسا کہ ستیارتھ پرکاش کے فرائض شودر میں مرقوم ہے کہ شودر کے لئے واجب ہے کہ وہ مذہب۔ حسد و غرور وغیرہ بری باتیں چھوڑ کر مناسب طور پر برہمن۔ کشتری اور ویشوں کی خدمت کرے اور ایسی سے

اپنا گذارہ کرے۔ یہی ایک شودر کا دھرم اور خاصہ ہے۔ منو ۱:۹۱۔
ہندو سوسائٹی نے انھیں اپنے فائدے اور خود غرضی سے شودرؔ
بندھن میں باندھ دیا ہے۔ جس میں پارؔسیا۔ چمار۔ موچی
پاکلیان اور مادیگا ہیں جن میں جھاڑو کش۔ ڈوم۔ میراثی تیلی
دھوبی۔ حجام۔ رتال۔ کنجر۔ قوال۔ نقال۔ نٹ۔ سپیرے
مداری۔ جفار۔ بھانڈ اور کھٹیک ہیں خصوصاً جھاڑو کشوں۔
پارئیا۔ چمار اور مادیگا کو "پانچماں" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
یعنی پانچویں ذات۔ اِن کا حصہ ذاتوں کے شمار سے ہندو
سوسائٹی نے باہر گردانا ہے۔ عموماً یہ لوگ ہند کے قدیمی باشندوں
کی نسل سمجھے جاتے ہیں۔ جن کو آریہ قوم کے ظلم و تشدد نے
بے گھر بے در لوہے آتش کر دیا تھا۔ اِن کا مذہب ارواح
پرستی ہے اور زیادہ تعداد میں پہاڑوں اور جنگلوں میں پائے
جاتے ہیں لیکن جو ہندو سوسائٹی کے ساتھ ساتھ مقیم ہوئے۔
وہ جھاڑو کش اور موچی کی خدمت تک ہی محدود کر دیئے گئے
اور انہیں ہندو سوسائٹی کے حقوق سے بے دخل کیا گیا۔ بلکہ
ان کو اپنے مفاد ہندوؤں پر قربان کرنا واجب ٹھہرا۔ اِن کو
ہندو مندروں کی دہلیزوں کو بھی چھونے کی اجازت نہیں
اگرچہ وہ بھی اِندر۔ شِو۔ کالی اور دیگر ہندو دیوتاؤں کے پرستار
ہیں۔ عموماً یہ گاؤں میں ایک طرف پڑے رہتے ہیں۔
گاؤں کے کنواں سے انہیں پانی نکالنے کی اجازت نہیں
اگر یہ لباس اور کھانے کو چھو جائیں تو وہ مکروہ و حرام سمجھا جاتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ پچھلے دنوں میں جبکہ ہندو سوسائٹی کا عروج تھا تو ان کا سایہ تک بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کوچین ٹراونکور اور دیگر دیسی ریاستوں میں اب تک بھی حال ہے اس میں شک نہیں کہ ان کی جہالت لاعلمی اور غلاظت سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نے ان کو اس حالت تک پہنچایا؟ ہندو مذہب و رسوم نے اور کبھی ہندو سوسائٹی میں اصلاح کا مادہ پیدا ہو گیا ہوتا تو ان کو بہتر بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ گو قدیم زمانہ میں تو یہ دستور تھا کہ مفتوح اقوام سے ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا تھا جیسا کہ یشوع ۹ باب میں جبعونیوں کے بارے میں لکھا ہے لیکن بعد میں ان لوگوں کو حقوق سلطنت عطا کئے آریہ قوم کا حال دگرگوں رہا۔ انہوں نے نہ صرف قدیمی باشندوں کو کارگذاری اور خدمت سے محروم کر دیا بلکہ ان کو بے گھر۔ بے در۔ ملیچھ اور اچھوت بنا دیا اور وہ سلوک روا رکھا جو انسانیت سے بعید ہے۔

اس رواداری کو نامناسب سمجھتے ہوئے ہندو لیڈروں اور سیاست دانوں نے مسیحی تعلیم و عمل کے زیر اثر جو شنوں کے وسیلہ سے انہیں حاصل ہوا مسٹر جی۔ کے گھوکھلے اور راجہ گائیکوار بڑودہ نے ہندو سوسائٹی سے پر زور اپیل کی کہ وہ غیر منصفانہ اور بعید از انسانیت کارروائیوں کو دور کریں اور ایکدوسرے کے حقوق کی نگہداشت کریں۔ مسٹر لیے۔ وی ٹھاکر اور مسٹر گاندھی نے پست اقوام کے حقوق کی حفاظت کی تحریک منظم صورت میں پیش کی اور پست اقوام کا نام

تبدیل کر کے "ہری جن" رکھا جس کا مطلب خدا کی اُمت
اور ہندوانہ طرز میں ہری کے بیٹے بھی ہو سکتا ہے۔ اس منظم
انجمن کو "ہریجن سیوک سنگھا" کا نام دیا گیا ہے۔ مسٹر اے دی
ٹھاکر اس بات کے مُدعی ہیں کہ ہریجن سیوک سنگھا کا مقصد
محض پست اقوام کی بہتری اور بہبُودی کرنا ہے اور اس کا
ہرگز مطلب ہندوستان کی قومی کانگرس کی سیاسیات کو
تقویت دینا نہیں ہے۔ مہاتما گاندھی کا ذہن بھی اس امر
میں وسیع ہے۔ کیونکہ مہاتما نے اس خاص بات کو ظاہر کرنے
کے لئے تمام ہند کا دَورہ کیا۔ برت رکھا۔ جیل سے پیغامات
پہنچاتے رہے تاکہ اس اچھوت پن کی مہلک مرض کو ہند
سے دُور کر دیں اور یوں فرمایا کہ اگر ہند میں اچھوت پن رہا
تو ہندو مت معدوم ہو جائے گا۔ اور اگر ہندو مت کو قائم رہنا
ہے تو وہ اچھوت پن کو دُور کر دے۔ میری مہم کا مقصد یہ ہے
کہ میں ذات پرست ہندوؤں کو اچھوت پن کے جُرم سے
پاک ہونے کی دعوت دُوں۔ اس میں شک نہیں کہ مہاتما
گاندھی کی اپیل کا بہت اثر ہوا۔ ہریجن سیوک سنگھا نے چھوٹا
ناگپور اور جنوبی ہند کی دیگر جگہوں میں سکول کھولے اور
دیگر عملی تدابیر کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن اب بہ صاف
ظاہر ہو رہا ہے کہ سیوک سنگھا کے کارگذار جس صورت میں
میں عمل کر رہے ہیں وہ مسیحیت کے خلاف ایک زبردست
دیوار کی صورت ہے عموماً وہ پست اقوام کے غریب مسیحیوں

Scanned with CamScanner

کو اُس حالت میں مدد دینے کے لئے تیار ہیں اگر وہ پھر واپس قدیم ذات و مت میں شریک ہو جائیں۔ وہ محض نمائشی طور پر تمدن کے سُدھار میں معروف ہیں اور رُوحانی زندگی سے بے تعلق ہیں اِس لئے وہ مسیحی معیار کو نہیں پہنچ سکتے۔ اگرچہ انہوں نے یہ تحریک مسیحیت کی نقل میں اِس آئت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شروع کی کہ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ"، گو سیاسی طور پر ہندوستانیوں میں مسیحیت کی وجہ سے بھائی بندی کا احساس پیدا ہو گیا ہے لیکن تو بھی ہندو سوسائٹی نے پست اقوام کو بھائی نہیں سمجھا جو مسیحیت میں بالکل عام بات ہے۔ اور اِس کا عموماً اظہار "ایک پیالہ و ایک شراکت" سے ہوتا رہتا ہے۔

ہندوستانیوں کے تمدنی اور معاشرتی معیار کو اور بھی بلند کرنے اور انہیں برادریت سکھانے کے لئے مسیحی پرچار کی اِس وقت زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ انہوں نے اِس دراز کشمکش کے بعد اس پہلو پر ابھی سوچنا شروع کیا ہے اور اگر یہ ضرورت نہ بھی رہی تو مسیحیت اپنے اعلےٰ و بلند اصول رُوحانیت کے پرچار کی طرف قدم بڑھائے گی۔ جو مسیحیت کا حقیقی نصب العین ہے سو یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ آئندہ زمانہ میں بدیشی مشنوں کا ہند میں کوئی کام نہ ہوگا۔ کیونکہ تب تو وہ مدعا اور کلام کی خدمت میں زیادہ وقت دے سکیں گے اور اگر لامحالہ بدیشی مشنوں کا کام ختم بھی ہو گیا تو ہندوستانی

کلیسا جس کے پاؤں ہند میں جم چکے ہیں ضرور تمدن اور روحانیت کی علم بردار ہوگی۔ گو ہریجن مشن کے کام کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خداوند یسوع مسیح کی محبت و قربانی تھی جو انہیں دور دراز ملک سے تمدنی و روحانی سدھار کے لئے ہندوؤں مسلمانوں اور اچھوتوں میں کھینچ لائی۔ کیونکہ مسیح خداوند کا یہ مقصد عمل تھا۔ کہ وہ غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسیح کیا گیا۔ وہ آیا تاکہ قیدیوں کو رہائی۔ اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سنائے۔ کچلے ہوؤں کو آزاد کرے۔ مشنوں نے مسیح خداوند کے مقصدِ عمل کو لیتے ہوئے ہند میں اپنا خون بہایا اور دفن ہو گئے تاکہ ہندیوں کو زندگی دیں۔ جس سے ہریجن سیوک سنگھ بھی انکار نہیں کر سکتی اور اگر اس سنگھ کے ساتھ ساتھ مسیح خداوند اور اُس کی تعلیم کو پیوست نہ کیا گیا تو مردوں اور عورتوں میں بہترین اخلاق پیدا کرنا۔ انہیں رُوحانی بصارت دینا اور تمدن و معاشرت کو اعلےٰ بنانا مشکل نہیں بلکہ محال ہوگا۔

ہند میں کم از کم نوّے فی صدی لوگ ہیں جو ماس مُومنٹ کے وسیلے سے مسیحی ہوئے لیکن دِقت یہ ہے کہ جب وہ ذرا اعلےٰ حالت کو پہنچ جاتے ہیں تو وہ اپنے پچھلے بھائیوں سے راہ و رسم توڑ لیتے ہیں اور ان کو اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام مشنریوں کا ہے۔ زمانہ قدیم و

موجودہ اس امر پر شاہد ہے کہ بدیشی مشنریوں نے اپنے جان و مال سے ان تھک خدمت کی ہے اور اب دیسی تعلیم یافتہ راہنماؤں کی اشد ضرورت ہے کہ وہ اس ورثہ کے سدھار و تقویت میں کوشاں ہوں۔ کالج کے پروفیسر اور سکولوں کے استاد اس امر میں ہاتھ بٹائیں کیونکہ جہاں کہیں ماس مُومنٹ کی طرز پر کام جاری نہیں ہوا وہاں اعلےٰ طبقہ سے بھی لوگ مسیحی نہیں ہوئے۔ اعلےٰ طبقہ کو مسیحی بنانے سے قبل پست اقوام میں کام کرنا ضروری ہے۔

پست اقوام کے مسیحیوں میں خدمت کی بہت زیادہ ضرورت اس لئے ابھی ہے کیونکہ مسیحیت کو اُن کی زندگی میں پیوست نہیں کیا گیا۔ وہ اجتماع میں تو مسیحی رہ سکتے ہیں لیکن اُن کا رُوحانی معیار ابھی اتنا بلند نہیں ہوا کہ وہ فرداً فرداً اپنے آپ کو مسیحی گواہ ثابت کر سکیں لیکن زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور نہ صرف غریب مسیحیوں کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں بلکہ خداوند مسیح کی شمعِ ہدایت کو تاریک اور بند علاقوں میں لے کر جائیں۔ کیا ہم اس کے لئے تن من دھن سے تیار ہیں؟

مشنوں نے جو کچھ ہمیں سپرد کرنا تھا وہ کر چکیں۔ وہ اپنا کام مقدور بھر کر چکے۔ وہ اچھی دوڑ دوڑ چکے۔ دُکھ اور مصیبت میں انہوں نے ہند کے کھیت میں عرق ریزی سے محنت

کی۔ ہم مسیحی اِس کھیت کے پھل ہیں اور اِن کی محنتوں کے گواہ۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم اور زیادہ بوجھ اُن پر نہ ڈالیں اُن کی بطور ہدیت عزت و خدمت کرتے رہیں۔ ان سے رشتہ اتحاد گہرا رکھیں۔ اور اپنی ہندوستانی کلسیا کو اِس لائق بنادیں کہ جس میں مسیح خداوند بطور پاسبان اور کاہن کام کرتا نظر آئے۔ اور اپنے پیارے خُداوند یسُوع مسیح سے رُوح القُدس کی طاقت پاکر ملک ہند و پاکستان کو حقیقی مالک و بادشاہ یسُوع مسیح کے قدموں میں لے آئیں اور یہ دُعا کرتے رہیں کہ :۔

"تیری بادشاہت آئے" آمین

خَتم شُد

پرنٹر و پبلشر مسٹر ایف۔ ڈی۔ وارث
سکریٹری
پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی
انار کلی۔ لاہور

نو آرٹ پریس، لاہور

Scanned with CamScanner